اس ماہ میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: مکان نمبر B-1 مدینہ اسٹریٹ بلمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد کراچی 74700

سرورق...... ہانیہ امجد آرائش...... روز بیوٹی پارلر عکاسی...... موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی، 74200
Info@naeyufaq.com: 03008264242 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اکتوبر 2022ء کا آنچل آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کا شکر ہے کہ سیلاب کے بعد اب پورے ملک کی صورت حال قدرے بہتری کی جانب گامزن ہے اور ریلوے کا نظام اور آمد ورفت کے دیگر ذرائع بھی آہستہ آہستہ بحال ہورہے ہیں۔ یوں اب صورت حال آہستہ آہستہ قابو میں آتی جارہی ہے اور امید ہے کہ ملک میں سیلاب کے باعث جو مہنگائی کا طوفان برپا ہوا تھا اب اشیائے خورودنوش کی قیمتیں ایک بار پھر غریب آدمی عوام کی قوت خرید میں آجائیں گی۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ڈالر کو بھی لگام ڈال دے آمین۔ ڈالر کی قیمت میں روز بروز اضافہ ملک میں مہنگائی کا نیا طوفان لاتا ہے اور بے چاری غریب عوام اس طوفان کا شکار ہوجاتی ہیں۔

ہم اپنی پڑھنے لکھنے والی بہنوں کے شکر گزار ہیں کہ ان کے تعاون سے اب تک اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور ماشاءاللہ سے چند ماہ بعد آپ کا آنچل اپنی اشاعت کے چالیس سال مکمل کرلے گا۔ اس پر اللہ سبحان وتعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کریں وہ کم رہے گا۔ اپریل کا شمارہ بطور "سالگرہ نمبر" شائع کیا جائے گا، ہم سے اکثر بہنیں شکایت کرتی ہیں کہ ہم ان کو بروقت اس کی اطلاع نہیں دیتے تو بہنیں نوٹ کرلیں اور ابھی سے اپنی نگارشات اور تحاریر ارسال کرنا شروع کردیں تاکہ بعد میں کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔

آئیں ہم سب مل کر اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم سب کو ذہنی وقلبی سکون عطا فرمائے اور وطن عزیز کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرے آمین۔

اس ماہ کے ستارے:۔

ہما عامر، حنا اشرف، نظیر فاطمہ، ایشا گل اور شبانہ اسلم۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ

سعیدہ نثار

بیاں کیسے کروں میں حال دل کا خالق و باری
عجب سی کیفیت مجھ پر ہوئی جاتی ہے اب طاری

میں تیرے دیس میں آکر ہوں ٹھہری تیری مرضی سے
بلاوا بھیج دے کہ میں کروں آنے کی تیاری

رموز عشق مجھ پر اب تلک کھلنے نہیں پائے
ہر اک لمحے ہوں حاضر قلب رہتا ہے مرا جاری

در کعبہ پہ حاضر ہو کے شاید کچھ سکوں پاؤں
بے بس تو نظر آئے ہوں تیرے عشق کی ماری

بہت بے تاب ہے شہناز آقا تیرے جلووں کی
لحہ دے حاضری کا خواہشیں بر آئیں پھر ساری

ڈاکٹر شہناز مزمل

کبھی تو بلاوا مدینے کا آئے
یہ کیا گنہگار طیبہ کو جائے

کئی کیسے فرقت میں شاہ دو عالم
گدا اپنے آقا ﷺ کو رو کے سنائے

مجھے آقا رکھ لیں مدینے میں اپنے
مجھے ہر گھڑی آقا ﷺ روضہ دکھائے

مچل کر پڑھوں جونہی صل علیٰ میں
وظیفہ یہی میری فرقت مٹائے

وہ آئیں گے لازم قبر میں ہیں ملنے
مجھے خوف سے یہ عقیدہ بچائے

ہے روضے کی حسرت نہ دیدار مانگا
یہ کیوں خواب میری نظر بد سجائے

ندامت میں بیٹھا ہوا نعت لکھتا
میں شبیر اپنی نگاہ کو جھکائے

شبیر حسین شبیر

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

نگہت ظفر...... نیویارک

نگہت ڈیئر! سدا مسکراؤ، دور پردیس سے آپ کی ای میل موصول ہوئی اور بزم کی رونق بن گئی۔ سن بیس دس سے اتنے عرصے کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ شرکت خزاں میں بہار ثابت ہوئی جس طرح ای میل برق کے دوش پر ہم تک پہنچی ہے اسی طرح باقی تحاریر بھی پہنچ جائیں گی۔ آپ چاہیں تو ہر ماہ بذریعہ ای میل بھی آنچل وجواب میں شرکت کرسکتی ہیں، کہانیوں کے لیے ہمارا ای میل اور ہدایت نامہ اسی کالم کے آخر میں مل جائے گا اور ہر سلسلے کا ای میل سلسلے کے ابتدا میں شائع کیا جاتا ہے۔

سلمیٰ گل...... پشاور

سلمیٰ ڈیئر! شادوآباد رہو، اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی یہ خود ساختہ دل گرفتی بھی دور ہوگئی۔ دیر سویر تو ہوجاتی ہے لیکن نظر انداز نہیں کیا جاتا، آپ کی تحاریر گاہے بگاہے شائع ہوتی رہیں گی، اب رابطہ استوار رکھیے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں آپ کی دعائیں قبول فرمائے اور آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے آمین۔

کنول ناز...... بہاولنگر

کنول ڈیئر! مہکتی رہو، آپ کی تحاریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے بس اسے نکھارنے کی ضرورت ہے، پختگی لکھتے رہنے سے آجائے گی بس موضوع سماجی ومعاشرتی پہلو پر اصلاحی رنگ لیے ہو۔ امید ہے آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی۔

صائمہ قریشی...... آکسفورڈ

پیاری صائمہ! سدا شاد رہو، امید ہے کہ اب آپ کی والدہ کی طبیعت ان شاء اللہ بہتری کی طرف ہوگی، ہم اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے والدین کا سایہ صحت و سلامتی کے ساتھ آپ کے سر پر قائم ودائم رکھے آمین۔ کافی عرصے سے آپ نے آنچل کے لیے کچھ بھی نہیں لکھا ہم امید کرتے ہیں کہ آپ جلد ہی آنچل کے قارئین کے لیے کچھ لکھ کر بھیجیں گی۔

ام ارسلام...... فیصل آباد

ڈیئر ام ارسلام! خوش رہو، آپ کا دعاؤں اور شکایتوں سے بھرپور خط ملا۔ آپ کی شاعری شعبہ میں بھیج دی گئی ہے، انتظار کریں اگر معیاری ہوئی تو جلد شائع کردی جائے گی اور کہانی لکھتے وقت ایک لائن ضرور چھوڑ کر لکھیں اور اس سلسلے کے آخر میں ہدایت نامہ شائع کیا جاتا اس کو پڑھ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام تکالیف کو دور کرکے آسانیاں فراہم کرے۔ آمین۔

ناھید اختر...... راولپنڈی

پیاری ناہید! شادوآباد رہو، آنچل کے ساتھ اس قدر گہرے تعلق کا جان کر خوشی ہوئی۔ خط کے ساتھ ہی والد مرحوم کی یاد میں آپ کا آرٹیکل بھی موصول ہوا، جس انداز میں آپ نے یہ سب ان کی یاد میں لکھا ہے نہ صرف آپ کی محبت کو اجاگر کررہا تھا بلکہ ہماری آنکھیں بھی نم کرگیا۔ بے شک ماں باپ کا سایہ بہت بڑی رحمت خداوندی ہے، ہم معذرت خواہ ہیں کہ اس آرٹیکل کو آنچل کے صفحات پر شائع نہیں کرپائیں گے لیکن آپ کے جذبات ہمارے لیے قابل قدر وستائش ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور والدہ سمیت آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ اگر آپ کوئی افسانہ لکھ کر بھیجنا چاہیں تو بھیج سکتی ہیں۔

سعدیہ عزیز...... تلہ گنگ

سعدیہ ڈیئر! سلامت رہو، یہ کیا کرڈالا آپ نے، لگتا ہے آپ آنچل کے معیار سے واقف نہیں، اتنی محنت سے آپ نے کہانی لکھی مگر انداز تحریر بھی اچھا نہیں اور نہ موضوع، رہی سہی کسر مکالموں نے پوری کردی۔ آپ نے نہ ایک لائن چھوڑ کے لکھا نہ ایک صفحہ بس پیراگراف کی صورت میں کہانی لکھ ڈالی، آئندہ خیال رکھیے گا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اس لیے آپ کو تفصیلاً جواب دیا اور اس سلسلے کے آخر میں مصنفین کے لیے ہدایت نامہ شائع کرتے ہیں اس کو بھی پڑھ لیں۔

مدیحہ شفاعت...... اسلام آباد

اچھی مدیحہ! مسکراتی رہو، آپ کا شکوہ وشکایات سے بھرپور خط موصول ہوا۔ گڑیا! افسانہ موصول ہونے پر تو ہمت ہی بندھائی جاتی ہے لیکن تحریر کو پڑھنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ آنچل کے معیار کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔ بغیر پڑھے تو رد کیا نہیں جاسکتا۔ ابھی آپ کو مزید مطالعہ کی ضرورت ہے بار بار لکھنے سے ہی تحریر میں پختگی آتی ہے، اچھی اور معیاری تحریر اپنی جگہ خود بناتی ہے رد ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ آپ سماجی و معاشرتی پہلو پر مختصر افسانے لکھ کر خود دیکھیں اور اپنی باقی تحریروں سے موازنہ بھی کریں ان شاء اللہ تحریر میں پختگی و بہتری آجائے گی۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ، مایوس مت ہوا کریں۔

ربیعہ وفا...... گجرات

ربیعہ ڈیئر! سلامت رہو، آپ کی کہانی پڑھی مگر سمجھ نہیں آئی۔ آزر کا کردار آپ نے بہت الجھا ہوا دکھایا، آخر اس کے پیار اور وہ بھی پریشے کیسے؟ کوئی وضاحت نہیں دکھائی آپ نے اور پھر پلاٹ بھی بہت کمزور تھا آپ کسی اور موضوع پر ہلکا پھلکا افسانہ لکھیں اور ہاں مکالمے الگ الگ لائن میں لکھیں پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔

صبا انور...... کوئٹہ

پیاری صبا! بادِ صبا کی طرح ہمیں اپنا احساس دلا گئی ہو، حس خلوص ومحبت اور دعاؤں سے خط کو سجایا اور مزید کسر خوب صورت اور نادر تشبیہات نے پوری کردی، بہت خوب صورت انداز تھا آپ کا۔ افسانہ ابھی نہیں پڑھا گیا اور نظم کے متعلق متعلقہ شعبہ والے ہی فیصلہ کریں گے رد وقبول کا۔ دوست کا ایڈریس نہیں مل سکتا آفس سے معذرت۔

شبانہ اسلم...... کوٹ مومن

شبانہ ڈیئر! سلامت رہو، آپ کا خط موصول ہوا آپ کے لیے ہم صرف دعا ہی کرسکتے ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی مشکلات دور فرمائے اور آپ کی زندگی کو سہل کرے، آمین۔ آپ نے بالکل صحیح کہا کہ اگر کسی قوم کو تباہ کرنا ہو تو پہلے اس کی نئی نسل پر قابو پاؤ آپ نے اتنی پریشانیوں کے باوجود آنچل سے رابطہ رکھا شکریہ، آپ کی نگارشات اگر معیاری ہوئیں تو ضرور شائع ہوجائیں گی۔

عاصمہ عارف...... گجر خان

عاصمہ! سلامت رہو، آپ کا شکوہ نامہ موصول ہوا۔ ہم نے آپ کی کہانیاں رد کیں تو محض اس لیے کہ آپ اور زیادہ اچھا لکھیں، بہرحال آپ کا ناول موصول ہوا، آپ اپنی لکھائی پر خاص توجہ دیجیے، پڑھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے اور ناولٹ یا ناول فی الحال بالکل نہ لکھیں ابھی صرف افسانہ لکھیں وہ بھی ہلکا پھلکا ہاں موضوع ذرا مختلف چنیں اور پلاٹ بناتے وقت تمام باتوں کو مدنظر رکھیں بے تکی و بچکانہ حرکتیں نہ کرائیں کرداروں سے جس سے کہانی کی خوب صورتی ختم ہوجاتی ہے۔ آپ پہلے دیگر مصنفین کی کاوشوں کا گہرائی سے مطالعہ کریں اس سے آپ کو مکالمے وغیرہ لکھنے میں مدد ملے گی اور مکالمے ایک لائن چھوڑ کر لکھا کریں اور جہاں مکالمہ ختم ہو کومہ لگائیے نہ کہ پیراگراف کی صورت میں لکھتی جائیں۔ رہی بات نظم کی تو وہ ہلکی پھلکی اصلاح کے بعد شائع کردی جائے گی۔

شازیہ انجم...... رحیم یار خان

پیاری شازیہ! خوش رہو، آپ کا خط موصول ہوا۔ آنچل پسند کرنے کا بہت شکریہ آپ نے اپنے بارے میں جو کچھ لکھا اسے پڑھ کر دلی رنج پہنچا۔ لوگوں کی باتوں پر بالکل کان مت دھریں، دوسروں کے عیب اور نقص نکالنے والے یہ بھولے بیٹھے ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ سب سے بڑا منصف ہے اور پھر سب سے اچھا انسان تو وہ ہے جس کا اخلاق سب سے عمدہ اور اچھا ہو۔ لوگوں کی باتوں میں آکر کیوں خود سے دشمنی کرتی ہیں، اب ہماری باتوں پر عمل بھی کیجیے گا اور مایوسی کو ترک کرکے آئندہ ہنستے مسکراتے ہماری بزم میں شرکت کیجیے گا، ہم صدق دل سے آپ کی خوشیوں کے لیے دعا گو رہیں گے۔

قرۃ العین...... کراچی

پیاری عینی! دعا، کافی عرصے بعد تشریف لائیں، صبح کے پونے چھ بجے نیند سے بوجھل آنکھیں لیے آپ نے ہمیں خط لکھا تو جناب جواب بھی حاضر ہے۔ نئے لکھنے والوں کی ہم ہمت افزائی و رہنمائی ضرور کرتے ہیں شرط یہی ہے کہ تحریر معیاری ہو، آپ کے لیے اچھے رزلٹ کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں۔ خوش رہیے۔

مریم عباسی...... مری

مریم ڈیئر! جی رہو، محبتوں بھرا خط ملا جس کے لفظ لفظ سے آپ کی چاہت ودیوانگی عیاں تھی۔ آنچل وجواب پسند کرنے کا شکریہ۔ شادی کے بعد بھی اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ اب اپنے سرتاج کی محبت بھری نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے اچھے بچوں کی طرح دل لگا کر پڑھیں اور اپنے شاندار رزلٹ کی خوش خبری سے آگاہ کیجیے گا، تمام مصنفین تک آپ کی پسند پہنچارہے ہیں، اللہ سبحان وتعالیٰ

آپ کو کامرانی اور شادمانی عطا فرمائے آمین۔

صنم ناز...... گجرت

اچھی صنم! جیتی رہو، بہت مصروف لمحوں میں ہمارے لیے فرصت کے چند لمحات نکال کر نصف ملاقات ہو ہی گئی آپ کی امی کی صحت کے لیے قارئین سے بھی دعا کے ملتمس ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی والدہ کو جلد از جلد صحت یاب کر دے، آمین۔

ماہا جاوید...... راولپنڈی

ڈیئر ماہا! سلامت رہو، خوش ہو جاؤ آپ کی کہانی بھی پڑھ ڈالی مگر یہ کیا اس قدر طوالت اور اندازِ تحریر بھی خاصا کمزور ابھی آپ ہلکا پھلکا سا ہی کوئی دلچسپ افسانہ لکھیں اس کے علاوہ کچھ نہیں اور اپنی کہانی کو لکھنے کے بعد بغور پڑھیں کئی بار، اس سے آپ کو اپنی غلطیوں کا اندازہ ہو جائے گا۔

ثوبیہ نظیر...... ملتان

پیاری ثوبی! آباد رہو، آپ کا خط موصول ہوا اور ہم فوراً جواب بھی دے رہے ہیں۔ خط لکھ لکھ کر آپ کی انگلیاں نگار ہو گئیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی محکمہ ڈاک کی عنایت ہے۔ آپ کا تعارف باری آنے پر اور نظمیں غزلیں متعلقہ شعبے والے لگا دیں گے اگر معیاری ہوئیں، نمبر اور پتا دینے کی پالیسی ادارہ متروک کر چکا ہے۔

نورین ارشد...... خان پور

پیاری نورین! سلامت رہو، آنچل میں کی جانے والی تبدیلیوں کو سراہنے کا بے حد شکریہ۔ ملک کے حالات پر کیا لکھیں قلم میں اتنی طاقت کہاں جو کچھ چشمِ نم دیکھتی ہے لب پر آ نہیں سکتا بس کراچی کے ابتر حالات پر دعا کرتی رہیے۔ یہ نصف ملاقات تو ہو گئی اب توجہ سے امتحان کی تیاری میں مشغول ہو جائیں، اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو کامیابی عطا کرے، آمین۔

نگینہ جاوید...... ساہیوال

ڈیئر نگینہ! آباد رہو، بہت ہی خوب صورت دعاؤں سے سجا خط ملا، آپ ہمارے جواب کے ساتھ ہی آنچل کی فیملی کا حصہ بن گئیں اور شکریہ کا موقع بھی ہم نے آپ کی نذر کیا اگرچہ اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی کہانی بھیج دیں اور اس سلسلے کے آخر میں جو ہدایت نامہ شائع کیا جاتا ہے اس کو بھی پڑھ لیں، تعارف بھیج سکتی ہیں جو ان شاءاللہ جلد شائع کر دیا جائے گا۔

فرح شبیر...... سیالکوٹ

فریحہ ڈیئر! شاد رہو، محبت بھرا تعریف نامہ موصول ہوا آپ کی اتنی محبتیں دیکھ کے آنکھیں نم ہو گئیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار کرے، آمین۔ آنچل کے لیے جو آپ نے شعر لکھا بہت پسند آیا لیجیے بہنوں کو بھی پڑھوا دیتے ہیں۔

اے کاش کہ مجھے مل جائے کہکشاں کا عروج
کہ آسمان بھی تیری وسعتوں پہ ناز کرے

حبا خان...... پشین

حبا بیٹی! سدا خوش رہو، آپ کا مختصر خط ملا، اچھا لگا۔ آپ جس نام سے بھی لکھیں بس رابطہ ضرور رکھیں اور آپ کی بہن بھی خط لکھ سکتی ہیں۔ آنچل کی پسندیدگی اور دعاؤں کے لیے شکریہ۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ہر میدان میں کامرانی عطا فرمائے آمین۔

مہوش ناز...... میرپور، آزاد کشمیر

مہوش! خوش رہو، خوش اسلوبی سے لکھا گیا خط ہمارے دل کو چھو گیا، آپ ہمیں آپی یا جو جی چاہے کہہ کر بلا سکتی ہیں۔ آپ کہانی کا نام ناقابلِ اشاعت میں تلاش کر لیجیے، فی الحال آپ کو بہت محنت کی اور مطالعہ ضرورت ہے، سلسلہ وار ناول کا تو بالکل نہ سوچیں پہلے افسانہ نگاری پر عبور حاصل کریں۔

شمیم آراء...... کراچی

پیاری شمیم! آباد رہو، آنچل پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ ہمیں آپ کی مصروفیت کا اندازہ آپ کے خط سے بخوبی ہو گیا ہے ہم بس دعا ہی کر سکتے ہیں۔ بھائی کو بھی امتحان میں کامیابی پر مبارک باد۔ آپ دونوں ترقی و کامیابی کے مراحل یونہی طے کرتے رہیں آمین۔ خوش رہیں۔

شکیلہ طارق...... لاہور

پیاری شکیلہ! شاد رہو آپ کی پہلی تحریر کچھ خاص اثر انداز نہ ہو پائی۔ کہانی کا موضوع بھی ٹھیک نہیں ہے۔ بہت سی باتیں بھی وضاحت طلب ہیں لہٰذا کسی موضوع پر قلم اٹھانے سے قبل تمام نکات سوچ لیں اور لکھ کر محفوظ کر لیں، امید ہے آپ سمجھ پائیں گی۔

اقصیٰ نادر...... لاہور

پیاری اقصیٰ! جیتی رہو، آپ کا افسانہ فی الحال آنچل کے معیار کے مطابق نہیں، اندازِ بیان بہت کمزور ہے۔ تحریر میں پختگی لکھتے رہنے اور مشق جاری رکھنے سے آتی ہے، امید کا دامن تھامے رکھیے۔

ثنا منیر کھوکھر...... اسلام آباد

ڈیئر ثنا! آباد رہو، آپ کا پہلا خط موصول ہوا اور افسانہ بھی مل گیا، بہت جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آپ کو مطلع کر دیں گے، اس بات کا خیال رکھیں کہ ہر سلسلے کے لیے صفحہ الگ استعمال کریں اور اس پر اپنا نام اور شہر کا نام بھی لکھیں، ایک ہی صفحہ پر سب کچھ لکھنے سے سب محنت ضائع ہو جاتی ہے۔

کیفہ حیات...... حیدر آباد

ڈیئر کیفہ! آباد رہو، آپ اپنی بہن کا تعارف لکھ کر بھیج سکتی ہیں ان شاءاللہ جلد شامل ہو جائے گا مزید یہ کہ دلچسپ پیرائے میں رقمطراز ہوں۔

ثناء بٹ...... حافظ آباد

پیاری ثناء! جیتی رہو، آپ کا پہلا خط موصول ہوا اور ساتھ ہی کہانی بھی مل گئی ہے۔ فی الحال کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا لہٰذا تھوڑا انتظار فرمائیے۔ پڑھ کر ہی بتا پائیں کہ کہانی قابلِ اشاعت ہے کہ نہیں۔

قابلِ اشاعت کہانیاں

سفید گلاب، خوبصورت مذاق، ہم دونوں، پچھتاوا، اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا، بے ساکی، ادھورے خواب، عنوان، نادر کی دنیا، محبت کی جیت، دعا، واپسی، کامیاب رشتے، عجب داستان، چغل سازی، وقت ہر زخم بھر دیتا ہے، شجر ممنوعہ، بیتے درد، میری طلب

ناقابلِ اشاعت کہانیاں

معذوری، ماہی، کہانی کا حصہ آگ کا طوفان، فارمولا کہانی، ایسا بھی ہوتا ہے، رزاق، میرا کیا قصور تھا

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ان پیج کی فائل ہو یا ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نئی ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ editor_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ بنگلو نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بالمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد بلاک A، کراچی 74700

عرض مولف

اللہ رب العزت کے ذکر و صفاتِ الٰہی کو اگر بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو خود قرآن حکیم جو سراسر اور یقینی کلام الٰہی ہے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:۔ روئے زمین کے تمام درختوں کے اگر قلم بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی بن جائے اور ان کے بعد مزید سات سمندر اور ہوں (ان کی بھی سیاہی بن جائے) تو بھی اللہ کی باتیں (اس کی حمد و ثنا' اس کی صفات و قدرت) لکھنے سے ختم نہیں ہو سکتیں' بے شک اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور با حکمت ہے۔ (لقمن-۲۷)

جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمام دنیا کے درختوں سے اگر قلم بنائے جائیں اور تمام سمندر کی روشنائی بنائی جائے بلکہ ایسے مزید سات سمندر بھی اگر اور سیاہی کے بنائے جائیں تب بھی اللہ کی باتیں یعنی احکام لکھنے کے لئے کم پڑ جائیں گے خود قرآنِ حکیم بھی اللہ کی ان باتوں کا ہی حصہ ہے۔ اس کی جتنی بھی اب تک تفاسیر ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں اور ہوں گی وہ سب کی سب اسی ذیل میں آتی ہیں۔ لکھنے والے لکھتے رہیں گے پڑھنے والے پڑھتے رہیں گے اور کلام الٰہی کی نئی نئی پرتیں تہہ بہ تہہ کھلتی جائیں گی۔ ویسے بھی قرآن حکیم تو ساری انسانیت کے لئے اور قیامت تک کے لئے الٰہی ہدایت نامہ ہے یہ نہ تو کسی مخصوص قوم کے لئے ہے نہ ہی کسی مخصوص علاقے اور حالات کے لئے ہے۔ یہ تو رب العالمین کا وہ کلام ہے جو اس نے اپنے محبوب ترین بندے رسول آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت العالمین ہیں کہ ذریعے تمام عالموں کے لئے نازل فرمایا ہے یہ تمام عالموں کے لئے رہنما اور ہدایت ہے اس لئے اس کے کسی حکم کو کسی واقعہ کو کسی خاص قوم ... تک محدود کرنا یا سمجھنا اس کی روح کے منافی ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں بھی کوئی واقعہ کوئی سزا یا کسی قوم پر عذاب کا ارشاد فرمایا ہے وہ اہل ایمان کی عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لئے ہی ہوتا ہے تاکہ وہ اس پر سوچیں' سمجھیں اور راہِ راست اختیار کریں جیسا کہ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوا ہے۔ ان فی ذلک لآیات للمتوسمین۔ (الحجر-۷۵) بلا شبہ بصیرت والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اور جو آئندہ قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب لوحِ محفوظ پر لکھا جا چکا ہے جیسا کہ سورہ النمل میں ارشاد ہے۔ "اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب (لوحِ محفوظ) میں نہ ہو" (النمل-۷۵) تمام راحتیں' تمام مصیبتیں سب اللہ ہی کے حکم سے رونما ہوتی ہیں جس کا اظہار سورہ الحدید میں اسطرح ہوا ہے۔ "نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں پر مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں' وہ ایک خاص کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ (کام) اللہ تعالیٰ کے لئے (بالکل) آسان ہے۔" (الحدید-۲۲) دنیا میں انسان جو کچھ دیکھتا ہے سمجھتا ہے جو ہو رہا ہے جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب انسانوں کو سمجھانے اور راہِ حق دکھانے کے لئے ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی مسبب الاسباب ہے اس نے کوئی بھی چیز کوئی بھی واقعہ یونہی ظہور پذیر نہیں فرمایا نہ ہی اس کا کوئی عمل بے کار محض ہوتا ہے اس کے پیچھے اس کی حکمت و تدبر کار فرما ہوتا ہے پوری دانائی کے ساتھ۔ آنے والے کسی واقعے کے لئے فضاء کو پہلے سازگار بناتا ہے تاکہ لوگ پہلے سے ذہنی طور پر آنے والے حادثے یا واقعہ کے لئے تیار ہو سکیں اور اس میں بھی حکمت کارفرما ہوتی ہے کہ اس کا بندہ شکوہ نہ کرے کہ مجھے تو سمجھنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ یکبارگی میرے ساتھ ایسا ہوگا کسی بھی حادثے سزا و عید کے لئے اللہ تعالیٰ پہلے تنبیہ کرتا ہے وارننگ دیتا ہے جیسے بارش سے پہلے بادل منڈلانے لگتے ہیں طوفان سے پہلے ہوائیں تیز تیز چلنا شروع ہو جاتی ہیں جو طوفان کی آمد کی خبر دیتی ہیں ایسے ہی بادل بارش کی خبر دیتے ہیں۔

زیر نظر سورۃ القریش جس کی تشریح و تفسیر مقصود ہے اس کا پس منظر سورہ الفیل کے ذریعے سمجھایا گیا ہے یہ واقعہ جس طرح سے پیش آیا ہے وہ انسانوں کو بڑی فکر اور سوچنے سمجھنے کی دعوتِ عام دے رہا ہے یہ واقعہ صرف اس لئے اہم نہیں ہے یا اسے صرف اس لئے قرآن حکیم کی زینت نہیں بنایا گیا کہ اس کے ذریعے کسی الٰہی معجزے کا ظہور ہو رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر ہر انداز ہر ہر عمل اپنی جگہ ایک مکمل معجزہ ہے چاہے وہ کائنات کی تخلیق ہو یا انسان کی تخلیق یا دیگر مخلوقات الٰہی کی تخلیق و پرورش و نگہداشت کا نظام یہ سب انسانوں کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ وہ سمجھیں اور اس عظیم تر سے عظیم ترین خالق و مالک کی حقیقت کو سمجھیں اور صرف اسی کی عبادت و اطاعت اور شکر گزاری میں زندگی بسر کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب قلم کو کتاب مبین یعنی لوحِ محفوظ لکھنے اور تمام کائنات اور مخلوقات کی تقدیرات الٰہی اور احکام الٰہی تحریر کرنے کا حکم دیا ہوگا اس وقت قیامت تک اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد تک کے تمام آنے والے واقعات وحادثات اعمال و افعال قلم نے حکمِ الٰہی کے مطابق لوحِ محفوظ پر تحریر کر دیئے ہوں۔ ان ہی محفوظ واقعات میں دینِ الٰہی دینِ مبین دینِ حق کی ترویج و تبلیغ کا انداز و احکام بھی لکھے گئے ہوں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ نے اپنے پیارے اور محبوب ترین نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کو دین کی تکمیل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی کے بارے میں بھی تحریر کر دیا ہوگا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی اللہ نے انہیں درپیش مشن کے متعلق لوگوں کے ذہنوں کو آمادہ کرنے کے لئے راہ ہموار کی ہوگی تاکہ جو پیغام حق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو سنائیں تو وہ ان کے لئے بالکل اجنبی نہ ہو ذہنی طور پر وہ اس سے آشنا ہوں اس کے لئے آمادہ ہوں۔

واقعہ اصحاب فیل جو سورۃ الفیل میں پیش کیا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے صرف چند ماہ قبل یعنی ۵۷۱ عیسوی محرم کے مہینے میں پیش آیا تھا جبکہ اللہ کے محبوب و حبیب ہادی برحق نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال ربیع الاول کے ماہ مبارک میں دنیا میں تشریف لائے۔ سورۃ الفیل میں جو واقعہ پیش کیا گیا ہے وہ بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چالیس سال پہلے کا ہے۔ سورۃ القریش کے ذریعے اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کو اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے تاکہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا ذکر کریں انہیں دعوتِ حق دی جائے تو وہ ان احسانات الٰہی کو یاد کرتے ہوئے انحراف کی جرأت نہ کر سکیں۔ قریش کو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث جو اعزاز و مرتبہ دیا اس کا فیصلہ گو کہ وہ روز اول ہی کر چکا تھا اس لئے ان کی تربیت و تعلیم کا بھی خصوصی اہتمام کیا گیا تھا جس کے باعث اس قوم کو بیت اللہ یعنی اپنے گھر کا متولی بنایا تھا اور اس کا سلسلہ نسب

براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ قریش کو یہ فضیلت بھی عطا کی کہ ان میں حضرت اسماعیل کے بعد صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی رسول مبعوث ہوئے باقی تمام پیغمبر ورسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولادوں میں سے ہوئے ہیں۔ اسی بات کو یہود ونصاریٰ نے اپنی مخالفت کی بنیاد بنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔

حضور نبی کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل (علیہ السلام) میں سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے محمد کو۔"

قرآنی آیات کی تفسیر کے لئے ایک محفوظ اصول و انداز ہے۔ وہ یہ کہ ہمیں کسی آیت پر اس طرح غور نہیں کرنا چاہئے کہ ہم پہلے ہی سے اپنے ذہنوں میں کچھ فیصلے کرلیں اور لوگوں کی سوچ وفکر کو اپناتے ہوئے قرآنی موضوعات پر اپنے طور پر فیصلے کرنے لگیں اور آیات کی تاویلات کرنے لگیں جبکہ اصولی طور پر تو یہ ہونا چاہئے کہ ہم جب کسی آیت پر غور وفکر کریں اور اس کی تفسیر وتشریح کرنے لگیں اپنے ذہن کو ہر طرح کے غیر قرآنی خیالات سوچ وفکر سے آزاد کرلیں اور قرآنی آیات کا خود قرآن حکیم کی روشنی میں ایمان اور دعوت حق اور عقیدہ وایمان کے مطابق اپنی فکر کو آگے بڑھائیں اور اپنی فکر وسوچ اور ادراک سے قرآنی فہم کے مطابق نتیجہ اخذ کریں اور اگر قرآن حکیم میں اور آیات الٰہی میں جو چیز مطلقاً فیصلے کردی گئی ہے اسے طے شدہ ہی سمجھیں اس میں اپنی اختراع کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ جس چیز کو ہم عقل انسانی کہتے ہیں اور قرآنی اور تاریخی وکائناتی واقعات کو اس کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو وہ انسان کے محدود تجربات وعلم کا محدود نتیجہ ہوتا ہے جو کہ غیر یقینی اور مبہم ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل انسانی قرآن کے فیصلوں کو پرکھنے کے لئے معیار نہیں ہے۔ جب قرآن کریم کا مفہوم اور اس کی تعبیر واضح آسان فہم اور سیدھی ہو تو پھر فیصلہ آیت ہی کرے گی نہ کہ ہماری عقل۔ ہم کس آیت کی روشنی میں اپنے تصورات کے اصول وضع کریں۔

قرآن حکیم کلام الٰہی ہے اور ذات الٰہی غیر محدود ہے اور قرآن اس ذات عالی اور قادر مطلق کی طرف سے نازل ہوا ہے اور حاکم الحاکمین نے اپنے بندوں کے لیے جو احکامات اور فیصلے صادر فرمادیے وہ قطعی اور مطلق فیصلے ہیں ان میں انسان اپنی عقلی دلائل ومنطق سے نہ کوئی تبدیلی کرسکتا ہے نہ کوئی تحریف کرسکتا ہے نہ یہ کہتے ہوئے کہ قرآنی احکام یا اس کا مفہوم عقل انسانی سے متصادم ہے یا اس کی سمجھ سے ماورا ہے اس لئے انہیں قبول کرنے میں دقت ودشواری ہونے کی وجہ سے اپنی عقل سے فیصلے کرلئے جائیں اس قسم کی سوچ رکھنے والے حضرات جب کسی آیت کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں تو وہ اپنے عقلی دلائل سے کام لے کر اپنی خرافات کے سامنے ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ عقل انسانی قرآن کے فیصلوں کو پرکھنے کے لئے معیار نہیں ہے۔ جب قرآنی احکام اور مفاہیم واضح اور سیدھے ہوں تو پھر یہ فیصلہ آیت ہی کرتی ہے نہ کہ ہماری ناقص عقل اسے کس قدر اخذ کرے اور کس طرح ہم اس آیت کی روشنی میں اپنے تصورات کے اصول واضح کریں اور کائناتی حقائق کے بارے میں قرآنی منطق اور قرآنی استدلال کو کس طرح متعین کیا جائے۔

میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر کے لئے خود قرآن حکیم سے ہی مدد لی جائے۔ ہر قسم کے عقلی دلائل کو پس پشت ڈالتے ہوئے قرآن حکیم کی روشنی میں ہر آیت وسورۃ کی تفسیر کی کوشش کی جائے کیونکہ قرآن حکیم ایک مکمل کتاب ہی نہیں ہے بلکہ ضابطۂ حیات ونظام ہے اب ہم کوشش کرتے ہیں کہ سورۂ قریش کی تشریح وتفسیر کریں اور اسی سورۃ کی تفسیر کے سلسلے میں سورۃ الفیل کو بھی شامل کیا جائے تاکہ بات پوری طرح سمجھ میں آسکے۔ میری دعا اور کوشش ہے کہ کلام الٰہی کو ہم بآسانی سمجھ سکیں اور اس پر عمل کرکے اپنی آخرت کو سنوار سکیں کہ وہی ہماری اصل زندگی ہوگی۔

دنیا کی زندگی تو ایک امتحانی وقفہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا وقفہ ہے کہ جس طرح انسان پیدائش سے پہلے اپنی ماں کے پیٹ میں اپنا تخلیقی وقفہ گزارتا ہے اور تکمیل کے مراحل سے گزرتا ہے۔ بالکل ایسے ہی انسان اپنی آخرت یعنی دائمی زندگی شروع ہونے سے پہلے اپنی دائمی زندگی کی تیاری کے مراحل سے گزرتا ہے یہ تیاری وہ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق سرانجام دیتا ہے کیونکہ اللہ پروردگار نے تو انسان کو بار بار بتایا ہے جتلایا ہے اور ہوشیار کرنے کے لیے بار بار اپنے نبی وپیغمبر ہر قوم قبیلے میں بھیجے ہیں اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی قرآن کریم رہتی دنیا تک کے لیے پوری انسانیت کے لیے ہدایت وروشنی کی کتاب ہے اللہ ہمیں اسے سمجھنے کی عمل کرنے کی توفیق فرمائے آمین۔

مولف: مشتاق احمد قریشی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ قریش

سورۂ قریش ایک رکوع اور چار آیات پر مشتمل ہے اس میں سترہ کلمات اور کل حروف کی تعداد تہتر ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے اور اس سورۃ کا تعلق سورۃ الفیل سے ہے۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن حکیم کو موجودہ ترتیب سے مرتب کیا تو اس سے قبل حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ الفیل اور سورۂ قریش ایک ساتھ مسلسل لکھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں بسم اللہ تحریر نہیں تھی۔ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی نماز میں دونوں سورتوں کو ملا کر پڑھا تھا۔ لیکن جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو سرکاری طور پر لکھوایا اور تمام اسلامی مراکز کے علاقوں تک پہنچایا تو ان میں بسم اللہ دونوں سورتوں کے درمیان تحریر کی گئی تھی اور خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ایسا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی ایک بہت بڑی تعداد سے مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا جو آج بھی ویسے ہی قائم ہے۔

دونوں سورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہونے کے باوجود انداز مختلف ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں۔ مضمون کے اعتبار سے سورۃ الفیل سے ظاہر ہورہا ہے کہ جس واقعہ کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الفیل میں فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہوا تھا واقعہ نبوت کے پیش خیمے کے طور پر جس طرح سورج کے نکلنے سے قبل صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی نہ صرف اطلاع ہے بلکہ دلیل بھی ہے ایسے ہی پیارے محبوب نبی مکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا میں نئے آنے والے ہیں کی آمد سے قبل ظہور نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ایوان کسریٰ کے چودہ کنگورے گرے اور مجوسی آتش کدہ ٹھنڈا ہوگیا بحیرہ ساوہ خشک ہوگیا اسی سلسلے میں خود سرزمین عرب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو ماہ قبل فروری ۵۷۱ عیسوی ماہ محرم میں اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو دوشنبہ کے روز ہوئی (تاریخ خضری رحمۃ اللعالمین علامہ محمد سلیمان منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق یہی ہے)

(جاری ہے)

حصہ پانچ

وہ جو عشق تھا

نازیہ کنول نازی

اس کی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں
ڈھونڈنے اس کو چلا ہوں جسے پا بھی نہ سکوں
مہرباں ہو کے مجھے بلا لو چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

لفظوں کے تھکے لوگ
ایک مدت سے کچھ نہیں کہتے
درد دل میں چھپا کے رکھتے ہیں
آنکھ ویراں ہے اس طرح ان کی
جیسے کچھ بھی نہیں رہا ان میں
نہ کوئی اشک نہ کوئی اپنا
نہ کوئی غیر نہ کوئی اپنا
پپڑیاں ہونٹ پر جمی ایسی
جیسی صدیوں کی پیاس کا ڈیرہ
جیسے کہنے کو کچھ نہیں باقی
درد سہنے کو کچھ نہیں باقی
کچھ بھی پہچانتے نہیں جیسے
کون ہے جس سے پیار تھا ان کو
ایک بے نام سی رفاقت تھی
سوکھی دھرتی کو ابر سے جیسے
ایسی انجان سی محبت تھی
رنگ بھرتے تھے سادا کاغذ پہ
اپنے خوابوں کو لفظ دیتے تھے
اپنی دھڑکن کی بات لکھتے تھے
دل کی باتوں کا مان لیتے تھے
چاندنی کی زباں سمجھتے تھے
ایک مدت سے کچھ نہیں کہتے
اپنے خوابوں سے تھک گئے جیسے
اس کی آنکھوں سے تھک گئے جیسے
ایسے خاموشیوں میں رہتے ہیں
اپنے لفظوں سے تھک گئے جیسے

زارون نوٹ کر رہا تھا محراب کے لبوں پر مسلسل چپ تھی۔ وہ اسپتال سے ایک ہفتہ ہوا گھر آیا تھا مگر حویلی میں سے کوئی اس کا حال پوچھنے تک نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی سگی ماں بھی نہیں اور اس بات کا اسے کتنا دکھ تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

ایک چھوٹے سے حادثے نے اس پر اس کی حقیقت کھول کر رکھ دی تھی۔ وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ حویلی میں کیا حالات چل رہے ہیں۔ علاقے کے سرداروں نے حویلی کا بائیکاٹ کر دیا تھا، زارون جو بات اپنے گھر کے افراد سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا وہ بات خوشبو کی طرح پورے

علاقے میں پھیل گئی تھی۔

سردار عبدالرحیم کے بڑے دونوں بیٹوں کی عزت داؤ پر لگ گئی تھی۔ سردار عبداللطیف نے بیگم عبدالرحیم پر بھی یہ شرط عائد کر دی کہ اگر وہ زارون سے رابطہ رکھیں گی تو انہیں حویلی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

بڑے بیٹوں کے حالات اور چھوٹے بیٹے پر لگی پابندی نے انہیں بستر سے لگا دیا تھا۔ حالات اتنے گمبھیر ہو گئے تھے کہ سردار عبدالرحیم کے بڑے دونوں بیٹوں نے اپنی اپنی بیویوں کو وہاں سے نقل مکانی کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔

ایسے میں زارون کی خبر کون لیتا، اس کی مدد کون کرتا؟ قیمتی ادویات، ٹیسٹ اور چیک اپ پر بینک اکاؤنٹ تیزی سے خالی ہو رہا تھا مگر زارون کو کہاں احساس تھا ان باتوں کا اسے اب بھی صرف اپنی پسند ناپسند سے مطلب تھا۔

اس روز شام میں جب وہ رات کا کھانا پکا رہی تھی آئرہ چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم! کیسی ہو؟''

''وعلیکم السلام! تم سناؤ۔'' پیاز کاٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اس سے ہاتھ ملایا۔ آئرہ نے کچی پیاز اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔

''میں الحمدللہ ٹھیک ہوں، تمہاری جاب کا بندوبست کر دیا ہے تنخواہ بھی بہت اچھی ہے۔''

''واقعی......؟'' محراب کو جیسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔

''ہوں واقعی، انکل تم سے ملنا چاہتے ہیں، ملنے کے بعد سارے معاملات طے کر لیں گے۔''

''کب ملنا ہوگا؟''

''جب تم چاہو۔''

''کل؟''

''ہاں......کوئی مسئلہ نہیں۔''

''کہاں ملیں گے آفس یا گھر؟''

''شام سات بجے تک آفس میں ہی ملیں گے، ہاں

سات بجے کے بعد اگر تم چاہو تو ہم ان کے گھر چلے جائیں گے۔“

”نہیں شام میں امی اور زارون کو چھوڑ کر جانا مشکل ہے میرے لیے، ہم کل دن میں ہی چلیں گے۔“

”ٹھیک ہے جیسے تمہیں بہتر لگے، آنٹی یا زارون بھائی کو کوئی اعتراض تو نہیں۔“

”اعتراض ہے مگر مجھے پرواہ نہیں، ابھی جن حالات کا مجھے سامنا ہے زارون اسے نہیں سمجھ سکتا۔“

”پھر تو وہ غصہ کریں گے۔“

”کوئی بات نہیں خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے جیسے ٹھان لی تھی۔ آئرہ کندھے اچکا کر رہ گئی تھی۔

اگلے روز زارون اور مریم بیگم کو ناشتہ کرانے کے بعد کپڑے بدل کر وہ آئرہ کے ساتھ ہمدانی انڈسٹریز چلی آئی تھی۔

دن کے ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے، ہلکی ہلکی نکھری ہوئی دھوپ جسم کو راحت بخش رہی تھی۔ تقریباً تیں پینتیس منٹ کا سفر طے کر کے وہ لوگ اس بلند و بالا عمارت کے سامنے پہنچ گئی تھیں جہاں اس وقت انہیں جانا تھا۔ آئرہ نے وسیع پارکنگ میں گاڑی پارک کی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”ان کا آفس تو بہت بڑا ہے یار، یہ مجھ جیسی ان پڑھ کو بھلا کیوں رکھیں گے جاب پر؟“ آئرہ اس کی بات پر بے ساختہ مسکرائی۔

”تم ان پڑھ ہو؟“

”تو اور کیا، یہاں تو بہت کوالیفائڈ لوگ جاب کرتے ہوں گے، اعلیٰ ڈگری ہولڈرز۔“

”ہوں...... مگر تمہیں تو یہاں جاب نہیں کرنی ناں تو پھر ایویں ٹینشن لینے کا فائدہ، انہیں ایک اچھی، صاف ستھری بہترین کھانا پکانے والی شیف کی ضرورت ہے، کسی اکاؤنٹنٹ یا سیلز گرل کی نہیں، سمجھی۔“ آئرہ کی بات میں وزن تھا۔ وہ سر ہلا کر گاڑی سے نکل آئی تھی۔

پارکنگ ایریا کراس کرنے کے بعد وہ عمارت میں داخل ہوئی تو اور بھی زیادہ متاثر ہوئی۔ اس کے لیے وہ دنیا ایک بالکل نئی دنیا تھا۔

آئرہ اسے ساتھ لیے لفٹ کی طرف آئی پھر اس کا ہاتھ تھام کر لفٹ میں سوار ہوگئی۔ پانچویں فلور پر ہمدانی صاحب کا آفس تھا۔ لفٹ پانچویں فلور پر رکی تو باہر نکلتے ہی آئرہ نے اسے ایک طرف کھڑا کر دیا۔

”تم یہیں رکو، میں ریسپشن سے پوچھ کر آتی ہوں کب تک مل سکیں گے ہم انکل سے۔“ محراب کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ آگے بڑھ گئی۔

ریسپشن نجانے کس طرف تھی، وہ بے ساختہ خود کو نروس محسوس کرنے لگی۔ آئرہ نے ریسپشن پر اپنا تعارف کرایا تو اسے فوری ملاقات کی اجازت مل گئی۔ بھاری گلاس ڈور اندر دھکیل کر وہ مکمل اعتماد سے کمرے میں داخل ہوئی۔

”السلام علیکم! انکل۔“

”وعلیکم السلام! آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ ہمدانی صاحب سارا کام روک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ان کے سامنے رکھی کرسی پر ٹک گئی۔

”کیا بنا، بات ہوئی اس لڑکی سے؟“

”جی انکل، ساری بات ہوگئی ہے آپ بالکل فکر نہ کریں۔“

”کیا بتایا ہے اسے؟“ ہمدانی صاحب کے لہجے میں بے چینی ٹپک رہی تھی۔ آئرہ مسکرا دی۔

”وہ بھی بتا دوں گی، پہلے آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں، اگر پسند آ جائے تو ڈیل پکی نہیں تو کوئی اور دیکھ لوں گی۔“

”ٹھیک ہے کتنا پڑھی لکھی ہے۔“

”گریجویشن کیا ہے ماسٹر مکمل نہیں ہے۔“

”خاندان؟“

”خاندان اب کوئی نہیں، فیملی ٹوٹ گئی ہے اس کی۔“

”سوشل ہے؟“

”نہیں...... بالکل بھی نہیں، کنویں کا مینڈک ہے اسی لیے تو آپ سے بات کی کیونکہ آپ نے کہا تھا لڑکی

ایسی ہونی چاہیے جسے گھر کی چار دیواری کے سوا کچھ پتا نہ ہو۔“

”ہوں...... گڈ مگر اس کی شادی کا کچھ کرنا پڑے گا۔“

”اس کی آپ فکر نہ کریں معذور شوہر ہے اس کا، کچھ بھی ہو جائے۔ وہ اس کے پیچھے نہیں آ سکتا پھر بھی میں کوشش کروں گی جتنی جلدی ممکن ہو سکے ان کی طلاق ہو جائے۔“

”ہوں یہی بہتر رہے گا۔“

”چلیں ٹھیک ہے پھر میں اسے لے کر آتی ہوں آپ بس دو کروڑ میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرنے کا انتظام کریں۔“

”شیور۔“ اس بار ہمدانی صاحب مسکرا دیے تھے۔

ادھر محراب آئرہ کے بغیر وہاں خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے لیے وہ بلند و بالا عمارت اور وہاں کام کرتے سیکڑوں لوگ بالکل نئے تھے۔

مریم بیگم نے بالکل ٹھیک کہا تھا اس کے گھرانے کی کسی لڑکی کے لیے ایسی ملازمت کرنا آسان نہیں تھا۔

ابھی وہ ان ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ کوئی ہوا کے رتھ پر سوار تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے قریب سے یوں گزرا کہ وہ بہ مشکل گرتے گرتے بچی اوپر سے اس نے اپنا غصہ بھی اسی پر اتارا۔

”اندھی ہو، نظر نہیں آتا، کیوں بھکاریوں کی طرح راستے میں کھڑی ہو؟“ محراب جو پہلے ہی لڑکھڑانے پر کھول رہی تھی۔ اب اس کے الفاظ نے گویا اسے آگ لگا دی تھی۔ تب ہی وہ بولی تو اس کے لہجے میں گویا شعلوں سی تپش تھی۔

”زبان سنبھال کر بات کرو نہیں تو اسی زبان کو کاٹ کر کتوں کو کھلا دوں گی میں، مجھے جانتے نہیں ہو تم۔“

”اچھا...... چلو کاٹو میں بھی دیکھتا ہوں کتنی پاور ہے تم میں۔“ وہ جو شکل سے ہی کوئی عیاش لگ رہا تھا۔ اب شدید اشتعال میں اس کے مقابل کھڑا اسے چیلنج کر رہا تھا۔ اردگرد جمع ہوئے لوگ گویا فریز ہو گئے تھے۔

محراب کو اپنی جان مشکل میں پھنستی محسوس ہوئی تب ہی اس نے تنفر سے رخ پھیر لیا تھا۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے میں تم جیسے بدمعاشوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتی۔“

”واٹ...... کیسے کہا تم نے...... ہوں؟“ وہ جو کوئی بھی تھا اس وقت اس کے لیے واقعی وبال بن گیا تھا۔ محراب کا بازو سختی سے دبوچتے ہوئے وہ غرایا۔ تب ہی آئرہ وہاں آئی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ حیران ہوئی، محراب نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

”پتا نہیں کون پاگل ہے خوامخواہ گلے پڑ رہا ہے میرے۔“

”شٹ اپ۔“ اس بار وہ چلایا۔ آئرہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

”سوری شہریار بھائی، میری دوست ہے آپ کے بارے میں پتا نہیں اسے۔“

”چپ کرو آئرہ کیا پتا نہیں ہے، منسٹر لگا ہے یہ کہیں پر جو پتا نہیں ہے اس کا۔“ جذباتی وہ ہمیشہ سے تھی۔ اس بار آئرہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔

”چپ...... کرو تم، چلو یہاں سے۔“ تقریباً کھینچتے ہوئے وہ اسے وہاں سے دور...... لے آئی تھی۔

شہریار ہمدانی جبڑے بھینچتا اسے غصے سے دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ ایک تو اس کا موڈ اپنی بیٹی کی وجہ سے پہلے ہی آف تھا اوپر سے اس لڑکی نے مزید خراب کر دیا تھا۔

آئرہ اب محراب پر غصہ کر رہی تھی۔

”کیا ضرورت تھی تمہیں شہریار بھائی سے الجھنے کی؟“

”مجھے ضرورت تھی، وہ ٹکرایا تھا مجھ میں۔“

”تو کیا ہوا نظر انداز کر دیتیں، تمہیں پتا بھی ہے وہ کون ہے؟“

”کون ہے۔“

”ہمدانی انکل کے اکلوتے بیٹے، ابھی کل ہی بزنس ٹرپ مکمل کر کے وطن واپس لوٹے ہیں، بیٹی بہت بیمار

ہے ان کی اس وجہ سے پریشان ہیں۔"
"تو میں کیا کروں، مجھ سے زیادتی برداشت نہیں ہوتی۔"
"اچھا چھوڑو چلو ہمدانی انکل انتظار کررہے ہیں۔" وہ فی الحال اس سے بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔
شاہ زر ہمدانی چونکہ اس سے محراب کے بارے میں ساری معلومات لے چکے تھے لہٰذا اس سے چند روایتی سے سوال پوچھ کر اسے جاب کی منظوری دے دی، تنخواہ پرکشش تھی محراب کا دل بے حد ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔
وہ واپسی پہ آئزہ کا شکریہ ادا کرتی نہ تھک رہی تھی، اس آئزہ کا جس نے اس کی دوستی اور اعتماد کو کسی رئیس کے ہاتھوں دو کروڑ روپے میں فروخت کردیا تھا۔

......☆......

"کہاں گئی تھیں تم؟" مریم بیگم کو جاب کی خوشخبری سنا کر وہ زارون کو دوا دینے آئی تو اس نے پوچھ لیا۔
سرخ نم آنکھیں اس کی بے چینی اور اضطراب کی گواہ تھیں۔ محراب نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ میز پر پانی کا گلاس رکھتے ہوئے اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔
"کچھ پوچھ رہا ہوں میں تم سے۔" اس کی خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔ محراب کو ہمت کرنی پڑی۔
"جاب کے لیے انٹرویو دینے گئی تھی اور جاب مل گئی۔" جھوٹ بولنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اس لیے سچ بول دیا۔
زارون کی آنکھوں میں جیسے چند لمحوں میں ہی خون اتر آیا تھا۔
"منع کیا تھا ناں تمہیں اس کام کے لیے پھر کیوں گئیں؟" اس کا ضبط جیسے جواب دے رہا تھا۔ محراب نے رخ پھیرلیا۔
"تمہارے منع کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔"
"مسائل حل نہیں ہوتے تو اپنا سودا کروگی تم، بولی لگواؤ گی اپنی؟" وہ چلایا اتنی شدت سے کہ محراب کو بے ساختہ اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔
"زبان سنبھال کر بات کرو، خود کو بیچا نہیں ہے میں نے۔" اسے بھی غصہ اور رونا ایک ساتھ آیا۔
زارون نے ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ساری دوائیں زمین پر گرادیں۔
"اس سے بہتر تھا تم مجھے کوئی کشکول لادیتیں اور میں باہر جاکر بھیک مانگ لاتا اگر اتنے ہی برے حالات ہوگئے ہیں تمہارے۔" وہ تکلیف میں تھا مگر محراب اس کی تکلیف کا اندازہ نہیں لگاسکتی تھی تب ہی آنسو پونچھتے ہوئی تلخی سے بولی۔
"یہ سب تمہیں حالات بگاڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"
"فائدہ اٹھارہی ہو تم میرے بگڑے حالات کا؟"
"نہیں اپنے نصیب کو کوس رہی ہوں جو تمہارے ہتھے چڑھ گئی۔"
"تو مت کوسو کیونکہ میں ایسی زندگی کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں جو عورت کی کمائی پر بسر ہو۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے میز پر رکھی چھری اٹھالی جو محراب نے پھل کاٹنے کے لیے ساتھ رکھی تھی۔ اس لمحے زارون کی حرکت نے گویا اس کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکال دی تھی۔
"پاگل ہوگئے ہو، چھوڑو اسے۔" چھری اس کے ہاتھ سے چھیننے کے لیے اس نے اسے قابو کرنا چاہا مگر وہ کہاں قابو آنے والا تھا، وہ تو اس لمحے گویا بپھرا سمندر لگ رہا تھا۔
"پیچھے ہٹ جاؤ تم، جان چھڑا رہا ہوں تمہاری خود سے۔"
"نہیں...... تمہیں تایا ابو کی قسم تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔" وہ اپنی پوری کوشش کررہی تھی، چھری اس کے ہاتھ سے چھین لینے کی، اسی کوشش میں کب اس کا بازو زد میں آگیا اسے پتا چلا نہ زارون کو، خون کی ایک تیز دھار نے زارون کے دونوں ہاتھ رنگین کردیئے تھے۔ اس کا سارا جنون وہیں تھم گیا تھا۔ محراب کا چہرہ اب تکلیف کے حصار میں تھا، اس نے بے قراری سے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"کیوں میری جان لینے پر تلی ہو تم محراب؟" کتنی اذیت تھی اس کی آنکھوں اور لہجے میں، اس نے بس ایک نظر اسے دیکھا پھر آہستہ سے اپنا بازو اس کی گرفت سے نکل لیا۔
"تم ہمیشہ میرے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہو زارون عبدالرحیم، کاش تم پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔" روتی ہوئی سی وہ اس کا دل نوچ گئی تھی۔ زارون نے بہت بے بسی سے میز پر زوردار مکا رسید کیا۔ اس رات کھانا مریم بیگم نے پکایا تھا۔ آئزہ آئی تو وہ ہاتھ رومال میں لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ چونکی۔
"یہ کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں یونہی معمولی سی چوٹ لگ گئی؟"
"اوہ پھر تو تم کل سے جاب پر نہیں جاسکو گی؟"
"ہوں...... ابھی دو تین دن مشکل ہے۔"
"زارون بھائی نے کوئی ہنگامہ تو نہیں کیا؟"
"نہیں...... بس وہ چپ ہیں۔"
"چلو یہ بھی اچھا ہے، اب دیکھو ناں آج کل کے دور میں کون ایسی لڑکی ہوگی جو ایک معذور، مفلس مرد کو اپنے سر پر سوار رکھ کر خود دربدر کے دھکے کھاتی ہوگی۔ بھئی میں تو کہتی ہوں اس سلسلے میں تمہاری سوتن تم سے زیادہ سمجھدار نکلی، خلع کا کیس دائر کردیا اس نے۔"
"کرتی رہے میرا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں۔"
"ہوں...... ہو بھی سکتا ہے، اسے زارون بھائی کی دولت سے محبت تھی اور تمہیں ان کی ذات سے، فرق تو ہے ناں۔"
"تمہیں کس نے کہا مجھے اس کی ذات سے محبت ہے؟"
"تو پھر انہیں ساتھ رکھنے کا مقصد؟"
"کوئی مقصد نہیں، صرف رشتہ نبھا رہی ہوں بس۔"
"اس کا مطلب ہے اگر تمہیں زارون بھائی سے کوئی بہت بہتر شخص ملتا ہے تو تم انہیں آزاد کردوگی، ہے ناں۔"

”مجھے خواہش نہیں ہے کسی بہتر کی اور پلیز تانک جھانک کرو مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔“
”چلو ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں، پھر انکل کو بتا دوں گی تم ابھی دو تین دن نہیں آ سکو گی؟“
”بیٹھ جاؤ کھانا کھا کر جانا۔“
”نہیں یار ابھی بھوک نہیں ہے، چلتی ہوں اب جا کے۔“ وہ جلدی میں تھی محراب نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ مریم بیگم نے اسے کھانا کھلا دیا تھا۔ اس کے جانے تک وہ ان کے ساتھ ہی رہی، ان کے سونے کے بعد وہ زارون کے لیے کھانا نکال کر اس کے کمرے میں آئی۔
زارون بستر پر ٹیک لگائے بیٹھا سگریٹ کا زہریلا دھواں اپنے اندر اتار رہا تھا۔ محراب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کھانا میز پر رکھ دیا۔
”کھانا کھا لو۔“
”مجھے بھوک نہیں ہے۔“
”بھوک کیوں نہیں ہے، کل سے کچھ نہیں کھایا تم نے، ایسے تو زخم بھی ٹھیک نہیں ہوں گے، کل چیک اپ کے لیے بھی جانا ہے۔“
”مجھے کہیں نہیں جانا، میری ماں بننا بند کرو تم۔“ وہ جلا بیٹھا تھا۔ محراب پاس چلی آئی۔
”کیا چل رہا ہے تمہارے دماغ میں، کیوں نہیں سکون سے زندگی گزارتے؟ اپنے اسی مزاج کی وجہ سے سب کچھ گنوا دیا تم نے، اب بھی عقل نہیں آئی، اب بھی وہی طنطنہ باقی ہے۔“
”تو کیا کروں، بے غیرت بن جاؤں، اپنی بیوی کو لوگوں کے گھروں میں بھیج کر خود والوں کی طرح گھر بیٹھے اس کی کمائی کھاؤں، یہی چاہتی ہو تم۔“
”کیا غلط ہے اس میں، ہزاروں لڑکیاں جاب کرتی ہیں، گھر چلاتی ہیں، سب شوقیہ تو نہیں کرتی ناں ان کے حالات مجبور کرتے ہیں انہیں، گھر سے باہر قدم نکالنے پر، میرے بھی ہاتھ اس وقت خالی ہیں، میرے بھی حالات میرا ساتھ نہیں دے رہے، جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے سب چھوڑ دوں گی۔“
”اس کی نوبت نہیں آئے گی، میرے جیتے جی تم کسی بھی مجبوری میں گھر سے باہر کمائی کرنے کے لیے نہیں جاؤ گی بس۔“
”تو ٹھیک ہے تم خرچہ اٹھاؤ، میں بیٹھ جاتی ہوں گھر۔“
”اٹھا لوں گا، اپنے دوستوں سے بات کی ہے میں نے کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، تمہیں میرے علاج کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے فی الحال علاج کی کوئی ضرورت نہیں۔“
”تم ایسے کیوں ہو زارون، اتنے ضدی کیوں ہو تم؟“ وہ زچ ہوئی، زارون نے لب بھینچ لیے۔
”بس ایسا ہی ہوں میں۔“
”ٹھیک ہے، اب جو بھی ہوگا اس کے ذمہ دار صرف تم خود ہو گے۔“ برہمی سے کہتی وہ وہاں سے اٹھ گئی۔
زارون نے سر پھر پیچھے تکیے سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اگلے دو دن خاموشی کی نذر ہو گئے تھے۔ تیسرے دن رات میں زارون کی بائیں ٹانگ میں اتنا شدید درد اٹھا کہ وہ ضبط کے باوجود کراہ کر رہ گیا۔
رات دو بجے سے صبح پانچ بجے تک اس نے مچھلی کی طرح تڑپتے ہوئے رات گزاری تھی اوپر سے غزالہ نے الگ وقت ڈال دیا تھا۔
عدالت میں خلع کے کیس کے ساتھ اس نے اپنا اور اپنے بچے کے نان نفقہ کے لیے بھی کیس دائر کر دیا تھا۔ عدالت میں جمع کرائی گئی درخواست کے مطابق وہ امید سے تھی اور اسے اپنے بچے کے حق کے لیے اس کے باپ یعنی زارون عبدالرحیم سے پیسہ درکار تھا۔
زارون کو یہ خبر اپنے دوست کی توسط سے ملی تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہر چیز فنا کر ڈالے۔
محراب ناشتہ لے کر آئی تو وہ غزالہ کا نمبر پریس کر رہا تھا۔ پچھلی پوری رات وہ ایک لمحے بھی سکون سے نہیں سو سکا تھا۔ بیل جا رہی تھی مگر وہ جان بوجھ کر اس کی کال کاٹ

رہی تھی، پک نہیں کر رہی تھی۔ زارون کا چہرہ اس لمحے جیسے کسی انگارے سے کم نہیں تھا۔
بار بار کوشش کے بعد بالآخر غزالہ نے اس کی کال پک کر لی تھی۔
”کیا مصیبت ہے، کیوں بار بار تنگ کر رہے ہو مجھے؟“ کال پک کرتے ہی وہ غرائی۔
زارون کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے پاس جا کر اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں گویا انگاروں سی تپش تھی۔
”تم ایک کم ظرف، گھٹیا لڑکی ہو، مجھے اس بارے میں ایک فیصد بھی شک نہیں تھا پھر ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس کے طیش پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
”اف کتنے اچھے لگ رہے ہو یوں بے بسی سے دھمکی دیتے ہوئے، لگتا ہے ابھی تک عقل ٹھکانے نہیں آئی تمہاری۔“
”کیا چاہتی ہو؟“ وہ ضبط کی انتہا پر تھا۔ غزالہ کو اچھا لگا تب ہی مزے سے بولی۔
”روتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں تمہیں اپنے پاؤں میں بٹھا کر۔“
”کیوں؟“
”یاد نہیں تمہیں اس روز گاڑی میں کتنی حقارت اور غرور سے تم نے کہا تھا کہ میں کسی کو تمہارے ساتھ اپنے نکاح کا نہ بتاؤں نہیں تو تم ایک پل نہیں لگاؤ گے مجھے میری اوقات یاد دلانے میں، اب بتاؤ تمہیں تمہاری اوقات یاد آئی کہ نہیں۔“ مرچ مسالا لگتا اس کا لہجہ زارون کو پاتال کی اتھاہ گہرائیوں میں لے گیا تھا۔
”ہمیشہ میں نے تمہاری ضرورت پوری کی اور بدلے میں ہمیشہ تم نے مجھے ذلیل کیا۔ اب وقت بدل گیا ہے زارون عبدالرحیم، ذلیل ہونے کی باری اب تمہاری ہے۔“ جتنا وہ اس کا خون جلا سکتی تھی جلا رہی تھی۔
زارون کو اس لمحے سے پہلے کبھی اپنی معذوری پر اتنا غصہ نہیں آیا جتنا اس وقت آ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس جھنا تک بھری لڑکی کو جوتے تلے مسل کر رکھ دے۔
”[illegible] ہے، جتنا مرضی ذلیل کر سکتی ہو کرو، کھلی چھوٹ ہے تمہیں مگر ایک بات یاد رکھنا زخمی شیر زیادہ خطرناک ہوتا ہے، جس دن میں دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تمہیں ساری دنیا میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔“
”اچھا...... پہلے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو تو لو پھر دھمکی بھی دے دینا۔“ وہ پھر ہنسی۔ زارون نے موبائل غصے سے سامنے دیوار پر دے مارا۔
اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب وہ اتنا بے بس ہو جائے گا کہ خود پر ہنسنے والوں کو سزا بھی نہیں دے پائے۔ محراب نے نظر پھیر کر موبائل اسکرین کے ٹکڑوں کو دیکھا پھر اس کے رستے زخموں کو۔
”تمہارے زخم رس رہے ہیں، تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔“ مدھم لہجے میں اس نے اس کی توجہ بٹانی چاہی۔ زارون اس پر فقط اک نگاہ ڈال کر رہ گیا۔
کل رات سے وہ جس تکلیف کے حصار میں تھا صرف وہی جانتا تھا۔ لہٰذا نا چاہتے ہوئے بھی اس وقت اسے چیک اپ کے لیے جانا پڑا تھا۔ ڈاکٹر فرحت نے تفصیلی چیک اپ کے بعد اس کی کلاس لینا ضروری سمجھا۔
”کیا بات ہے مسٹر زارون، میں نوٹ کر رہا ہوں آپ صحت یاب ہونے میں دلچسپی نہیں دکھائے دے رہے؟“ ڈاکٹر فرحت کے سوال پر اس نے بے ساختہ نظر چرائی تھی۔
”کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہ پتا ہونے کے باوجود کہ آپ ٹھیک ہو سکتے ہیں پھر سے اپنے پیروں پر چل سکتے ہیں آپ کو اپنے علاج میں دلچسپی نہیں، کیوں؟“ وہ پوچھ رہے تھے مگر زارون کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا لہٰذا وہ خاموش بیٹھا رہا۔ تب ہی انہوں نے

خاموش ہی محراب سے کہا۔

"ان کا خیال رکھیں مس محراب، جتنی لاپروائی یہ اپنے زخموں میں دکھا رہے ہیں ان کے لیے بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے اگر ان کی ٹانگ کے زخم جلدی خشک نہ ہوئے یونہی بگڑتے رہے تو آپ جانتی ہیں ناں، کیا ہوسکتا ہے، ٹانگ کاٹنی پڑ سکتی ہے اور ٹانگ کاٹنے کا مطلب ہے ساری زندگی کے لیے اپاہج ہو کر رہنا، آپ تصور کرسکتی ہیں یہ کتنا تکلیف دہ ہوگا، اس صورت میں جبکہ ان کے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔" وہ سچ کہہ رہے تھے۔ محراب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کوشش کریں جتنی جلدی ہوسکتا ہے ان کے زخم خشک ہوجائیں تاکہ ہم انہیں مزید بہتر ٹریٹمنٹ کے لیے باہر بھجوا سکیں۔"

"جی ڈاکٹر۔"

"شکریہ، ان کی دوا دس کا خاص خیال رکھیں ایک دن بھی ناغہ نہ ہونے پائے۔"

"جی ان شاء اللہ۔" وہ یہی کہہ سکتی تھی ورنہ حقیقت میں اس نے زارون عبدالرحیم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ گھر واپسی کے سفر میں زارون معمولی سے زیادہ خاموش تھا۔

اس رات اس نے دوا لینے میں کوئی نخرہ نہیں کیا تھا۔ پوری رات وہ بیڈ کے کنارے پر ایک ہی کروٹ لیے چپ چاپ سویا رہا تھا۔ شاید غزالہ نے جو حرکت کی تھی اسے اس نے زیادہ ہی دل پر لے لیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے شیو بھی بڑھ گئی تھی مگر اسے جیسے کوئی احساس ہی نہیں تھا۔

بینک میں جو پیسے بچے تھے محراب نے اس کی دوائیں اور کچھ گھر کے لیے راشن خرید لیا تھا۔ اس روز ناشتے کے بعد وہ زارون کو دوا کھلانے کے بعد مریم بیگم کو بتا کر ہمدانی ہاؤس چلی آئی تھی۔ آئرہ ساتھ تھی لہٰذا کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

ہمدانی صاحب کا گھر اس کے آفس کی طرح بے حد شاندار تھا۔ تقریباً پانچ کنال پر بنا گھر...... گھر کم کوئی محل زیادہ لگ رہا تھا۔ صفائی اتنی کہ ماربل کی ٹائیلوں میں وہ اپنا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

چونکہ آئرہ اس کے ساتھ تھی لہٰذا اسے گھر کے اندر تک جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی اس گھر میں بے شمار نوکر تھے مگر اپنے کام سے کام رکھنے والے کسی کو کسی دوسرے ملازم کے کام یا ذات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ہمدانی صاحب ابھی گھر پر ہی تھے لہٰذا آئرہ اسے ساتھ لیے ان کے پاس چلی آئی۔

"السلام علیکم! انکل صبح بخیر۔"

"وعلیکم السلام آؤ بیٹے بڑے اچھے وقت پر آئی ہو میں ابھی آفس کے لیے نکلنے ہی والا تھا۔" وہ چونکہ ٹائم کے پابند تھے تو آفس کے لیے بھی کبھی لیٹ نہیں ہوتے تھے۔

آئرہ مسکراتے ہوئے وہیں لان میں ان کے سامنے کین کی کرسی پر بیٹھ گئی ساتھ ہی محراب کو بٹھا لیا۔

"میری دوست جاب شروع کرنا چاہتی ہیں انکل، اسی لیے ساتھ لے کر آئی ہوں۔" ہمدانی صاحب کا وقت قیمتی تھا لہٰذا اس نے ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ محراب اس دوران سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ ہمدانی صاحب نے کہا۔

"گڈ...... جاب کا تو تم نے انہیں بتا ہی دیا ہے کیا کرنا ہوگا بس میں چاہتا ہوں مجھے شہریار اور اس کی بیٹی کی طرف سے کوئی شکایت نہ ملے۔"

"نہیں ملے گی، میری دوست بہت سمجھدار ہے، بڑے بڑے بھوتوں کو قابو کر کے رکھا ہوا ہے اس نے۔" وہ ہنسی اور محراب کو اس کی یہ ہنسی بے حد عجیب لگی۔

"بھلا اس کی کھانے پکانے کی جاب سے کسی کو قابو کرنے کا کیا تعلق؟" اس نے دل میں سوچا۔

"ایک اور بات کا خیال رکھنا ہوگا، بلاضرورت کسی بھی میل، فیمیل ملازم یا ملازمہ سے بات چیت کرنے کی (قطعی) اجازت نہیں ہوگی۔" ہمدانی صاحب کی طرف سے گویا وارن کیا گیا تھا۔ محراب نے آہستہ سے اثبات میں

سر ہلایا۔

اسے ضرورت بھی کیا تھی کسی سے بلاوجہ فری ہونے کی اسے تو صرف اپنی تنخواہ سے مطلب تھا۔ باقی ہر چیز اس کے لیے بے معنی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے میں اب آفس کے لیے نکلتا ہوں تم آنے جانے کا وقت بتا دینا انہیں۔" اگلے ہی پل کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے گویا بات سمیٹ دی تھی۔

آئرہ نے سر ہلا کر انہیں اطمینان دلایا۔ ہمدانی صاحب کے وہاں سے رخصت ہونے کے بعد وہ محراب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"دیکھو محراب ہمدانی انکل بہت اچھے انسان ہیں، یوں سمجھو کہ خوش نصیب لوگوں کو ان کے ہاں ملازمت ملتی ہے مگر ایک بات ہے ان کے کچھ اصول ہیں وہ تمہیں فالو کرنے ہوں گے۔"

"کیسے اصول؟" محراب کو حیرانی ہوئی۔

"سب سے پہلا اصول تو یہی ہے کہ بلاوجہ کسی سے دعا سلام نہیں کرنی اور دوسرا اصول دوران ملازمت جو حکم تمہیں انکل یا ان کے بیٹے کی طرف سے دیا جائے تم اسے فوراً بجالاؤ گی۔ کام چور، نکمے لوگ انکل کو پسند نہیں اور تیسرا سب سے اہم اصول تم اپنی طرف سے جتنی مدت یا وقت جاب کرنا چاہو تم اس کی پابند ہوگی کہ اس وقت کے دوران تم ملازمت چھوڑ کر نہیں جاؤ گی کیونکہ اس طرح پھر مالک لوگوں کو مسئلہ ہوتا ہے وہ فوری طور پر نئے بندے کا انتظام نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، کام کیا کرنا ہوگا مجھے؟"

"کام وہی کھانا پکانا، اصل میں ہمدانی انکل کے پاس تین چار شیف ہیں بہترین کھانا پکاتے ہیں مگر تمہیں بتایا تھا ناں، ان کا بیٹا بڑا کھڑوس ہے ذرا جو کوئی چیز ناک تلے آجائے اس کے اور اس کی بیٹی کے، بس اسی لیے انکل چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی ضرورت مند شیف مل جائے جو اس کے نخرے برداشت کرے اور جیسا وہ کہے ویسا پکا دے خواتین کا تھوڑا لحاظ کرتا ہے وہ۔"

"کب سے کب تک یہاں رہنا ہوگا؟" اسے یہ جاب کچھ خاص اچھی نہیں لگ رہی تھی مجبوری تھی کہ فی الوقت اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

"ہاں یہ اہم سوال ہے تو ایسا ہے محراب کہ شہریار بھائی صبح چار بجے کے قریب گھر آ کر سوتے ہیں تو ایک بجے تک اٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں، ان کی بیٹی کی بھی یہی روٹین ہے تو تم آرام سے دوپہر کے کھانے کی تیاری کر کے آ سکتی ہو اور شام چار پانچ بجے تک شہریار بھائی کے گھر سے نکلتے ہی چھٹی کر کے جا سکتی ہوں سمپل۔"

"بیوی نہیں ہے ان کی؟"

"بیوی ہے مگر دونوں ساتھ نہیں رہتے، اصل میں شہریار بھائی کی بیوی ہمدانی انکل کے سب سے بڑے بزنس حریف کی بیٹی ہے، کسی زمانے میں دونوں دوست تھے تو رشتہ طے کر دیا بعد میں دشمنی ہو گئی تو رشتہ بھی ختم، شہریار بھائی نے رشتہ ختم نہیں کیا، انکل کے خلاف جا کر انہوں نے اس لڑکی سے شادی کر لی چار سال دونوں ٹھیک چلے بعد میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے شروع ہو گئے تو وہ چھوڑ کر چلی گئی اور بھائی یہاں آ گئے، بس اسی وجہ سے مزاج بھی سوا نیزے پر رہتا ہے ان کا۔"

"ہوں کافی دلچسپ کہانی ہے۔"

"بس کہانیاں تو تمہیں روز ملیں گی یہاں مگر تم نے بس ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا ہے، ہمت نہیں ہارنی اور پیچھے گھر کی فکر تو بالکل نہیں کرنی میں ہوں ناں، میں آنٹی کے لیے ان کی بیٹی جیسی ہوں، ایک لمحے کے لیے بھی اکیلی نہیں چھوڑوں گی انہیں۔" وہ بات بات پر اسے تسلی دے رہی تھی۔ محراب کی آنکھیں اس کی اس درجہ محبت پر بھر آئیں۔

"تم کتنی اچھی ہو آئرہ، سمجھ میں نہیں آتا کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں، اتنا تو نایاب ہوتی شاید وہ بھی میری لیے نہ کر پاتی جتنا تم نے کیا ہے۔ تم بہت عظیم ہو آئرہ، آج کل ایسی دوست ملنے ناممکن ہیں۔"

"اب تم شرمندہ کر رہی ہو مجھے۔" محراب کے الفاظ

پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

محراب نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی نظر میں وہ اس کے لیے واقعی کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔

طلوع شمس مفاوقت ہے
پرانی کرنیں
نئے مکانوں کے آنگنوں میں لرز رہی ہیں
فصیل شیر وفا کے روزن
چمکتے ذروں سے بھر گئے ہیں
گئے دنوں کی عزیز باتیں
نگار صبح، گلاب راتیں
بساط دل میں بھی عجیب شے ہے
ہزار جیتیں ہزار ماتیں
جدائیوں کی ہوائیں لمحوں کی خشک مٹی اڑا رہی ہیں
گئی رتوں کا ملال کب تک
چلو کہ شاخیں تو ٹوٹتی ہیں
چلو کہ قبروں پہ خون رونے سے اپنی آنکھیں ہی پھوٹتی ہیں
یہ موڑ وہ ہے جہاں سے میرے
تمہارے رشتے بدل گئے ہیں
پرانی راہوں کو لوٹنا بھی ہماری تقدیر میں نہیں ہے
کہ راستے بھی ہمارے قدموں کے ساتھ آگے نکل گئے ہیں
طلوع شمس مفاوقت ہے
تم اپنی آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے ستاروں کو موت دے دو
گئی رتوں کے تمام پھولوں، تمام خاروں کو موت دے دو
نئے سفر کو حیات بخشو
کہ پچھلی راہوں پہ ثبت جتنے نقوش پائیں
غبار ہوں گے
ہوا اڑائے کہ تم اڑاؤ......

اس نے زارون اور گھر کے لیے جاب کی تھی اور جاب کے پہلے ہی دن اسے احساس ہو گیا کہ اس سے غلط فیصلہ سرزرد ہو چکا ہے۔

ہمدانی صاحب کی پوتی کوئی عام بچی نہیں تھی شیطان کا سایہ تھی، صبح اٹھتے ہی اس نے محراب کو کھپانا شروع کر دیا تھا۔ کبھی کھچڑی کھانی ہے تو کبھی پاستا، وہ محنت سے بنا کر لاتی تو ایک چمچ کھاتے ہی اسے اندازہ ہو جاتا کہ وہ ٹھیک نہیں بنا لہٰذا اب کوئی اور ڈش بنا کر اس کے حضور پیش کی جائے بات صرف یہیں تک رہتی تو بھی ٹھیک تھی مگر بھری پلیٹ کو ریجیکٹ کر کے وہ قیمتی قالین یا دیوار پر دے مارتی تھی اور اس کی صفائی میں جو اسے جان کھپانی پڑتی وہ کوکنگ سے زیادہ محنت طلب کام تھا۔

عجیب بے بسی تھی کہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ بچی کو اس کا بنایا ہوا کچھ بھی پسند نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اپنی پوری محنت اور توجہ سے سب بنا رہی تھی۔ اسی لیے نہیں چاہتی تھی کہ پہلے ہی دن ریجیکٹ ہو کر گھر چلی جائے۔

[illegible] نے عجیب مشکل میں پھنسا دیا تھا اس کے سارے راستے تاریک ہو گئے تھے۔ تین بجے کے قریب شہریار سو کر اٹھا تو سب سے پہلی فکر اسے اپنی بیٹی کے کچھ کھانے کی تھی جو اپنے کمرے میں بھوکی پیاسی موڈ آف کیے بیٹھی تھی۔

"پری۔" اسے آواز دیتا وہ کمرے میں آیا تو سامنے بیڈ پر وہ رو رہی تھی۔ اس کی جیسے جان نکل گئی۔

"پری کیا ہوا میری جان، رو کیوں رہی ہو؟" لمحوں میں اسے سینے سے لپٹاتے ہوئے وہ جیسے بے کل ہوا تھا۔ پری کی شکایتیں شروع ہو گئی تھیں۔

"بڑے پاپا نے پھر میڈ بدل دی پاپا، مجھے اس کا بنایا ہوا کچھ بھی نہیں کھانا۔"

"کیوں؟"

"بس مجھے اچھی نہیں لگی وہ۔"

"کیوں...... اچھی کیوں نہیں لگی، کیا اس نے ڈانٹا آپ کو؟"

"نہیں...... ڈانٹا نہیں پر وہ مما جیسی دکھتی ہے، آپ کو

پتا ہے ناں آئی ہیٹ مما۔" اس نے اصل وجہ بیان کردی۔

شہریار کے لب بھینچ گئے۔ نفرت تو وہ بھی کرتا تھا اس بے حس سے جو ایک معمولی سی بات پر اس کی ساری محبت، سکھ و آرام کو ٹھوکر مار کر چلی گئی تھی مگر اس کی بیٹی کی نفرت شاید اس سے بھی کہیں بڑھ کر تھی کہ اسے اس کا کوئی ہمشکل بھی پسند نہیں تھا۔

"اوکے، میں آپ کے بڑے پاپا سے بات کرتا ہوں، پتا نہیں کس کو رکھ لیا انہوں نے۔" دھیمے لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے فوری جیب سے موبائل نکالا۔

ہمدانی صاحب نے دوسری بیل پر اس کی کال پک کرلی۔

"جی بیٹے ہوگئی صبح؟"

"ہوگئی پاپا مگر پری آپ سے ناراض ہے، رو رہی ہے۔"

"کیوں؟" دوسری طرف وہ بے چین ہوئے تھے۔

"میڈ جو تبدیل کردی ہے آپ نے اس کی۔"

"مجبوری تھی بیٹا، اس سے پچھلی جو لڑکی تھی پتھر کا باؤل دے مارا تھا پری نے اس کے منہ پر شکر کرو آنکھ بچ گئی مگر پیشانی پر گہرا زخم آیا تھا۔ کسی بھی قیمت پر جاب کے لیے تیار نہیں تھی وہ تم ہی بتاؤ کیا کرتا میں؟"

"اس سے سوری کر لیتے بڑے پاپا، مجھے بس غصہ آ گیا تھا۔" پری نے موبائل کے اسپیکر سے نکلتی ان کی آواز سن لی تھی، موبائل اپنے باپ کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی تو وہ کھل کر ہنس دیے۔

"سوری کی تھی بیٹے مگر وہ بہت ڈر گئی تھی، اب جو نئی آئی ہے ناں یہ اس سے بھی اچھی ہے۔"

"مجھے اچھی نہیں لگی۔"

"چلو کوئی بات نہیں بڑے پاپا کو تھوڑا ٹائم دو وہی پرانی والی دوبارہ آ جائے گی خوش۔"

"جی پاپا لو یو۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے موبائل باپ کو واپس کردیا۔

ادھر ہمدانی صاحب نے فوراً آئرہ کو کال ملائی تھی۔

"ہاں آئرہ بیٹے دو کروڑ تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیے ہیں اب تم نے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں انکل، اسی مہینے کی آخری تاریخ ہے، میں، میں نے ابروڈ جانا ہے، جانے سے پہلے آپ کا کام ہوجائے گا۔"

"نہیں اتنا انتظار نہیں کرسکتا میں، اتنے دن تک تو شہریار کا سسر بیچ کھائے گا مجھے، اس کی بیٹی مکمل طور پر اس کی مٹھی میں ہے، وہ کسی بھی وقت میری ساکھ اور کاروبار کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، تمہارے پاس بس یہی ایک ہفتہ ہے جو بھی کرنا ہے فوری کرو اور جان چھڑاؤ ہماری اس بلا سے۔"

"ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں میں کرتی ہوں کچھ۔"

دو کروڑ اس کے اکاؤنٹ میں آ گئے تھے اب تو کچھ کرنا ہی تھا اسے، پورے دو گھنٹوں میں اس نے پلان بنایا کہ جن جن جگہوں پر شہریار کی بیوی جاتی ہے پہلے وہ وہاں وہاں اس کے اوقات کار کا پتا لگائے گی اور پھر شہریار کی بیٹی کو مہرہ بنا کر وہ محراب کے کندھے پر بندوق رکھتے ہوئے اس کا نشانہ لے لے گی، بظاہر یہ سب سوچنا آسان لگ رہا تھا مگر حقیقت اس سے مختلف تھی۔

اسے اس معاملے میں بے حد محتاط رہنا تھا۔ آخرکار کسی کی جان لینا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔

۞.....☆.....۞

اس رات جاب سے واپسی پر وہ زارون کے پہلو میں آ کر بیٹھی تو پہلی بار بستر پر اس کی موجودگی سے تحفظ کا احساس ہوا۔ کوئی تھا دنیا میں جسے اس کا تماشا بننا برا لگتا تھا۔ وہ جاگ رہا تھا محراب اس سے بنا کوئی بات کیے چپ چاپ اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ تب ہی وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"کیسا رہا آج کا دن؟" محراب کو اس سے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ ایسا کوئی سوال کرے گا تب ہی حیرانی سے پلٹ کر اسے دیکھا جس کی اداس نگاہیں اس کے وجود پر ٹکی

ہوئی تھیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بہت مشکل، مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ مجھے یہ جاب صرف ایک چھوٹی سی شیطان بچی کو سنبھالنے کے لیے مل رہی ہے، کیا کیا نہیں پکوایا اس نے مجھ سے مگر کھایا کچھ بھی نہیں، میرا بس نہیں چل رہا تھا اس کا گلہ گھونٹ دیتی۔" پہلی بار وہ اس سے کچھ شیئر کر رہی تھی۔ زارون کو اچھا لگا۔

"ماں کہاں تھی اس کی؟"

"ماں نہیں ہے، چھوڑ کر جا چکی ہے، ایسی شیطان اولاد کو پالنا کوئی آسان تھوڑی ہے۔"

"ہوں اپنی دوست کو بتایا تم نے۔"

"بتایا ہے مگر اس کا ایک ہی جواب ہے ہمت سے کام لو سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"اس نے یہ جاب دلوائی ہے ناں۔"

"ہوں۔"

"کب سے جانتی ہو تم اس لڑکی کو؟"

"جب سے اس گھر میں آئی ہوں۔"

"کون کون ہے اس کے گھر میں؟"

"پتا نہیں، میں نے کبھی پوچھا نہیں۔"

"کرتی کیا ہے؟"

"نہیں پتا۔"

"تو پتا کیا ہے؟ وہ تمہارے سارے معاملات میں شامل ہے اور تمہیں اس سے متعلق کچھ پتا ہی نہیں، شاباش ہے تمہیں۔" وہ خفا ہوا۔ محراب کو بھی محسوس ہوگیا کہ اس کی غلطی ہے تب ہی سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"اب ملوں گی تو سب کچھ پوچھ لوں گی، لڑکی بری نہیں ہے۔"

"کسی کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ کیسا ہے، یہ وقت بتاتا ہے، دیکھا نہیں تم نے کتنا اعتبار کرتی تھیں تم غزالہ پر مگر کیا صلا ملا، ساری عمر کے لیے مجھ جیسا ایک ناپسند شخص تمہارے گلے پڑ گیا جو بدنامی ہوئی وہ الگ اور قطعی بے قصور ہوتے ہوئے جو سزا ملی وہ الگ، جب نہیں سیکھا تم نے اپنی اس غلطی سے۔" وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ محراب کی ہمت ہی نہ ہوئی وہ سر اٹھا سکے۔

"دنیا تمہارے جیسی نہیں ہے محراب، تم ایک شفاف موتی ہو مگر یہ معاشرہ کیچڑ ہے، اسی لیے میں تمہیں خود سے بھی چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں، تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تم کتنی معصوم اور بے وقوف ہو، مجھے تو اس جاب میں بھی اس کا کوئی مفاد نظر آ رہا ہے ورنہ آج کل پچیس تیس ہزار کی نوکری کے لیے لوگوں کی جوتیاں گھس جاتی ہیں اور اس نے تمہیں پلک جھپکنے میں چالیس ہزار کی نوکری دلوادی، واہ کمال ہوگیا۔" وہ تلخ ہو رہا تھا۔ محراب نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔

"وہ ایسی نہیں ہے، تم اس کے بارے میں غلط گمان کر رہے ہو، وہ بس میری مدد کرنا چاہتی ہے اور کچھ نہیں۔"

"چلو اللہ کرے ایسا ہی ہو، صبح کورٹ جانا ہے مجھے، جب اٹھو تو مجھے بھی ساتھ ہی اٹھا دینا۔"

"کورٹ کیوں جانا ہے؟" اب کے اس نے چونک کر دیکھا۔ زارون نے سگریٹ سلگایا۔

"پیشی ہے، غزالہ نے کیس کیا ہے مجھ پر نان نفقہ کا۔"

"نان نفقہ تو اس کا اور بچے کا حق ہے۔"

"ہاں اگر بچہ اپنا ہو اور بیوی کوئی تمہاری جیسی اللہ میاں کی گائے ہو تو۔"

"کیا مطلب؟ تم کہنا چاہتے ہو کہ بچہ تمہارا نہیں ہے؟"

"ہاں۔"

"مگر تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ تمہارا اس کے ساتھ میاں بیوی والا تعلق تھا۔"

"جو کچھ بھی تھا تم سے نکاح سے پہلے تھا، تمہیں اپنا بنانے کے بعد اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا میں نے اور یہ بات وہ جانتی ہے اس لیے بدلہ لے رہی ہے۔"

"پہلے کا بھی تو ہوسکتا ہے۔"

"نہیں اس سے ملاقات کے آخری دن تک ایسا کوئی

معاملہ نہیں تھا۔"

"تو پھر اب کیا کرو گے تم؟"

"کچھ نہیں، اسے اسی کے کھودے ہوئے گڑھے میں منہ کے بل گراؤں گا۔"

"کیسے؟"

"عدالت میں پیش ہوکر۔"

"چلو اللہ کامیاب کرے، طلاق نہیں دو گے؟" کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوں گا مگر اچھی طرح ناک سے لکیریں نکلوا کر۔" محراب نے اس کے اس جملے کو بھی اپنی سمجھ اور شک کے مطابق لیا۔ اس کی نظر میں وہ کسی صورت غزالہ سے دستبردار ہونے کو تیار ہی نہیں تھا۔

"جہاں غزالہ سے علیحدگی کی بات آتی تھی وہ پہلو بچا لیتا تھا۔ اندر کہیں چور ہوگا ایسے ہی اس کے لیے بہن نہیں مروائی میری۔" جل کر سوچتے ہوئے اس نے پھر کروٹ بدل لی تھی۔

ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اسے اپنی کمر پر زارون کا ہاتھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ محراب کا سارا جسم برف بن گیا۔

"کھانا کھالیا تم نے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں اور تم نے؟" بمشکل وہ جواب دے پائی تھی جب وہ بولا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کیوں پچھلے دو دن سے تم نے کچھ نہیں کھایا، اس دن ڈاکٹر فرحت کتنا غصہ کررہے تھے یاد ہے ناں تمہیں، جلدی ٹھیک ہونے کے لیے وقت پر کھانا بھی ضروری ہے۔" نصیحت بھرے لہجے میں کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب زارون نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب ہاتھ کا زخم کیسا ہے تمہارا؟"

"بہتر ہے، میں کھانا لاتی ہوں تم کھالو۔" فوراً ہی اس نے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

اس رات زارون نے زبردستی اسے اپنے بازو پر سلایا تھا۔ اسے تو سکون کی نیند آ گئی مگر محراب ساری رات نہیں سو سکی تھی۔

☆......☆......☆
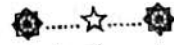
اگلی صبح زارون محراب کے اٹھانے سے پہلے اٹھ گیا تھا۔ وہ جو نماز فجر کے بعد سوئی تھی اب تاخیر سے اٹھنے پر خاصی شرمندہ تھی۔ چپ چاپ بستر سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی، اچھی طرح فریش ہوکر باہر آئی تو زارون اسی کا منتظر تھا۔

"چچی نے ناشتہ بنالیا ہے، تم ایسا کرو میری کپڑے نکال دو، تھوڑا پانی دے دو منہ ہاتھ دھولوں پھر کپڑے بدل دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" دوپٹے سے گیلا چہرہ خشک کرتی وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اپنی پسند سے اس نے زارون کے لیے کاٹن کا نیلا سوٹ نکالا مگر اس نے ریجیکٹ کردیا۔

"نہیں یہ رکھ دو، وہ والا بلیک سوٹ جو نظر آرہا ہے وہ لاؤ۔" امپورٹڈ کپڑے والا بلیک سوٹ وہ تین ماہ قبل دبئی سے لایا تھا اور شہر کے سب سے مہنگے ٹیلر سے فل فیشن میں سلوایا تھا۔ اس وقت اس لباس کے لیے اس کی پسند نے محراب کو جیسے آگ لگادی۔

"حد ہوگئی ہے، اس عورت نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے تمہیں مگر تمہارے دل میں اب بھی اس کی محبت کے چشمے ابل رہے ہیں، وہ بلاوجہ عدالت میں گھسیٹ رہی ہے تمہیں اور تم تیار ہوکر اب بھی اسے دکھانے کے لیے اس قدر بن ٹھن کے جارہے ہو جیسے پیشی نہ ہوئی برات ہوگئی۔" بلیک سوٹ الماری سے نکالتے ہوئے وہ بڑبڑائی تو زارون مسکرایا۔

"تمہیں کوئی مسئلہ ہے؟"

"مجھے کوئی مسئلہ کیوں ہونے لگا، میری بلا سے جان دے دو اس پر۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تم چل رہی ہو ساتھ؟" زارون نے مزید لطف لیا

جب وہ تنک کر بولی۔

"نہیں، اتنا فالتو وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

"چلو ٹھیک ہے پھر بدل دو کپڑے، دیر ہورہی ہے۔"

"سبحان اللہ، ابھی نو نہیں بجے اور تمہیں دیر ہورہی ہے، بڑی بے تابی ہے پرکٹی منکوحہ سے ملنے کی۔" اب کے سلگ کر کہتے ہوئے اس نے کپڑے بیڈ پر پٹخ دیئے تھے۔

"میرا تو خیال ہے ساری رات نیند ہی نہیں آئی ہوگی تمہیں عدالت جانے کا سوچ کر۔"

"عدالت نو بجے کھل جاتی ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کرنا ہے۔"

"ہاں ہاں، جاؤ جاؤ۔ کس نے روکا ہے میں تو کہتی ہو ناشتہ بھی وہیں اسی دھوکے باز کے ساتھ کرلینا کیا پتا کیس واپس لے لے اپنا۔"

"تم دعا کرو کیس واپس لے لے وہ کیونکہ طلاق اسے میں نہیں دوں گا، کبھی بھی نہیں۔"

"تو نہ دو، مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" اس بار لہجہ پہلے سے زیادہ جلالی تھا۔ زارون نے مسکراہٹ چھپالی۔

"تمہاری دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں اس لیے۔"

"ہاں بہت قبول ہوتی ہیں، قبول ہوتیں تو آج تمہارے ساتھ نصیب پھوٹ نہ رہے ہوتے میرے؟" اندر کہیں آگ لگی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

شرٹ اتارتے ہوئے زارون نے جان بوجھ کر اسے تنگ کیا۔

"کیا مسئلہ ہے، پہننے ہیں کپڑے تو پہن لو، نہیں تو مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔" وہ غصے ہوئی۔

زارون نے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ ناشتہ کررہا تھا جب محراب نے پوچھا۔

"واپسی کب تک ہوگی تمہاری؟"

"کوئی پتا نہیں، شام ہوجائے گی، کیوں مس کرو گی تم مجھے؟"

"اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔" اس کے مسکرا کر دیکھنے پر وہ پھر جلی، زارون کا اس کا یہ روپ بے حد اچھا لگا۔

تیار ہوکر اس نے اپنے دوست کو کال کردی تھی۔ وہ گاڑی لے آیا تو محراب نے پوچھا۔

"باہر کیسے جاؤ گے وہیل چیئر تو ہے نہیں۔"

"تم تو ہو ناں، لے جاؤ اٹھا کر۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا، محراب گھور کر رہ گئی۔

"دو من وزن ہے تمہارا، میری اتنی جان نہیں کہ تمہیں اٹھا سکوں۔"

"تو بنالو جان، کس نے روکا ہے۔"

"تمہیں دیر نہیں ہورہی اب؟" کمرا سمیٹتے ہوئے اس نے طنز کیا تو وہ مسکرادیا۔

"دیر تو ہورہی ہے مگر تم نے جان بوجھ کر باتوں میں لگایا ہوا ہے، تم جانے دو گی تو جاؤں گا ناں؟"

"جاؤ......میری طرف سے اجازت ہے۔"

"اتنے غصے سے کیوں کہہ رہی ہو، لگتا ہے صبح صبح مرچیں چبالی ہیں۔"

"...نے نہیں جانا، میرا خیال ہے میں ہی چلی جاتی ہوں یہاں سے۔" وہ زچ ہوگئی تھی۔ زارون کھلکھلا کر ہنس دیا۔

محراب کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے دوست کو کال کی، وہ گاڑی سے وہیل چیئر لے آیا تھا۔ بیڈ سے کرسی پر اسی نے اسے منتقل کیا پھر وہی اسے لے کر باہر گیا۔

محراب نے کچن کی کھڑکی سے اسے جاتے دیکھا پھر بڑبڑائی۔

"گھنا، میسنا، چلاک کہیں کا۔"

(آخری قسط ان شاء اللہ اگلے ماہ)

تیرے بخت کی روشنی

ہما عامر

کس طرح گزری جدائی اور سفر کیسا لگا
اتنی مدت بعد آئے ہو تو گھر کیسا لگا
خواہشوں کا اور جذبوں کا اثر کیسا تھا
سچ بتاؤ خود کو تنہا جان کر کیسا لگا

اس کے ذہن میں دھماکے ہورہے تھے۔ لگتا تھا سانس ابھی رک جائے گی۔ دل تھا کہ ابھی سینہ پھاڑ کر باہر آجائے گا۔ کیا زندگی اب اسی بوجھ کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کا شریک سفر جس کے ساتھ چند گھنٹوں پہلے اس نے ایجاب وقبول کیا تھا۔ وہ شخص اسے اپنے راز میں شریک کر گیا تھا اپنی حقیقت، اپنے ادھورے وجود کا سارا درد سارا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے تو کبھی کسی کا دل تک نہیں دکھایا تھا۔ اپنی ہمت سے بڑھ کر سب کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مما کہتی تھیں بھابی سے۔ بہت چھان پھٹک کر تند کے لیے داماد منتخب کیا تھا تو پھر یہ سب کیا تھا جو اس کے کورے دل نے سہا تھا۔ اس کے کورے جذبات خالی سلیٹ جیسا دل جس پر وہ اپنے شوہر کا نام لکھنا چاہتی تھی۔

"مما..... میں کہاں جاؤں؟" اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

✿......☆......✿
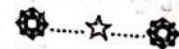
"انابیہ اٹھو، نانا جان بلا رہے ہیں۔" زونیرہ نے اس کے وجود سے چادر کھینچی تو ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ دوپہر میں وہ آرام کرنے لیٹی تھی۔

"نانا جان تمہیں اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ وہاں تجیزی بھائی بھی موجود ہیں۔" جہانزیب کے ذکر پر زونیرہ کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔ انابیہ نے دلچسپی سے ڈیڑھ سال بڑی بہن کو دیکھا اور دوپٹا درست کرکے بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگا کر کمرے سے باہر آگئی۔

"السلام علیکم!" اس نے نانا جان کے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا۔ نانا جان ایزی چیئر پر دراز تھے۔ جہانزیب ان کے نزدیک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی جس میں وہ غرق تھا۔

"وعلیکم السلام! انا..... ہم نے تمہیں یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ کل صبح تم جہانزیب کے ساتھ ایڈمیشن کے لیے چلی جانا۔" رحمت عباسی نے اسے ہدایت دی۔

"جی ٹھیک ہے، نانا جان۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر جہانزیب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تجیزی بھائی کب چلنا ہے؟"

"رات کو میں گاؤں کے لیے نکلوں گا لیکن صبح تک واپس آجاؤں گا۔ تم دس بجے تک تیار رہنا۔" اس نے فائل سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نانا جان ڈنر کے بعد واک کے لیے چلیں گے؟"
اس نے چمکتی ہوئی نظروں سے نانا کو دیکھا۔
"ہاں ٹھیک ہے پر ابھی تم جاؤ، میں جہانزیب سے ضروری بات کررہا ہوں۔" رحمت علی عباس نے کہا تو وہ ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ دوبارہ نیند آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ پچھلے لان میں آگئی جہاں جہانزیب نے مختلف ملکوں کے چرند پرند پال رکھے تھے۔ گویا چھوٹا سا "چڑیا گھر" بنا ہوا تھا۔ نوال وہاں پہلے موجود تھی اور چوبی بنچ پر بیٹھی اپنا فزکس کا ٹیسٹ یاد کررہی تھی۔

"تم اکیڈمی نہیں گئیں؟" انابیہ نے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جانا تو تھا پر مما شاپنگ کے لیے چلی گئیں۔ گھر میں دوسری گاڑی نہیں تھی۔ میں نے سوچا آج گھر پر ہی پڑھ لوں۔" نوال نے بتایا۔

"تم جیزی بھائی کے ساتھ چلی جاتیں ان کی گاڑی بھی تو ہے۔" انابیہ بولی۔

"تم تائی امی کو جانتی ہو ناں انہیں لگتا ہے کہ اس گھر کی لڑکیاں بلائیں ہیں جو ان کے کلوتے بیٹے کو چمٹ جائیں گی۔ تمہارا اور زونی کا معاملہ الگ ہے تم لوگوں کو نانا جان کی سپورٹ حاصل ہے اور دادا کی عدالت میں تو تایا جان کی بھی نہیں چلتی۔" نوال نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"بڑی مامی جانے کیوں ایسا سوچتی ہیں۔" انابیہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ اپنی جگہ ٹھیک ہی ہیں۔ ان سے یعنی میری مما یا افراح پھوپو سے کہا جائے کہ جہانزیب کو داماد بنالیں تو وہ دونوں خواتین بہ خوشی راضی ہوجائیں گی۔" نوال نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تو اسے زونی کی چمکتی آنکھیں یاد آئیں (تو کیا زونی کو جیزی بھائی سے محبت ہے)

"نوال شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"نوال اور انا تم دونوں اندر آجاؤ میں نے چائے کے ساتھ نگٹس بنائے ہیں۔" رابیل نے کچن کے پچھلے

دروازے سے آواز لگائی۔ دونوں نے گردن موڑ کر رابیل کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ گریجویشن کی بعد وہ گھرداری میں مہارت حاصل کر رہی تھی۔ کھانا تو زونیرہ بھی اچھا پکالی تھی مگر وہ کچن میں کم ہی جاتی تھی۔ اس کی دیگر مصروفیات ہی بہت تھیں۔

"میرے لیے ادھر ہی بھجوادو۔" نوال نے بڑی بہن سے کہا جبکہ انابیہ اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جہاں سب گھر والے موجود تھے۔ سوائے افراح کے وہ اب تک نہیں لوٹی تھیں۔ یہ ان کا معمول تھا۔ صبح وہ ایک پرائیوٹ ادارے میں پڑھانے جاتی تھیں گریجویشن کے اسٹوڈنٹس کو اور وہاں سے فارغ ہو کر وہ ایک اکیڈمی میں بھی پڑھاتی تھیں۔ یہ سب ضروری نہیں تھا مگر افراح کو مصروف رہنے کی عادت تھی۔

رحمت علی عباسی نے زندگی میں ایک بار افراح پر اپنی پسند مسلط کی تھی اور اب تک شرمسار تھے۔ رحمت علی عباسی کے تین بچے تھے۔ عظمت علی عباسی، عشرت علی عباسی اور ان کی آنکھوں کا نور افراح جو کہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھی۔ افراح کی عمر چودہ سال تھی جب اس کی والدہ بیگم دل کا دورہ پڑنے سے اس جہاں سے کوچ کر گئی تھیں۔ دوستوں رشتے داروں نے دوسری شادی کا مشورہ دیا جسے رحمت علی نے مسترد کر دیا اور اپنی بہن رقیہ جہاں کو جو کہ بیوہ اور بے اولاد بھی تھیں۔ انہیں بلوا لیا تا کہ وہ گھریلو امور کی نگرانی کرنے کے علاوہ بچوں کا خیال بھی رکھ سکیں۔ بچے رقیہ جہاں کو بوا بلاتے تھے۔ عظمت علی کے تعلیم سے فارغ ہو کر خاندانی بزنس سنبھالنے پر انہوں نے رقیہ جہاں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ان کی شادی اپنے ایک عزیز کی صاحب زادی سے کروی تھی۔

شائلہ ایک تعلیم یافتہ اور خوب صورت لڑکی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں معلوم ہوا کہ اس کا ظرف بہت چھوٹا تھا۔ سسرال میں افراح کی امتیازی حیثیت اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ بہت جلد رحمت علی پر حقیقت آشکار ہوگئی تھی۔ انہوں نے جیسے ہی عشرت علی کی شادی کا اراہ کیا۔ افراح کے لیے آنے والے ایک رشتے کے لیے بھی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

افراح نے ایف ایس سی کے پرچے دیے تھے، وہ اپنی تعلیم جاری کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سنا تو خوب واویلا کیا، زندگی میں پہلی بار رحمت علی نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ دونوں بھائیوں نے بھی لاڈلی بہن کا رونا دیکھا نہ گیا، انہوں نے ابا جان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن رحمت علی نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کروا دیا کہ زمان احمد جیسے رشتے روز روز نہیں ملا کرتے۔ زمان کے والد سے رحمت علی کی اسکول کے زمانے سے دوستی تھی۔

محمد احمد ایک کثیر الاشاعت اخبار کے مالک تھے جبکہ زمان احمد حال ہی میں انگلینڈ سے ایم بی اے کی ڈگری لے کر لوٹا تھا۔ محمد احمد کی خواہش تھی کہ اس رشتے سے دونوں دوستوں کی دوستی مزید مضبوط ہو جائے گی۔ زمان کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ بس افراح ہی تھی جو خوش نہ تھی مگر رحمت علی نے اسے زمانے کی اونچ نیچ کچھ اس طرح سمجھائی کہ اسے راضی ہونا ہی پڑا تھا۔

افراح، زمان احمد کے سنگ رخصت ہوئی اور عشرت علی اپنی ماموں زاد نائلہ کو بیاہ لائے۔ نائلہ ایک کم گو اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ اس نے جلد ہی شوہر اور سسر کا دل جیت لیا تھا۔ دوسری جانب افراح بھی اچھی بیوی اور بہو بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ زمان احمد بھی ایک اچھے شوہر ثابت ہو رہے تھے، وہ افراح کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ شائلہ کو قدرت نے اولاد نرینہ سے نوازا تھا۔ افراح کی شادی کے وقت جہانزیب چار سال کا تھا۔ عشرت علی کی زندگی میں نوال اور رابیل نے رنگ بھر دیے تھے جبکہ افراح، زونیرہ کے بعد دوسرے بچے کی آمد کی منتظر تھیں کہ اچانک ان کی زندگی میں بھونچال آ گیا تھا۔ ہفتہ وار تعطیل تھی، وہ سب ناشتا کرنے میں مصروف تھے کہ زمان کی بیوی جینی آ گئی۔ اس سے زمان نے انگلینڈ میں شادی کی تھی اور اس سے اس کا ایک تین سال کا بیٹا ابراہیم بھی تھا جو ہو بہو دادا کی تصویر تھا۔

جینی اب زمان کے انتظار سے اکتا کر اسے ساتھ لے جانے کے لیے آئی تھی۔ اس کی آمد سے افراح کی زندگی تہس نہس ہو کر رہ گئی تھی۔

افراح نے زمان سے جھگڑا کیا اور زونی کو لیکر رحمت علی عباسی کے گھر آ گئی تھی۔ زمان نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی پر وہ نہ رکی۔ رحمت علی نے دوست سے باز پرس کی۔ محمد احمد بے حد شرمسار تھے۔ انہوں نے زمان پر زور دیا کہ وہ جینی کو طلاق دے دے۔ پر ابراہیم کا چہرہ دیکھنے کے بعد نہ تو وہ جینی کو طلاق دینا چاہتے تھے نہ افراح کو خود سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ جینی کو زمان کی دوسری شادی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا پر وہ زمان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے افراح کے اصرار پر رحمت علی نے خلع کا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ خلع کے بعد زمان احمد جینی اور بیٹے کے ساتھ انگلینڈ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے زمان نے چاہا کہ زونیرہ کو ساتھ لے جائے مگر افراح نے اسے زونی کا چہرہ تک دیکھنے نہ دیا۔ زمان کے انگلینڈ جانے کے دو ماہ بعد انابیہ نے دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ انابیہ کی پیدائش کا سنتے ہی زمان کی والدہ دامن پھیلائے آئیں کہ افراح ایک بچی انہیں دے دے مگر افراح نے انہیں مایوس لوٹا دیا تھا۔ اسے بچیوں سے بہت محبت تھی مگر بعض اوقات وہ ان سے زمان کی بیٹیاں ہونے کا بدلہ لینے لگتی تھی۔ خاص طور پر انابیہ سے جس کی آنکھیں زمان کی طرح سنہری تھیں۔

"نانا جان، آج مما کا موڈ بہت آف ہے۔" انابیہ نے رحمت علی سے شکایت کی۔

"وہ بھی کیا کرے جب تم اس کی توقعات پر پوری نہیں اترو گی تو اس کا موڈ تو خراب ہوگا ہی۔" رحمت علی لاٹھی ٹیکتے ہوئے بولے۔ آج وہ دونوں نانا، نواسی واک کے لیے آئے تھے۔

"میں نے کیا، کیا؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"تم نے جہانزیب سے مس بی ہیو کیا ہے انا، تمہیں سوری کرنا چاہیے۔" نانا نے سمجھایا۔ شائلہ مامی کے خود پسندانہ رویے کا بدلا بعض اوقات وہ جہانزیب سے لے لیتی تھی۔ حالانکہ وہ بے قصور ہوتا تھا۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ معمولی سی بات تھی۔ انا کو اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں جانا تھا۔ افراح چونکہ کسی سیمینار میں شرکت کرنے اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔ اس لیے زونی اور انابیہ کی ذمہ داری شائلہ پر تھی۔ شائلہ نے انا کو برتھ ڈے میں جانے سے روک دیا تھا۔ شائلہ کے خیال میں شام کے وقت انا کا تنہا باہر جانا مناسب نہیں تھا۔ جہانزیب گاؤں گیا ہوا تھا جہاں رحمت علی کی کثیر اراضی تھی۔ انا نے بنا کوئی شور شرابا کیے چپ سادھ لی پر دوسرے دن جہانزیب کی شرٹ پریس کرتے ہوئے جلا دی تھی۔ جہانزیب صبح ہی لوٹا تھا۔ اس نے شرٹ جلانے پر انابیہ سے باز پرس کی تو اس نے ہنگامہ برپا کر دیا کہ ان کے پاپا نہیں ہیں تو ہر کوئی انہیں ڈانٹنے کا حق رکھتا ہے۔

"نانا جان...... میں نے تو ان کا کام کرنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے احتجاج کیا۔

"جہانزیب کے ذاتی کاموں کے لیے گھر میں ملازمہ موجود ہے۔ اس کے کپڑے پریس کرنا تمہاری ذمہ داری نہیں، تم نے یہ کام اس کو تنگ کرنے کے لیے کیا تھا ناں حالانکہ تم جانتی ہو وہ افراح اور تم دونوں بہنوں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ تمہیں کالج سے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری بھی اس نے اٹھا رکھی ہے۔" رحمت علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر اور کیا کرتی، بڑی مامی سے تو بدتمیزی کرنے سے رہی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"جہانزیب نے بدتمیزی کرنے سے بھی گریز کیا کرو جس طرح تم مجھے پیاری ہو وہ بھی میرا لاڈلا ہے۔ میرا اکلوتا پوتا ہے وہ۔" انہوں نے انا کو تنگ کرنے کی غرض سے کہا اور اس نے عادتاً منہ پھلا لیا مگر رحمت علی نے ذرا پروا نہ کی۔

"جہانزیب سے سوری کرلینا۔" رحمت علی نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" انا کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا گھر نزدیک

...تیار کر لی۔
...تم آ گئی ہیں کیا؟" انا نے زونی سے پوچھا جو
چھوٹے ماموں کے لیے کافی بنا رہی تھی۔
"نہیں آدھے گھنٹے پہلے میں نے کال کی تھی، مما بتا
رہی تھیں کہ ہائی وے پر ٹریفک جام کی وجہ سے انہیں دیر
ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا ہے ہم دونوں کو ان کے انتظار
میں جاگنے کی ضرورت نہیں۔" زونی نے تفصیل سے بتایا۔
"تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟" زونی نے اس کا بجھا
ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔
زونی سمجھ گئی کہ نانا جان نے اس کی کلاس لی ہے اس وجہ
سے محترمہ کا مزاج اکھڑا اکھڑا لگ رہا ہے۔
اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے جہانزیب کے
کمرے کے دروازے پر اس کے قدم سست ہوئے۔ اس
نے دروازہ ناک کیا اور اندر سے "یس" کی صدا آنے پر
اس نے دروازہ پورا کھول کر اندر جھانکا۔ جہانزیب صوفے
پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گھٹنوں پر رکھا تھا
اور وہ گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں
انابیہ ایستادہ تھی۔
"سوری۔" اس نے شرمسار انداز میں کہا اور دروازہ بند
کر کے آگے بڑھ گئی جبکہ جیزی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل
گئی۔
"ٹور کیسا رہا افراح؟" عظمت علی نے بہن سے
پوچھا۔
"بھائی اس دفعہ میں بہت بور ہوئی۔ کبھی کبھی انسان
زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر خود کو بہت تنہا
محسوس کرنے لگتا ہے پھر اس دفعہ مجھے زونی اور انا کی بھی
بہت یاد آئی۔" ماں کی بات پر آملیٹ لاتی زونی مسکرا دی۔
"ساتھ ہی لے جاتیں ان دونوں کی بھی تفریح ہو
جاتی۔" شمائلہ نے طنزیہ کہا۔
افراح جب زمان کا گھر چھوڑ کر رحمت کدے میں
واپس آئی تھی۔ تب رحمت علی نے بڑے بیٹے عظمت علی پر
زور دیا تھا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ الگ گھر میں شفٹ
ہو جائیں تاکہ افراح کی وجہ سے ان کی بیگم کو کسی مسئلے کا
سامنا نہ کرنا پڑے لیکن عظمت علی اس بات کے لیے راضی
نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے انہوں نے انکار کر دیا وہ اپنے
والد اور بہن بھائی سے دور نہیں ہونا چاہتے تھے۔ شمائلہ نے
اپنی تئیں انہیں سمجھانے کی پوری کوشش کی پر وہ نہ مانے
تھے۔
"ہاں بھابی، میں بھی یہی سوچ رہی تھی نیکسٹ منتھ
میری کولیگ کے بھائی کی شادی ہے۔ حیدرآباد میں وہاں
لے جاؤں گی ان دونوں کو۔" اس نے مسکرا کر بھابی کو
جواب دیا۔
"کیا ابا جان ناشتہ کر چکے ہیں؟" عشرت علی نے
بیوی سے پوچھا۔
"جی ہاں وہ تو فجر کی نماز کے بعد ہی ناشتہ کر لیتے
ہیں۔"
"انابیہ کہاں ہے، اسے کالج نہیں جانا؟" افراح نے
زونیرہ سے پوچھا۔
"مما..... آج وہ چھٹی کرے گی، ہم دونوں آپ کے
ساتھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔" زونی نے اس کے گلے
میں بانہیں ڈالیں تو دونوں بھائی مسکرا دیے۔ جیزی خاموشی
سے ناشتے میں مصروف تھا۔ انابیہ جب ناشتے کے لیے
آئی تو سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ڈائننگ روم
خالی تھا۔ البتہ کچن سے جہانزیب کی سرگوشی باہر تک آ رہی
تھی۔
"میں پہلے بھی تمہیں کہہ چکی ہوں کہ اپنی حد میں رہو،
یہاں تمہیں کچھ نہیں ملنے والا۔" انا نے کچن میں جھانکا۔
جیزی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ
جہانزیب کا مخاطب کون ہے پر اسی وقت رعنا اس کے لیے
افراح کا پیغام لے آئی۔
"انا بی بی آپ کی مما آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی
ہیں۔" انابیہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔ جہانزیب اب بھی
کچن میں ہی تھا۔ وہ بے دلی سے سیڑھیاں طے کرتی ہوئی

پہلی منزل پر موجود افراح کے کمرے میں آ گئی۔ دل پر
جانے کیوں بوجھ سا آ گرا تھا۔
"مما آپ نے بلایا؟"
"ناشتہ کیا تم نے؟" افراح نے اس کے بال
سہلائے۔
"دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے منہ بسورا۔
"چلو اٹھو شاباش آج میں اپنی بیٹی کو ناشتہ بنا کر دیتی
ہوں۔ اس کے بعد ہم شاپنگ پر چلیں گے پھر وہاں سے
ہم لنچ پر چلیں گے۔" افراح نے پورا پروگرام ترتیب دے
رکھا تھا۔
"رابی تم اور نوال بھی تیار ہو جاؤ۔ ہم شاپنگ پر چل
رہے ہیں اور لنچ بھی باہر کریں گے۔" افراح نے انا کے
لیے ناشتہ میز پر لگاتے ہوئے کہا۔
"جی پھوپو۔" رابیل اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا تمہاری؟" افراح نے
رابیل سے پوچھا۔
"پھوپو، سر میں درد ہے۔" اس نے پیشانی مسلتے
ہوئے کہا۔
"زونی ہم اپنے پاپا کے پاس کیوں نہیں رہتے۔" انا
نے آج پھر پاپا کو یاد کیا تھا۔
"انا...... کیا ہو جاتا ہے تمہیں، مما اگر تمہاری بات سن
لیں تو کتنا ہرٹ ہوں گی۔ پاپا کو اگر ہماری پروا ہوتی تو کبھی
تو ہم سے ملنے آتے۔" زونی نے اپنی سرخ آنکھوں سے
انابیہ کو دیکھا۔
"تمہیں کیا ہوا، روتی رہی ہو کیا؟" اس نے پوچھا۔
"میں کیوں روؤں گی، فلو ہو گیا ہے۔" اس کی آواز بھی
بھاری ہو رہی تھی۔
"تمہیں فلو ہے، رابیل کے سر میں درد ہے، مما کے
ساتھ جانے کا پروگرام تو چوپٹ ہوتا لگ رہا ہے۔"
"آدھے گھنٹے میں نکل رہے ہیں۔ تم جاؤ فٹافٹ
ریڈی ہو جاؤ۔" زونی نے اسے بھگایا مما کی گاڑی میں وہ
لوگ مال آئے تھیں۔ مما نے ان چاروں کو ان کی پسند کی
شاپنگ کرائی تھی۔ اپنے لیے بھی دو سوٹ خریدے تھے۔
لنچ کے لیے وہ لوگ نزدیکی ریسٹورنٹ پہنچے جہاں
جہانزیب پہلے ہی موجود تھا۔ افراح نے اسے بلوا لیا تھا۔
بھتیجے کے لیے بھی اس نے شرٹ اور پرفیوم خریدا تھا۔
"آدھے گھنٹے سے آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔" وہ سخت
بور لگ رہا تھا۔
"ویسے یہ سب کس خوشی میں ہے؟" اس نے کریدنا
چاہا تو وہ سب بھی سوالیہ انداز میں افراح کو دیکھنے لگیں۔ کیا
واقعی کوئی خاص وجہ تھی۔
"کھانا آرڈر کرو۔ گھر چل کر سب معلوم ہو جائے گا۔"
افراح نے پُراسرار انداز اختیار کیا۔ وہ چاروں بہت تھک
چکی تھیں اس لیے زیادہ تجسس کا اظہار نہ کیا۔ شام تک بلی
تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ دو خوش خبریاں تھیں۔ افراح اور نانا
جان عمرہ کی سعادت حاصل کرنے جا رہے تھے۔ افراح
جس کالج میں پڑھاتی تھیں وہاں کی پرنسپل نے اپنے بیٹے
کے لیے زونیرہ کا رشتہ مانگا تھا۔ زونی نے سنا تو اس کی
رنگت متغیر ہو گئی۔ زونی اور نوال اسی کالج میں زیرِ تعلیم
تھیں۔ افراح لڑکے کے بارے میں والد اور بھائیوں کو بتا
رہی تھیں، عزیز انگلینڈ سے ڈگری لے کر لوٹا تھا۔
"پھر کیا سوچا تم نے؟" شمائلہ بھابی نے پوچھا۔
"بابا جان اور دونوں بھائی عزیز سے ملاقات کر لیں تو
پھر ہمارے عمرہ پر جانے سے پہلے منگنی کی رسم رکھ لیں گے
اور شادی زونی کے فائنل پیپرز کے بعد۔" افراح نے جوش
سے کہا۔ انابیہ، زونی کے کمرے میں آئی یہ دیکھ اسے جھٹکا
لگا وہ رو رہی تھی۔
"کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟" اس نے زونی کے
کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔
"انا..... پلیز مما کو سمجھاؤ میں وہاں شادی نہیں کروں
گی۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔
"تو پھر کس سے شادی کرو گی؟" اس نے سرگوشی میں
پوچھا۔
"میں..... مم..... میں جہانزیب سے محبت کر...

زونی۔۔۔ بس ان کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے ہچکچا کر کہا۔

"اور...... جیزی...... کیا وہ بھی تم سے محبت کرتے ہیں؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔" زونی کی ناک، آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انا نے بغور اسے دیکھا۔

"زونی...... تم جانتی ہو ناں بڑی مامی ہمیں پسند نہیں کرتی، جیزی ان کے اکلوتے بیٹے ہیں، وہ ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گی۔ ان کا بس چلے تو وہ اپنے بیٹے کو سلیمانی ٹوپی پہنا کر رکھیں تاکہ ہم لوگ ان کے سپوت کو دیکھ بھی نہ سکیں۔" انا نے جلے کٹے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر زونی کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

"زونی میں مما سے بات کروں گی مگر پلیز تم نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے وہ کسی اور سے مت کہنا۔ سمجھ رہی ہو ناں رابی یا نوال سے بھی نہیں۔" اسے صبح کا واقعہ یاد آیا (جیزی اگر رابی پر گرج رہے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ رابی بھی ان کی محبت میں گرفتار ہے) اس نے کڑھ کر سوچا اور زونی کے کمرے سے باہر آ گئی۔ رات کے کھانے کے بعد نانا جان واک کے لیے جا چکے تھے۔

"زونیرہ سو گئی؟" افراح نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"جی سو گئی ہے۔ مما مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو۔" افراح نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"زونی اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہے۔" انابیہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" افراح نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے بات کروں۔"

"اس نے کہا اور تم چلی آئیں۔ تم نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی انابیہ۔" افراح نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی پر وہ نہیں مان رہی۔" انابیہ روہانسی ہوئی۔

"کیا کہتی ہے وہ؟"

"وہ کہتی ہے کہ وہ...... جیزی سے محبت کرتی ہے اور ان سے ہی شادی کرے گی۔"

"اور یہ ہو نہیں سکتا، جہانزیب کی ماں ایسا ہونے نہیں دے گی اور میں اپنی بیٹی کی تذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں خود اس سے بات کروں گی۔"

"کیا وہ مان جائے گی؟" انابیہ نے آس سے پوچھا۔

"اسے ماننا ہی ہوگا۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں کل دیکھتے ہیں۔" افراح نے کہا تو وہ ان کے کمرے سے باہر آ گئی۔ دوسرے دن افراح نے اسے جانے کن الفاظ میں سمجھایا کہ وہ منگنی کے لیے راضی ہوگئی۔ رابی اسے عزیز کا نام لے کر چھیڑتی پر وہ خاموش ہی رہتی۔

انابیہ کو اندر ہی اندر بہن کا دکھ کھا رہا تھا۔ اسے جہانزیب پر بھی غصہ تھا اور پھر وہ دل ہی دل میں جیزی کو بددعا دینے لگتی۔

"کاش جہانزیب کو جس لڑکی سے محبت ہو وہ کسی اور کی ہو جائے اور جہانزیب بھی ایسے ہی تڑپیں جیسے میری بہن تڑپ رہی ہے۔"

اتوار کو زونیرہ کے سسرال والے رسم کرنے آئے تھے۔ اس کی ساس نے اسے انگوٹھی پہنائی اور مٹھائی کھلا کر منہ میٹھا کرایا۔ زونی ضبط کیے بیٹھی رہی۔ غیر متوقع طور پر نانا جان نے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی۔ درمیان میں صرف ڈیڑھ مہینہ ہی تھا۔ نجانے باپ، بیٹی کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی۔

عزیز ایک سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ وجاہت اس کا پلس پوائنٹ [illegible] سونے پر سہاگہ اس کی بیرون ملک کی ڈگری تھی۔ [illegible] اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھیں۔ زونیرہ کا اتنے اعلیٰ خاندان میں رشتہ ہونے پر البتہ نائلہ دل سے خوش تھیں اور خواہش مند تھیں کہ ان کے نوال اور رابیل کے رشتے بھی اچھے خاندانوں میں طے ہو جائیں۔ دو روز کے بعد رحمت علی اور افراح عمرہ کی سعادت حاصل کرنے چلے

گئے۔ جانے سے پہلے رحمت علی نے جہانزیب کو خاص تاکید کی تھی کہ زونی اور انابیہ کا خیال رکھے۔ جہانزیب اور دادا کی کسی بات سے انحراف کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ دونوں کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا پر انا کام تھا۔ زونیرہ اس کے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔ کالج جانے کے لیے اس نے بڑے ماموں سے کہہ کر وین لگوا لی تھی کیونکہ وہ اور نوال دونوں افراح کے ساتھ اس کی گاڑی میں کالج جاتی تھیں۔ نوال بھی اس کے ساتھ ہی وین پر جانے لگی تھی۔ البتہ انا کو پہلے بھی وہ ڈراپ کرتا تھا اور اب بھی انابیہ اس کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

انابیہ کا مزاج آج کل کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس سے خوب باتیں کیا کرتی تھی پر ان دنوں وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی منہ سی لیتی تھی۔ جہانزیب اسے بولنے پر اکساتا تھر ناکام رہتا۔ آج رحمت علی اور افراح کو سعودیہ گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ جہانزیب کے ضبط کی حد بھی بس اتنی ہی تھی۔

"انا پرابلم کیا ہے تمہیں؟ بات کیوں نہیں کر رہیں تم مجھ سے، کچھ بولو تاکہ مجھے معلوم ہو کہ میں نے آخر کیا گناہ کیا ہے جس کی تم مجھے سزا دے رہی ہو۔" وہ جذباتی ہوتے بولا۔

"زندگی برباد کر دی ہے آپ نے کسی کی اور کس قدر انجان بن رہے ہیں۔" وہ پھٹ پڑی۔

"میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہی ہو؟ اور میں کیوں کسی کی زندگی برباد کروں گا، میں ظالم نہیں ہوں انا، مجھے کسی کو بھی تکلیف میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔ چاہے وہ بلی کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔" اس نے ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اس دشمن جان کو دیکھا جو اسے ظالم ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"میری بہن کی زندگی برباد کر دی آپ نے، وہ محبت کرتی ہے آپ سے لیکن آپ کو کیا؟ کوئی آپ کی محبت میں مر بھی جائے پر آپ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔" اس کی آواز بھرائی۔ جہانزیب کو بری طرح جھٹکا لگا۔

"تو اسے سب پتا ہے۔"

"ہاں میں نے اسے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی، میرے دل میں اس کے لیے کوئی اسپیشل فیلنگز نہیں ہیں، میں نے بار بار اسے روکنا چاہا کہ وہ آگے نہ بڑھے آخر میں اسے نقصان ہی اٹھانا پڑے گا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا زونیرہ، مجھ پر اپنے جذبے ضائع نہ کرو پر میری کسی بات کا اس پر اثر نہیں ہوا اور تم ہو کہ مجھ پر ہی الزام عائد کر رہی ہو۔" وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا۔ انا ششدر سی سنتی رہی۔

"تو کیا اس دن کچن میں زونی تھی جس پر جہانزیب برس رہے تھے؟" اس نے دل میں کہا۔

"کیوں...... ایسا کیوں ہوا؟ اس کی محبت کی آنچ آپ تک کیوں نہیں پہنچی، کیا میری بہن کے جذبوں میں صداقت نہیں تھی۔" اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ گاڑی ٹریفک سگنل پر رکی ہوئی تھی۔

"ایسا نہیں ہے انا، یہ اوپر والے کے کام ہیں وہ جس دل میں چاہتا ہے محبت اتار دیتا ہے، یہ تمہارے یا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر میرے دل میں تو پہلے ہی کسی کے نام کا گلستان سج چکا ہے اور یہ گلستان اتنا گھنا اور خوشبودار ہے کہ مجھے اس کے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میری صبح، میری شام، میرا سونا جاگنا، میرا ساون، جگنو، دیپک، ساز سب کچھ وہی ہے۔ پر میں نے کبھی بھی زونیرہ کی طرح اس کا راستہ نہیں روکا۔ اپنے جذبوں کو کبھی بھی اس پر آشکار نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ وقت مناسب نہیں ہے اور نہ ہی وہ میرے جذبوں کی شدتوں کو سہہ پائے گی۔ دل چاہتا ہے وہ جس جگہ قدم رکھے وہاں میں اپنی ہتھیلیاں رکھ دوں۔ یہ سب میں اسے بتاؤں گا مگر وقت آنے پر۔" اس نے ایک طویل سانس لی۔ گاڑی کالج کے گیٹ کے باہر رک چکی تھی۔ انابیہ جیسے کسی ٹراس سے باہر آئی تھی اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ جہانزیب کسی سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میری بہن کا کیا جو صبح و شام آپ کو دیکھ کر کسی

آزمائش سے گزرتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ میں اس کے سامنے نہ آؤں۔ اس طرح شاید اس کی مشکل آسان ہوجائے۔" جہانزیب نے کہا تو وہ اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی گاڑی سے نکل گئی۔

کہاں تو وہ جہانزیب کو شرمندہ کرنا چاہتی تھی اور کہاں خود شرمسار ہوگئی تھی۔ وہ مرد ہوکر بھی اپنے جذبوں کی ناقدری نہیں کررہا تھا۔ مناسب وقت کے انتظار میں تھا اور زونی لڑکی ہوکر بھی۔

"رحمت کدے" میں جوش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ رحمت علی اور افراح عمرہ کی سعادت حاصل کرکے آگئے تھے ساتھ ہی ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا۔ جہانزیب دو سال کے لیے ملک سے باہر جارہے تھے۔ لندن میں نیا آفس لانچ کرنا تھا ساتھ ہی جہانزیب کوئی کورس بھی کرنا چاہ رہے تھے۔ شمائلہ نے بہت واویلا کیا، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خود سے دور بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ پر جیزی نے انہیں بھی منا لیا تھا۔ جہانزیب کے جانے سے گھر میں کوئی بھی خوش نہیں تھا۔

انابیہ تو دل ہی دل میں شرمسار تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ جہانزیب اس کی بات کا مان رکھنے کے لیے جارہے ہیں۔ وہ جہانزیب کے کمرے کی جانب آئی اور دستک دے کر اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا اور پھر مسکرا دیا۔ وہ پیکنگ کررہا تھا۔ بیڈ پر اس کے کپڑے اور دیگر سامان بکھرا ہوا تھا۔ ساتھ ہی سوٹ کیس کھلا ہوا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" جہانزیب نے سادہ لہجے میں دریافت کیا۔

"جی بالکل، میں نے سوچا پیکنگ میں آپ کی ہیلپ کروادوں۔" اسے بروقت بہانہ سوجھا۔ وہ بھی جانے کس موڈ میں تھا صوفے پر جاکر بیٹھ گیا۔ گویا اسے اجازت دے دی ورنہ اسے گھر کی لڑکیوں کا اپنے کمرے میں آنا پسند نہیں تھا۔ اس کے ضروری کاموں کے لیے شمائلہ نے ملازمہ رکھی ہوئی تھی جو اس کے کمرے کی صفائی بھی اس کی غیر موجودگی میں اور شمائلہ کی نگرانی میں کرتی تھی۔ انابیہ اس کے کپڑے ترتیب سے سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

"میں نے اس دن آپ کو بہت کچھ کہہ دیا تھا۔" وہ اپنی سنہری آنکھیں اس پر ٹکائے بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں، میں نے برا نہیں منایا، یوں بھی کسی نہ کسی کو تو لندن جانا ہی تھا اور میرے جانے سے تمہیں خوشی ملتی ہے تو میں بھی خوش ہوں۔" اس نے رسان سے کہا۔

"یہ البم بھی لے جائیں گے؟" اس نے فیملی فوٹو البم اٹھا کر پوچھا۔

"ہاں، مجھے اپنی فیملی فوٹوز کو موبائل یا لیپ ٹاپ میں رکھنا پسند نہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے کوئی بھی ان تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔" جہانزیب نے تفصیلی بتایا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تو دونوں ہی چونکے۔ شمائلہ دروازے میں کھڑی تھیں۔

"آئیں مام۔" وہ نرمی سے بولا۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو انابیہ؟" انہوں نے سپاٹ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"میں...... مامی وہ جیزی بھائی کا سامان پیک کررہی ہوں۔" اس نے احتیاط سے وہ کرسٹل کا پین ہولڈر سوٹ کیس میں رکھا جو اس نے پچھلی سالگرہ پر جیزی کو گفٹ کیا تھا اور وہ اسے اپنے رائٹنگ ٹیبل پر رکھتا تھا۔

"تم جاؤ انابیہ باقی کا سامان میں پیک کردوں گی۔" شمائلہ مامی نے کہا تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔

"نجانے مامی کو ایسا کرکے کیا مل جاتا ہے۔ جیزی بھائی کو اپنی جاگیر سمجھتی ہیں۔ میں جیسے ان کی مملکت پر قبضہ جمانے بیٹھی ہوں۔ جو مجھے کمرے سے باہر نکال دیا۔" وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔ اسے جہانزیب سے بہت ساری باتیں کرنا تھیں۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شمائلہ کے اندر الارم بج چکا تھا اسے جہانزیب کے کمرے میں دیکھ کر۔

صبح کی فلائٹ سے وہ چلا گیا۔ وہ زیادہ باتونی نہیں تھا مگر اس کے جانے سے "رحمت کدے" میں سناٹا پھیل گیا

تھا۔

انابیہ کالج جانے کے لیے تیار ہورہی تھی جب افراح نے اسے آواز دی کہ ڈرائیور آگیا ہے۔ جہانزیب جانے سے پہلے ایک جز وقتی ڈرائیور کا انتظام کرکے گیا تھا۔ کالج جاتے ہوئے بھی راستے میں جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ کالج میں کلاسز کے دوران بھی اس کا ذہن زونی اور جہانزیب کے اردگرد چکراتا رہا۔ کالج سے واپس آکر وہ بنا کچھ کھائے ہی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ فریش ہوکر کچن میں آئی جہاں نائلہ مامی اور رابیل رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھیں۔

"انا تم نے لنچ کیوں نہیں کیا؟" مامی نے شفقت سے پوچھا۔

"بس مامی بھوک نہیں تھی۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اب کیا لوگی؟"

"آپ رہنے دیں میں خود ہی چائے کے ساتھ کچھ ہلکا پھلکا لے لوں گی۔" اس کی بات کے برعکس رابی اس کے لیے چائے کا پانی چولہے پر رکھ چکی تھی اور اب اس کے لیے سینڈوچ تیار کررہی تھی۔ نائلہ کو وہ بہت پیاری لگتی تھی۔ انہیں خیال آتا تھا کہ اگر ان کا بیٹا ہوتا تو وہ انابیہ کو اپنی بہو بنا لیتی۔

"مامی زونی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"عزیز اور اس کی مما آئے تھے وہ زونی کو برائیڈل ڈریس اور دیگر شاپنگ کروانے کے لیے ساتھ لے گئے ہیں۔ اب دیکھو ہماری زونی کو کیا پسند آتا ہے۔" نائلہ نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا تو وہ جواباً مسکرادی۔

"کاش اسے عزیز پسند آجائے۔" انابیہ نے دل میں سوچا۔ چائے کا کپ اٹھایا اس کے چہرے پر سوچوں کا جال بن گیا تھا۔ زونی کافی دیر سے آئی تھی۔ ڈنر وہ ریسٹورنٹ میں کرچکی تھی۔ اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ عزیز نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ وہ جب سونے کے لیے اپنے بیڈروم میں گئی تو انابیہ اس کے پیچھے آئی۔

"تم خوش تو ہوناں زونی؟"

"میری خوش ہونے یا نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ زندگی تو اب مجھے ایسے ہی گزارنی ہے۔" اوپری دل سے ہنس کر کہا۔ اس کے درد بھرے لہجے نے انابیہ کا دل چیر ڈالا تھا۔

"ایک ایسا شخص جو نہ آپ سے محبت کرتا ہو اور نہ ہی آپ کی محبت کی قدر کرتا ہو بلکہ وہ شاید کسی اور سے ہی محبت کرتا ہو۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا۔" اس نے بڑی بہن کو الجھے کانٹوں سے نکالنے کی کوشش کی۔

"تمہیں کیسے پتا یہ سب کہ جیزی......" زونیرہ تیزی سے بولی۔

"مجھے جیزی بھائی نے خود بتایا ہے کہ وہ کسی لڑکی سے محبت کرتے ہیں بہت شدید والی محبت۔" انابیہ کو جہانزیب کا کہا ایک ایک لفظ از بر تھا نجانے کیوں۔

"کون ہے وہ لڑکی؟" زونیرہ بے چین ہوئی۔

"معلوم نہیں انہوں نے یہ بتایا ہی نہیں۔" انابیہ نے کہا تو زونی مایوس ہوکر بیڈ پر چادر تان کر لیٹ گئی۔ انابیہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی اور پھر لائٹ آف کرکے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ آج رات زونی پھر سے اپنی ناکام محبت کا سوگ منانے والی ہے مگر آخری بار۔

گھر میں زونیرہ کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ سب شدت سے جہانزیب کی کمی محسوس کررہے تھے۔ عشرت علی اور عظمت علی کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے نائلہ نے رحمت علی کی اجازت سے عمر اور علی کو لاہور سے بلوا لیا تھا تاکہ وہ باہر کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکیں اور یہ دونوں بھائی بڑے خوش مزاج واقع ہوئے تھے۔ آج زونی کی مایوں تھی گھر میں صبح سے ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ دوسرے شہروں سے مہمان کل رات ہی آگئے تھے۔ عین وقت پر رابی کو یاد آیا کہ اس کے سوٹ کی میچنگ جوتی نہیں آئی۔ نائلہ نے اسے عمر کے ساتھ مارکیٹ روانہ کیا اور زونی کے لیے

پھولوں کے گہنے بھی اسی سے منگوالیے جبکہ انابیہ صبح سے ہی اس کے کمرے میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ اپنی اسکول لائف کے قصے دہراتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ دونوں ہی مگن تھیں۔ افراح نے کمرے میں جھانکا اور پھر کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئیں۔ دو سال پہلے ان کے نام نہاد باپ کا انتقال ہوچکا تھا۔ ان دونوں کے بڑی ہونے کے بعد اس نے کبھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ افراح نے اس کے انتقال کی خبر ان سے چھپالی تھی کہ بچیاں دکھی ہوں گی۔ تقریب کا انتظام رحمت کدے کے لان میں تھا۔ علی انتظامات میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ کئی ورکرز بھی شامل تھے۔ آج اس کی والدہ بھی لاہور سے شادی میں شریک ہونے آرہی تھیں۔ بوا جو کہ تین ماہ پہلے اپنے بھائی کے انتقال پر شکار ہوگئی تھیں۔ دو دن پہلے ہی واپس آچکی تھیں اور اس وقت برآمدے تخت پر بیٹھی زونیرہ کے مایوں کے دوپٹے پر بیل لگارہی تھیں۔

”بیٹا ذرا دیکھنا ٹھیک سے تو لگی ہے؟“ انہوں نے پاس سے گزرتی افراح کو پکارا۔

”جی اماں بی بہت خوب لگ رہی ہے بس دعا کیجیے کہ نئی زندگی میری بیٹی کو راس آجائے۔“ افراح نے دوپٹا دیکھتے ہوئے کہا۔ ماضی کے اندیشے انہیں خوف زدہ کررہے تھے۔

”مولا اپنا کرم کرے گا تم دل چھوٹا نہ کرو۔“ بوا نے افراح کا کندھا تھپتھپایا۔

”افراح لندن سے جہانزیب کی کال ہے تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ عظمت بھائی سٹنگ روم کے دروازے پر کھڑے تھے۔

”آج جیری بھائی کو بہت مس کیا میں نے۔“ مایوں کی تقریب ختم ہونے کے بعد انابیہ اور نوال سب کے لیے چائے بنارہی تھیں۔ جب نوال نے ذکر چھیڑا۔

”انا بے شک وہ زیادہ باتونی نہیں ہیں نہ ہی بڑی امی ہمیں ان سے فرینک ہونے دیتی تھیں پھر بھی ان کی موجودگی ہمارے لیے کسی سائبان سے کم نہیں۔ یاد ہے کالونی کے سارے لڑکے انہیں ہمارا بھائی ہی سمجھتے ہیں۔ اس گھر کی پہلی خوشی ہے اور وہ سات سمندر پار بیٹھے ہیں۔“ نوال کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ وہ بہت حساس تھی، انابیہ کو ملال نے گھیر لیا۔

”نوال آج کی تقریب میں تم نے کچھ محسوس کیا۔“ اس نے خود پر قابو پاکر نوال کا ذہن بٹانا چاہا۔ نوال نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”عمر کی امی اپنی رابی کو بڑے غور سے اور مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔“

”کیا مطلب؟“ اس نے چائے کے مگ ٹرے میں سیٹ کیے۔

”بھئی مجھے تو دال میں کچھ کالا نیلا لگ رہا ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرائی اور ٹرے اٹھا کر سٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی جہاں سب چائے کے منتظر تھے۔ نوال نا سمجھی سے سر ہلاتی ہوئی انابیہ کے پیچھے کچن سے نکل آئی۔ بزرگوں کے درمیاں نکاح کی رسم اور بارات کی تقریب موضوع گفتگو تھی۔ وہ دونوں بھی دلچسپی محسوس کرتے ہوئے ادھر ہی ٹک گئیں۔ وہ نوال کا ذہن جہانزیب کی جانب سے ہٹانے میں کامیاب رہی تھی۔

سی گرین لہنگے میں دلہن بنی زونیرہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مشہور بیوٹی سیلون کے میک اپ نے اس کے حسن کو چار چاند لگادیے تھے۔ دلہا بنا عزیز بھی بلیک شیروانی اور کلاہ میں جچ رہا تھا۔ انابیہ نے نیوی بلیو سلک کا گاؤن زیب تن کررکھا تھا اور اس ملبوس میں وہ کسی کے دل میں اتر چکی تھی مگر وہ اس سچائی سے بے خبر بہن کی خوشی کے موقع پر اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ نکاح کے بعد ضیافت کا انتظام تھا۔ تقریب کا انتظام شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل کے بینکوئٹ ہال میں کیا گیا تھا۔ اسکائی بلیو میکسی میں ملبوس نوال اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ البتہ رابیل اسٹیج پر زونیرہ کے ساتھ موجود تھی۔ اسٹیج پر فوٹو شوٹ ہورہا تھا۔ شمائلہ بھابی نے افراح کا تعارف شہناز بیگم سے کروایا جو کہ شمائلہ کے تایا زاد بھائی کی بیوہ تھیں۔ قیمتی ساڑھی اور پتھروں کی جیولری میں وہ بہت باوقار نظر آرہی تھیں۔ رخصت ہوتے

وقت انہوں نے شمائلہ پر ارادہ ظاہر کیا کہ وہ جلد ہی رحمت کدے آئیں گی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کاشان حبیب کا رشتہ انابیہ کے لیے لے کر۔ شہناز بیگم کی بات سن کر شمائلہ کے اندر تک سکون اتر گیا۔ رخصتی کے وقت زونی اور انابیہ نے آنسو بہائے تھے۔ سہیلی کی متوقع سے زیادہ رابیل جدائی پر زونی کے جانے کے بعد گھر کی فضا میں اداسی گھل گئی تھی۔ ولیمے کے بعد علی اور عمر بھی اپنے شہر لوٹ رہے تھے۔ جانے سے پہلے عمر کی والدہ نے رحمت کدے کی رضامندی سے رابیل کو انگوٹھی پہنادی تھی۔ تین ماہ بعد کی تاریخ بھی رکھ دی گئی تھی شادی کے لیے۔ اس رشتے سے سب ہی خوش تھے رابیل سمیت۔ زونی ہنی مون کے لیے عزیز کے ساتھ ملائیشیا جاچکی تھی۔ انابیہ اور نوال امتحانوں کی تیاری میں مگن تھیں۔ وہ دونوں اردگرد کے ماحول سے بے خبر تھیں۔ ان کی بے خبری میں ہی شہناز بیگم اپنے صاحب زادے کے ساتھ رحمت کدے تشریف لائی تھیں۔ وہ کالج سے تھکی ہاری آئی تھی۔ ڈرائینگ روم میں موجود مہمانوں کو وہ لگے بانددھے سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ چند روز بعد اس پر عقدہ کھلا کہ اس روز شہناز بیگم اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ شمائلہ مامی نے نند اور سسر کی بھرپور تسلی کرائی تھی کہ کاشان ایک بہترین انتخاب ہے۔ مما نے جب اس سے رائے مانگی تو اس نے فیصلے کا اختیار انہیں سونپ دیا۔ اس کے دل کی سلیٹ کوری تھی۔ نہ ہی سوچوں پر کسی کا پہرہ تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد دونوں جانب شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ رابیل اور اس کی شادی ایک ہی دن ہونا قرار پائی تھی۔ زونیرہ کو فون پر یہ خبر سنادی گئی تھی۔ اس نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ کاشان زیادہ تر لندن میں رہتا تھا۔ وہاں ان کا بزنس تھا۔ انابیہ کو بھی شادی کے بعد لندن ہی جانا تھا۔ آج کل اس پر یاسیت سوار تھی۔ نانا کے ساتھ واک پر جانا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ رحمت علی کئی دنوں سے اس کے مزاج کا بغور مطالعہ کررہے تھے۔ آج انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلوا بھیجا۔

”جی نانا جان..... آپ نے بلایا؟“ وہ صوفے پر ٹک گئی۔

”بہت دن ہوگئے فرصت سے تم سے بات نہیں ہوئی۔ سوچا آج اپنی گڑیا سے بہت سی باتیں کروں پھر کہاں موقع ملے گا تم تو مہمانوں کی طرح آیا کروگی۔“ نانا کی بات پر اس کی گھنی پلکیں جھک گئیں۔

”تم خوش تو ہو ناں بیٹا؟ افراح نے تم سے رائے تو لی تھی ناں۔“ نانا بے چین ہوئے۔

”پوچھا تھا میں نے کہہ دیا کہ جو ان کا دل چاہے کریں نانا میں آپ سب لوگوں سے دور اس طرح بالکل اجنبی لوگوں میں کیسے ایڈجسٹ کروں گی پھر کاشان کے مزاج سے میں بالکل ناواقف ہوں۔“ بے اختیاری میں اس نے نانا سے الجھن شیئر کی۔

”بیٹا ایسا وقت ہر لڑکی پر آتا ہے پھر میری انا تو بہت سمجھدار ہے۔“ انہوں نے جھک کر اس کا سر سہلایا۔

”رابیل کو دیکھو بیٹا۔ شادی کی تیاریوں میں بھرپور حصہ لے رہی ہے اور تم انا اس قدر بےزار نظر آرہی ہو جیسے شادی میں تمہاری رضامندی شامل نہیں۔“ انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

”نانا جان، ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے فوراً کہا۔

”میں جانتا ہوں بیٹا پر دیکھنے والا تو یہی سمجھے گا۔ اپنی شادی کی تیاریوں میں دلچسپی لو بیٹا۔ ہنسو، مسکراؤ، خوش رہو۔ بیٹا تم نئی زندگی کی شروعات کرنے جارہی ہو۔“ رحمت علی نے اس کی موہنی صورت کو بغور دیکھا۔

”ٹھیک ہے نانا جان، آپ جیسا چاہتے ہیں ایسا ہی ہوگا۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ وہ نانا جان کو اس عمر میں دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔ ایک ہفتہ بعد زونی بھی آگئی۔ وہ مزید خوب صورت ہوگئی تھی۔ اسے عزیز کی محبت نے جیت لیا تھا۔ وہ سب کے لیے تحائف لائی تھی۔

”میں اسے بھولی نہیں ہوں، میں نے ان سے محبت کی ہے انجوائے منٹ نہیں۔“ موقع ملتے ہی اس نے انابیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

”اور عزیز بھائی۔“ انابیہ نے جواباً سرگوشی کی۔

"وہ بہت اچھے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ وہ میرے دل کے مکین بنتے جارہے ہیں۔" زونیرہ کی بات سن کر انابیہ نے سکون کا سانس لیا۔ افراح کی خواہش تھی کہ جہانزیب لندن سے آ کر انابیہ اور رابیل کی شادی میں شرکت کرے جب پاکستان سے اس کے آفس فون کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ چھٹیاں گزارنے شہر سے باہر گیا ہے۔ افراح نے اس کے فلیٹ کے فون نمبر پر پیغام ریکارڈ کرادیا تھا۔ بمعہ شادی کی تاریخ کے پھر معلوم ہوا کہ وہ ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں مانچسٹر چلا گیا۔ ادھر رابیل اور عمر کی شادی ہوگئی۔ انابیہ کاشان کے ساتھ رخصت ہوکر کاشان ولا آ گئی۔

جہانزیب سات سمندر پار بے خبر ہی رہا کہ رحمت کدے میں کتنا سناٹا ہوگیا ہے۔ پورا وجود ایک اذیت ناک اضطراب کے حصار میں تھا۔ دل سے جیسے قطرہ قطرہ لہو بہہ کر سانسوں کو بوجھل کررہا تھا۔ قسمت نے کیسا وار کیا تھا کہ وہ کسی کو اپنے آنسو دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ دو دن سے وہ اپنے فلیٹ میں بند تھا۔ کئی مرتبہ ڈور بیل بجی۔ بارہا اس کا سیل فون گنگنایا پر وہ سب سے خفا تھا۔ جانتا تھا غلطی اس کی اپنی تھی۔ اسے کسی کو تو اپنے راز میں شریک کرنا چاہیے تھا۔ کاش وہ افراح پھوپو کو ہی دل کی بات بتا دیتا تو آج اس کی زندگی یوں ویران نہ ہوتی۔ مانچسٹر سے لوٹ کر جب اس نے ٹیلیفون پر ریکارڈ پیغامات سنے تو اس کے اردگرد دھماکے ہونے لگے تھے۔ اس کا وجود کرچی کرچی ہوکر بکھر گیا تھا۔

"کاش انو میں یہاں آنے سے پہلے تمہیں اپنا پابند کرلیتا۔" اس نے کراہتے ہوئے اپنا سر تکیے میں رکھا ایسا لگ رہا تھا کہ سانس ابھی رک جائے گا۔ دل پر منوں بوجھ آ گرا تھا۔ لگتا تھا زندگی اب اسی بوجھ کے ساتھ ہی گزارنی پڑے گی۔ کچھ دیر پہلے کی تو بات ہے کاشان حبیب کمرے کے وسط میں کھڑا تھا اور اس کی مخاطب اس کی نئی نویلی بیوی تھی۔

"انابیہ میں آپ کے ساتھ دھوکہ دہی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ماما نے میری بات نہیں مانی، ان کا خیال تھا کہ میرے شادی نہ کرنے سے خاندان اور سوسائٹی میں لوگ باتیں بنائیں گے۔ میں ان کی ممتا کے آگے مجبور ہوگیا ہوں۔ میری مما کا کہنا ہے کہ انابیہ بہت معصوم اور سادہ ہے ہم آپ کی معصومیت کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔" انابیہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی مگر وہ انابیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ وہ دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں شادی کے قابل ہی نہیں ہوں۔ آپ آرام کریں میں برابر والے روم میں جارہا ہوں۔" وہ بات ختم کرکے دائیں دیوار میں موجود دروازہ کھول کر غائب ہوا اور دروازہ پھر سے بند ہوگیا تھا۔

انابیہ سوچ رہی تھی کے مما نے کہا تھا کہ شمائلہ بھابی نے خوب چھان پھٹک کرکے نند کے لیے داماد کا انتخاب کیا تھا۔ پوری رات انابیہ نے غم مناتے ہوئے گزار دی تھی۔ اپنا آپ پہلے کبھی اس قدر ارزاں نہیں لگا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز سن کر اس کے حواس جاگے، نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو زبان سے شکوہ پھسل گیا۔

"مولا اس آزمائش کے لیے میرا ہی انتخاب کیوں کیا، میں بہت کمزور ہوں، میرے مالک مجھے ہمت عطا کر۔" اس نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا جو آنسوؤں سے تر تھا۔ فجر کے وقت مانگی گئی اس کی دعاؤں کا اثر ہی تھی جو وہ صبح گھر والوں کی آمد پر جب ان سے ملی تو اس کے چہرے پر گزری رات کا شائبہ تک نہ تھا۔ اداکاری تو شہناز بیگم نے بھی خوب کی تھی۔ کاشان حبیب کو مسکرا کر زونیرہ سے بات کرتا دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی تھی۔ دل بری طرح کرلایا تھا۔ اس کا مان ٹوٹا تھا۔ اس کے کورے خوابوں پر شب خون مارا گیا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ رحمت کدے آ گئی تھی۔ رات کو ان کا ولیمہ تھا۔ ٹھیک دس روز بعد وہ کاشان کے ساتھ لندن کے لیے فلائی کرنے والی تھی۔ "رحمت کدے" میں سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ موقع ملتے ہی ماما اور زونی نے اس سے کاشان کے رویے کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے مناسب الفاظ میں

انہیں مطمئن کردیا تھا۔
"دیکھا مما، میں کہتی تھی سب ٹھیک ہے پر آپ خوامخواہ پریشان رہیں رات بھر۔" زونیرہ نے افراح کی جانب رخ کیا۔ انابیہ افراح کو دیکھتی رہ گئی۔
"پتا نہیں کیوں دل بہت گھبرا رہا تھا۔ رات بھر سو نہیں پائی۔ تمہاری شادی کے وقت ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا تھا اب کہ اس قدر بے چینی ہوئی تو میں ڈر گئی کہ میری بیٹی کے ساتھ کچھ غلط تو نہیں ہوگیا۔" وہ اسے میٹھی نظروں سے تک رہی تھیں۔ اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔
"میرے مالک کا کرم ہے جس نے مجھے دونوں بیٹیوں کی ذمہ داری سے سبکدوش کردیا۔" افراح نے مزید کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اندر ہی کہیں آنسو گر رہے تھے۔ ولیمے کے اگلے روز وہ پھر "رحمت کدے" آ گئی تھی دو روز کے لیے کیونکہ پھر تو اسے لندن چلے جانا تھا۔ رابیل کا ولیمہ ملتوی ہوگیا تھا کیونکہ عمر کے خاندان میں کسی عزیز کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ لوگ اسلام آباد جاچکے تھے۔
"انا تم خوش تو ہو ناں بیٹا؟" نانا جان نے پوچھا۔
"میں بہت خوش ہوں نانا اور میری خوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے پیارے نانا اور میری مما خوش ہیں۔" اس نے نانا کے بازو سے گال رگڑا۔
"سچ کہہ رہی ہو میں اور افراح دونوں خوش ہیں کہ ہماری زندگی میں ہی تم دونوں بہنیں اپنے گھر کی ہوگئیں۔ اب اپنے اپنے گھر میں اپنے شریک سفر کے ساتھ ایک بہترین زندگی گزارو۔ ہمیں اس سے بڑھ کر کیا چاہیے۔ جہانزیب بہت یاد آتا ہے، دل چاہتا ہے وہ جلد لوٹ آئے۔ معلوم نہیں وہ لڑکا کیا ٹھانے بیٹھا ہے۔ فون پر بھی نہیں ملتا، عشرت بتا رہا تھا خفا ہے وہ۔ اسے تمہاری اور رابیل کی شادی کا کیوں نہیں بتایا جبکہ شمائلہ کا کہنا ہے کہ وہ ان دنوں مصروف تھا، فون پر بات نہیں ہو پارہی تھی۔" نانا نے موضوع بدل دیا وہ جہانزیب کے لیے پریشان تھے۔ انابیہ نے خود کو ندامت میں گھرا پایا۔ اس نے ہی تو جہانزیب کو دور جانے کا کہا تھا تاکہ اس کی بہن کو اپنی پہلی محبت کو بھولنے میں آسانی ہو۔
"اگر دو سال بعد بھی وہ نہ آئے تو.......؟" انابیہ بولی۔
"میں اس کے باپ کا بھی باپ ہوں۔ اسے زیادہ من مانی نہیں کرنے دوں گا۔ یہاں کچھ معاملات نمٹانے ہیں۔ اس کے بعد میں خود لندن جاکر اس کے کان کھینچوں گا۔" نانا جان نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"پھر آپ مجھ سے ملنے بھی آئیں گے ناں؟" اس نے آس سے پوچھا۔ دل کو یہ خیال ہی کسی آرے کی طرح چیر رہا تھا کہ اسے اپنے پیاروں کو چھوڑ کر ایک اجنبی کے ساتھ ساتھ سمندر پار جاکر زندگی گزارنی ہے۔ اس شخص کے ساتھ جو اس کا نام نہاد شوہر ہے۔ نجانے اس کے ساتھ نکاح جائز تھا بھی یا نہیں۔
"ظاہر ہے جب لندن آؤں گا تو تم سے ملنے تو آؤں گا ہی بلکہ جہانزیب سے کہوں گا وہ مجھے تم سے ملوانے لے جائے۔" نانا جان نے اس کی تسلی کرائی۔ نانا جان کافی دیر تک جہانزیب کی ہی باتیں کرتے رہے کہ وہ بہت فرماں بردار بچہ ہے۔ لندن جاکر اسے نجانے کیا ہوگیا ہے۔ شاید لندن کے سرد موسم نے اس کے جذبات کو بھی منجمد کردیا ہے ورنہ وہ تو کسی کی ناراضگی سہہ نہیں سکتا کجا کے خود ناراض ہوکر بیٹھ گیا۔" نانا اپنے کمرے میں سونے گئے تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور ایک ایک چیز کو چھو کر محسوس کرنے لگی۔ نجانے دوبارہ کب اس کمرے میں آنا نصیب ہو جہاں اس نے بچپن اور جوانی کے کئی سال گزارے تھے۔ یہ کمرہ اس کی ہنسی، اس کے آنسو، اس کے پل پل کا گواہ تھا۔ رات بیت رہی تھی۔ وہ بھی سونے لیٹ گئی۔ دوسرے دن وہ لوٹ آئی۔ ایئرپورٹ پر مما، زونیرہ اور عزیز اسے سی آف کرنے آئے تھے۔ ایئرپورٹ پر جب ان کی فلائٹ نے لینڈ کیا تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ باہر آفس کا ڈرائیور گاڑی سمیت موجود تھا۔ معلوم ہوتا تھا کاشان لندن میں بھی شاہانہ زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ اس کا گھر بھی بے حد شاندار۔ کیرولین اس کے گھر کی کیئر ٹیکر

تھی۔ وہ ایک سیاہ فام مگر خوب صورت عورت تھی۔ کاشان کے روز مرہ معمولات کی اسے خبر رہتی تھی۔ کس وقت وہ اٹھتا ہے، کتنے بجے وہ کافی لیتا ہے، کب آفس جائے گا، کب ڈنر ہوگا۔ انابیہ کے لیے یہاں کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ یہاں بھی اس کے بیڈ روم کے اندر ہی دوسرے بیڈ روم کا دروازہ تھا۔ دونوں میں ضرورتاً ہی بات چیت ہوتی تھی۔ اس دن آفس جاتے ہوئے کاشان نے اسے کیش دیا کہ وہ لندن کے موسم کے حساب سے اپنے لیے شاپنگ کرلے۔ ویک اینڈ پر وہ دونوں کاشان کے دوست کے گھر انوائیٹڈ تھے۔ کاشان نے مزید کہا کہ وہ ہیلپ کے لیے کیرولین کو ساتھ لے جائے۔ سو وہ شام کے وقت کیرولین کے ساتھ مارکیٹ آ گئی۔ گاڑی کیرولین نے ہی ڈرائیو کی تھی۔ انہیں شاپنگ میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ انابیہ کو لندن کی اداس شام نے مزید اداس کردیا تھا۔ آج اسے جہانزیب بھی یاد آ رہے تھے۔

صبح اس کی آنکھ موسیقی کی آواز سے کھلی تھی۔ موسیقی کا ماخذ برابر والا کمرہ تھا۔ جہاں کاشان حبیب کا وقت گزرتا تھا۔

"یہ کون سا وقت ہے میوزک سننے کا۔" اس نے سوچا اور احتیاط سے ناب گھما کر ذرا سا دروازہ کھولا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ سرخ زنانہ کپڑوں میں ملبوس تھا، دیگر لوازمات کے ساتھ وہ ناچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سرشاری کا عالم تھا۔ جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچا ہوا ہو۔ انابیہ کو محسوس ہوا کہ شاید اس کے پیر اب اس کا بوجھ اٹھا نہیں پائیں گے۔ انابیہ کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

"کیا قصور تھا اس کا؟" کیسا سنگین مذاق کیا تھا اس کے ساتھ وقت نے، وہ کمرے سے نکلی اور گھر کے بیک یارڈ میں آ گئی اور ایک بینچ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

"کیرولین تم کتنے عرصے سے یہاں ہو؟" اس نے لنچ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تقریباً آٹھ سال ہوگئے ہیں۔ اس سے پہلے میری مدر یہاں ہوتی تھیں۔ ان کی ڈیتھ کے بعد میں نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ سر کی کال آئی تھی آپ کے لیے کہ آج رات پارٹی میں جانا ہے آپ ریڈی رہیے گا میڈم۔" کیرولین نے اسے کاشان کا پیغام پہنچایا۔ سلسلے ایسا لگا کہ کیرولین نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔ وہ لنچ ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹرن..... ٹرن....." ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے چمکتی اسکرین سے نظر ہٹا کر دیکھا اور ٹیلیفون سیٹ کی جانب بڑھنے لگی۔ فون پاکستان سے تھا دوسری جانب زونیرہ خوشخبری کے ساتھ موجود تھی۔

"آپا..... تم خالہ جانی بننے والی ہو۔" زونیرہ بہت خوش تھی۔

"سچی زونی.....! بہت خوشی ہوئی یہ سن کر، یہ بتاؤ بے بی کب آئے گا؟" وہ ایک دم کھل اٹھی۔

"ارے صبر کرو! ابھی بہت ٹائم ہے بے بی کے آنے میں، یہ بتاؤ تم کب خوشخبری سناؤ گی، میں کب خالہ بنوں گی۔" دوسری جانب سے زونیرہ کو مطمئن کیا۔ مما سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ جلد ہی نانا بھی لندن آنے والے ہیں۔ نانا کے آنے کا سن کر سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا تھا۔

"آپ ریڈی ہیں انابیہ؟" ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"جی میں آ رہی ہوں۔" اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔ کل رات سے ہی تو اس نے رب سے رابطہ جوڑا تھا۔ اس طرح کر کے دل کو بہت سکون ملا تھا۔ اضطراب اور بے چینی کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

"اوکے میں گاڑی میں ویٹ کرتا ہوں آپ آجائیں۔" وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔ انابیہ نے کان میں ایئر رنگ پہنا اور کلچ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔ کیرولین نے دونوں کو آگے پیچھے نکلتے دیکھا اور تاسف سے سوچا۔

"کاش یہ دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بھرپور زندگی گزار سکتے۔" دوران سفر انابیہ نے کنکھیوں سے اپنے ہم سفر کو دیکھا جو ایک شاندار شخصیت کا مالک مگر ایک ادھورا مرد تھا۔ اس نے انابیہ کی نظریں خود پر محسوس کر لی تھیں۔ تب ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ یہاں سیٹل تو ہوگئی ہیں ناں کوئی پرابلم تو نہیں؟" وہ بڑے دوستانہ انداز میں مخاطب تھا۔

"جی کوئی پرابلم نہیں۔"

"آپ یہاں ایڈمیشن لے لیں اس طرح آپ کی اسٹڈیز بھی کمپلیٹ ہو جائے گی اور آپ مصروف بھی رہیں گی۔" اس نے مشورہ دیا تو انابیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

گاڑی ایک خوب صورت اور شاندار عمارت کی پارکنگ میں رک گئی تھی۔ وہ کاشان کی معیت میں اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگی۔ اندر ایک ہائی جینٹری کی پارٹی چل رہی تھی۔ جس میں لندن کے پاکستانی نژاد میئر بھی اپنی مسز کے ساتھ موجود تھے۔ اکثریت پاکستانیوں کی تھی، کاشان اپنے حلقے کے لوگوں سے اسے ملوانے لگا۔ یہاں اس کے آفس کے چند ایمپلائز بھی موجود تھے۔ جن میں لینا رضا بھی شامل تھی۔ وہ انابیہ کو لینا رضا کے ساتھ چھوڑ کر سہیل احمد کے ساتھ عمارت کے اندرونی حصے میں جانب چلا گیا۔ یہ پارٹی سہیل احمد کی جانب سے دی گئی تھی۔ عمارت کے وسیع و عریض ہال میں انتظام کیا گیا تھا۔ کاشان کے جانے کے بعد وہ لینا رضا سے باتیں کرنے لگی۔ لینا ایک خوش مزاج لڑکی تھی۔ وہ پانچ سال سے لندن میں تھی۔ یہاں وہ اپنے بھائی کی فیملی کے ساتھ رہ رہی تھی۔

"انو..... تم یہاں؟" مانوس سی پکار پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر کھڑے جہانزیب عباسی کو دیکھ کر وہ والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔ عجب نہیں تھا کہ وہ اس کے گلے ہی لگ جاتی۔ پردیس میں اپنے اتنے قریبی رشتے کو دیکھ کر اس پر جو سرشاری طاری ہوئی تھی وہ بیان سے باہر تھی۔ جہانزیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بے اختیاری پر بند باندھا تھا۔

"آپ..... جیزی بھائی..... آپ کیسے ہیں کہاں تھے آپ؟" اس کی بے اختیاری پر جہانزیب مسکرایا۔ لینا رضا ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر اپنے کولیگ کی جانب بڑھ گئی۔

"میں آؤٹ آف سٹی تھا ورنہ تم سے ملنے ضرور آتا۔" اس نے جھوٹ گھڑا۔ اسے دیکھ کر جانے کتنے ہی زخموں کے منہ کھل گئے تھے۔

"آپ کو کیا پتا، میں یہاں خود کو کس قدر تنہا محسوس کرتی ہوں۔" بے اختیاری میں اس کی زبان سے نکلے الفاظ سن کر وہ چونکا۔

"تمہارے ہزبینڈ؟" اس کی خوب صورت آنکھوں میں اضطراب ہلکورے لینے لگا۔

"وہ میرے ہزبینڈ ہیں جبکہ آپ سب مما، زونی، نانو، ماموں تو میرے اپنے ہیں۔ بچپن سے آپ کے درمیان رہی ہوں اور یہاں آ کر مجھے اچھا نہیں لگ رہا، سب بہت یاد آتے ہیں۔" اس نے بھولپن سے کہا تو جہانزیب کا رکا سانس بحال ہوا۔ اس کی انو کو کوئی دکھ ملے یہ تو وہ مدہوشی میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

"ملواؤ اپنے صاحب سے۔" اس کے دل کے کونے میں بیٹھا ہیٹھا درد جاگنے لگا۔

"میں کاشان کے ساتھ ہی تو آئی ہوں، ایکچوئیلی سہیل بھائی ان کے بزنس پارٹنر ہیں۔ دونوں کو کچھ بزنس ڈسکشن کرنا تھی سو وہ اندر گئے ہیں۔" اس نے آنکھوں سے اندورنی حصے کی جانب اشارہ کیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، تم خوش تو ہو ناں؟" جب تک وہ زبان سے اقرار نہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔ جہانزیب کی بات پر وہ چونکی۔ "کیا پوچھ رہا تھا وہ کسی ادھورے شخص کی ہمراہی میں خوشی ملتی ہے یا ادھورا پن نصیب بنتا ہے۔"

"میں کاشان کے ساتھ خوش ہوں جب ہی تو لندن میں ٹکی ہوئی ہوں ورنہ پاکستان لوٹ جاتی۔ آپ جانتے تو ہیں مجھے اچھی طرح۔" اس نے بروقت خود کو سنبھالا پر جانے کیوں جہانزیب کے اندر کچھ کھٹک رہا تھا۔ تب ہی

جہانزیب کے سیل فون پر کال آنے لگی۔ اس کے ایک مقامی دوست کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔ اسے فوری اسپتال پہنچایا تھا۔ وہ ایکسکیوز کر کے چلا گیا کچھ دیر میں کاشان پارٹی ہال میں واپس آ گیا پر ان کی واپسی رات گئے ہی ہوئی تھی۔

شہر کے راستوں سے اس کی کافی شناسائی ہوگئی تھی۔ وہ اکثر شام کو اکیلی ہی واک کرنے نکل جاتی تھی۔ اس دن شام ڈھلے جب وہ گھر لوٹی تو ایک سرپرائز اس کا منتظر تھا۔ سٹنگ روم میں نانا جان کے ساتھ جہانزیب اس کے منتظر تھے۔ کیرولین نے ان تواضع کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ درمیان میں کافی اور لوازمات سے سجی ٹرے موجود تھی پر ان دونوں نے کافی لینے پر اکتفا کیا تھا۔ نانا اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے کھڑے ہوگئے وہ بھی برق کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔

"نانا جان کب آئے آپ؟ میں کتنا مس کرتی تھی آپ کو۔" وہ چھوٹی سی بچی کی طرح بولی۔

"ارے ...... رے ...... تم اب تک بڑی نہیں ہوئیں۔ مجھے تو غلط فہمی ہوگئی تھی۔" نانا نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔ نانا، نواسی ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ایک دوسرے میں گم ہو چکے تھے۔ جہانزیب کچھ فاصلے پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حزن وملال کا موسم اتر آیا تھا۔ آج شدت سے اپنے خسارے کا احساس جاگا تھا۔ اس کی آنکھوں نے اس لڑکی کو اپنانے کے خواب دیکھے تھے۔ سب سے چھپا کر وہ اس کے لیے خوشیاں خریدنا چاہتا تھا مگر اپنے لیے غموں کا سودا کر بیٹھا تھا۔

"تم کیا سوچنے لگ گئے جہانزیب؟" دادا کی پکار اسے حال میں کھینچ لائی۔

"کچھ نہیں بس آپ دونوں کو دیکھ رہا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نانا جو اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے پھر سے انابیہ کی جانب متوجہ ہوئے اور اس سے کاشان کی بات پوچھنے لگے۔

"نانا وہ تو آؤٹ آف سٹی ہیں، کام کے سلسلے میں انہیں واپسی میں چند روز لگ جائیں گے۔" انابیہ نے کاشان کے الفاظ دہرائے جو اسے جاتے ہوئے کہہ گیا تھا۔

"تو تم اتنے بڑے گھر میں اکیلی رہو گی؟" نانا کے لہجے میں تفکر تھا۔

"اکیلی کہاں نانا، یہاں کیرولین اور دوسرے ملازم ہیں وہ بھی فل ٹائم رہتے ہیں۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں نانا کی تسلی کرائی۔

"پھر بھی اسے چاہیے تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا، اب تم ہمارے ساتھ چلو جہانزیب کے گھر۔" نانا کی بات پر جہانزیب نے پہلو بدلا۔

"کاشان جب واپس آجائے گا تو تمہیں وہاں سے لے جائے گا۔" نانا نے اٹل انداز اختیار کیا، بڑی مشکل سے انابیہ انہیں ان کے ارادے سے باز رکھ پائی تھی۔ کاشان سے پوچھے بغیر وہ کیسے جا سکتی تھی۔ کاشان کو تو نہ ہی نانا جان کی لندن آمد کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔ نہ ہی وہ جہانزیب سے ملا تھا۔ نانا اور جہانزیب کو اس نے بصد اصرار رات کے کھانے پر روک لیا اور کھانا اس نے خود پکایا تھا۔ کھانے کے بعد نانا اس وعدے کے ساتھ رخصت ہوئے کہ کاشان کے لوٹنے کے بعد انابیہ اسے لے کر نانا سے ملنے جہانزیب کی فلیٹ آئے گی اور پھر ان کے ساتھ کچھ وقت گزارے گی۔ نانا اور جہانزیب کے جانے کے بعد پاکستان سے شہناز بیگم کی کال آ گئی۔ نا چاہتے ہوئے بھی شہناز بیگم سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ سرد ہوجاتا تھا۔ شہناز بیگم اس کی نظر میں ایک بے حد مفاد پرست خاتون تھیں۔ جنہوں نے اپنے مطلب کے لیے ایک معصوم لڑکی کے سپنے توڑ دیے تھے۔ دوسری جانب شہناز بیگم کو اس کے سرد رویے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ انہوں نے روٹین کی باتیں کر کے فون بند کردیا تو وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ نانا سے اس کی روزانہ ہی فون پر بات ہو رہی تھی۔ کاشان کے لوٹتے ہی اس نے انہیں نانا کی آمد کا تفصیل سے بتایا۔ کاشان نے کہا تھا کہ وہ اسے ایک۔ دو روز میں لے جائے گا نانا سے ملوانے۔

اس سرد رات میں وہ اس بلند بلڈنگ کی ساتویں منزل کے فلیٹ کی بالکونی میں کھڑا تھا۔ کسی غیر مرئی نقطے کو سوچتے ہوئے وہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ ہلکا سا سویٹر اس نے شرٹ پر پہن رکھا تھا جو ٹھنڈ روکنے کے لیے ناکافی تھا۔ اس کا جسم اس ٹھنڈک سے قطعی بے نیاز تھا جو اس کے وجود سے ٹکرا کر گزر رہی تھی کیونکہ اس کے دل کی زمین پر ہجر نام کی انگیٹھی جل رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے وجود کے بکھرے ٹکڑوں کو یکجا کیا تھا۔ خود کو زندگی کے میدان میں لڑنے کے لیے کھڑا کیا تھا۔ دل کو بہلایا یہ کہہ کر کہ اب وہ دشمن جاں کسی اور کی ہو چکی ہے۔ اب جبکہ زخموں پر کھرنڈ جمنے لگا تھا۔ وہ اسے سہیل کی پارٹی میں ٹکرا گئی۔ ایک پل کو تو وہ بھول ہی گیا کہ وہ پرائی ہوگئی ہے۔ اگلے ہی پل دل پھر سے پارہ پارہ ہوگیا تھا۔ جب دادا اچانک بنا بتائے پاکستان سے آ گئے تو اسے لگا کہ اب اس کا ضبط چھلک جائے گا۔ اس نے دادا کے کندھے پر سر رکھ کر سب کچھ کہہ دیا۔ دادا اس کی دل کی حکایت سن کر ششدر رہ گئے۔ ان کی خود بھی تو یہی تمنا تھی کہ انابیہ ان کے جہانزیب کی دلہن بنے، نجانے کس کا قصور تھا یا کوئی سازش تھی۔ وہ فیصلہ نہ کر پائے۔ البتہ اسے سمجھانے کی سعی ضرور کی۔ اس وقت بھی اسے بالکونی میں کھڑا دیکھ کر وہ بھی ادھر ہی آ گئے تھے۔

"اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہو، اتنی ٹھنڈ میں برخوردار بیمار ہونے کا ارادہ کیا۔" وہ قصداً ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھنے لگے۔

"دادا، نیند نہیں آ رہی تھی۔" اس نے سرد آہ بھری تو انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

"تمہاری ماں سے کہتا ہوں کہ تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈالے جلد کوئی لڑکی ڈھونڈے تمہارے لیے تمہیں دلہا بنانے کی تیاری کرے۔" انہوں نے فرصت سے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

"دادا، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں لندن چھوڑ کر پاکستان جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اگر آپ نے مما سے ایسی کوئی بات کی تو میں لندن چھوڑ کہیں بھی بس جاؤں گا مگر پاکستان نہیں جاؤں گا۔" اس نے اپنی سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے دادا کو دیکھا۔

"پھر کب تک کنوارا رہنے کا ارادہ ہے؟ تمہاری یہ بے سکونی اور بے قراری اس کی شادی شدہ زندگی کے لیے مسائل نہ کھڑے کردے۔" انہوں نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا مگر سامنے ان کا لاڈلا پوتا تھا۔

"نہیں بھولنا چاہتا میں اسے۔ بس میری شادی کا کوئی نام نہ لے۔ مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا اور اندر چلا گیا جبکہ رحمت علی کتنی ہی دیر وہاں کھڑے اس کے سکون اور خوشی کے لیے دعا کرتے رہے۔

آج پھر صبح صبح کاشان کے کمرے سے گھنگروؤں کے چھنچھنانے کی آواز ابھر رہی تھی۔ انابیہ جو کچھ دیر پہلے تک بہت پرسکون تھی۔ اب گھبراہٹ کا شکار ہوگئی۔ کیسے شخص کے ساتھ وہ زندگی گزار رہی تھی۔ نہ تو وہ اس کی سہیلی تھا نہ دوست۔ شوہر تو وہ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ نہ تو وہ پورا مرد تھا نہ عورت مگر اس کی وجہ سے ایک لڑکی ادھورے پن کا شکار تھی۔ اس نے نانا کو رات کو ہی فون کر کے اپنے آنے کا بتایا تھا۔ کاشان اسے نانا سے ملوانے لے جانے والا تھا مگر اب اس وقت اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرے۔ ایک گھنٹہ بعد جب کاشان بدلے ہوئے حلیے میں بیڈ روم سے نکلا اور اسے چلنے کے لیے کہا تو وہ منع نہ کر پائی۔ اب وہ دونوں گاڑی میں سوار جہانزیب کے فلیٹ کی جانب گامزن تھے۔ کاشان نے اس کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی سنجیدگی کو محسوس کرلیا تھا۔ مگر خاموش رہا۔

نانا کو کاشان سے مل کر بہت اچھا لگا۔ وہ نانا سے بہت عزت سے ملا کچھ دیر نانا سے ملنے کے بعد وہ آفس چلا گیا تھا۔

"بہت اچھا بچہ ہے کاشان۔" نانا نے کہا۔

"جی بہت اچھا ہے۔" اس کا دل کرلایا۔ نانا کافی دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اور اسے کرید کرید کر

پوچھتے رہے کہ وہ کاشان کے ساتھ خوش تو ہے اور انابیہ انہیں مطمئن کرتی رہی۔

”جیزی بھائی کہاں ہیں؟“ اس نے نانا کا دھیان کاشان کی طرف سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ تو صبح ہی چلا گیا تھا شہر سے باہر کام تھا اسے۔“

”آپ کے لیے چائے بناؤں۔“ اس نے نانا سے کہا اور اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ جیزی بھائی نے گھر اور کچن کو بہت صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ انابیہ نے ستائش بھری نظروں سے اردگرد دیکھا۔ لنچ اس نے اور نانا نے مل کر تیار کیا اور خوب انجوائے بھی کیا۔ ویڈیو کال پر مما سے بات بھی ہوئی۔ دن بہت تیزی سے گزر گیا۔ نانا نے کاشان کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ اس لیے نانا نے قریبی انڈین ریسٹورنٹ سے کھانا آرڈر کردیا تھا۔ ڈنر کے بعد وہ اور کاشان واپس آ گئے۔ جہانزیب اب تک نہیں لوٹا تھا۔

آج پھر وہ کاشان کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیدر میں مدعو تھی۔ کاشان اس کے ساتھ ہی تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اس نے اپنے دوستوں کے گروپ کو جوائن کیا تھا۔ انابیہ کچھ تھکن محسوس کررہی تھی سو ایک جانب بیٹھ گئی تھی۔ اچانک اس کی سماعت سے دبی دبی سرگوشیاں ٹکرانے لگیں۔ جنہیں سن کر اسے اس سرد موسم میں بھی پسینہ آنے لگا۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ اس کی دولت دیکھ کر انابیہ کے گھر والوں نے اسے اس چھکے کے ساتھ بیاہا ہے۔“ تب ہی دوسری عورت کی آواز آئی۔

”ایکٹنگ تو ایسے کرتی ہے جیسے پرفیکٹ میچ ہو۔“ دونوں عورتوں سے انابیہ ناواقف تھی۔ پر وہ عورتیں اس کی زندگی کے کڑوے سچ سے واقف تھیں۔

”تو کیا کاشان کے سب دوست، اس کے ملنے والے کاشان کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ سب پیچھے سے بھی مجھ پر ہنستے ہوں گے۔“ اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ ہاتھوں پیروں سے جیسے جان نکل رہی تھی۔ نجانے کتنی ہی دیر وہ اس پوزیشن میں بیٹھی رہی ساکت اور جامد۔ اسے نہ تو واضح دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی دے رہا تھا۔ کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ کاشان اسے کس طرح واپس گھر لایا تھا۔ راستے میں اس نے انابیہ کو ڈاکٹر سے چیک اپ بھی کرایا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی طبیعت دیکھ کر اکثر اسے اس معصوم لڑکی سے ہمدردی ہوتی تھی۔ ساحق اس کی ماں نے اس لڑکی کو مہرہ بنایا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے دل میں میٹھا میٹھا درد جاگتا تھا۔ بالکل انجانا درد جو اس لڑکی کے نام سے منسوب تھا۔ اس کی اس درد سے شناسائی نہیں تھی سوا اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ درد کیا ہے؟ صبح اس کی آنکھ کھلی تو کاشان اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ جھجک گئی۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“ کاشان نے پوچھا تو اسے گزری رات پوری جزئیات کے ساتھ یاد آ گئی اور اس کے نقوش تن گئے۔

”ٹھیک ہوں میں۔“ اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی سرد ہو گیا۔

”اچانک کیا ہو گیا تھا آپ کو انابیہ۔“ وہ متفکر تھا۔

”آپ پلیز یہاں سے جائیں میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ کاشان چند ثانیے اسے دیکھتا رہا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد کیرولین آ گئی اس کا ناشتہ لے کر وہ بھی بہت پریشان لگ رہی تھی۔

”میم آپ ناشتہ کرکے میڈیسن لے لیجیے۔“ وہ مؤدب کھڑی تھی۔

”کیرولین تم جاؤ مجھے ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لوں گی۔“ اس نے ان سنی کرتے ہوئے کہا تو وہ تھکے ہوئے قدموں سے باہر چلی گئی۔ اسے رونا آ رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں بھاگ جائے، کسی کونے میں جا چھپے جہاں کوئی تضحیک نہ کرسکے۔ اپنے لفظوں سے اس کی زندگی کو تماشا نہ بنائے۔ اگر کاشان میں ادھورا پن تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ اسے سزا کیوں مل رہی تھی۔ وہ تو خود مظلوم تھی، مجبور تھی، خوف زدہ تھی کہ اگر نانا اور مما کو کاشان کی حقیقت

معلوم ہوئی تو کیا وہ سہہ پائیں گے۔ اس عمر میں یہ دکھ کہیں نانا کی جان نہ لے لے اور مما، ان کی مایوسی کا کیا عالم ہوگا۔ آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ چکے تھے۔ اس کا چہرہ تر ہو چکا تھا۔

"سر میرا خیال ہے کہ آپ کو ان سے پوچھنا چاہیے کہ کل رات پارٹی میں ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اس قدر ڈسٹرب ہو گئیں۔" اس نے کاشان کو دیکھا جو دھیرے دھیرے کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ ناشتے سے وہ انکار کر چکا تھا۔ کیرولین اس کے سامنے مؤدب کھڑی تھی۔

"کیرولین میں انجان تو نہیں ہوں کہ کل رات وہاں کیا ہوا ہوگا اور جانتی تو تم بھی ہو کل رات وہاں میرا غائبانہ تماشا بنایا گیا ہوگا جو اس نے سن لیا ہوگا اور وہ دکھی ہے تمہیں پتا ہے کیرولین وہ مجھے غم زدہ اچھی نہیں لگتی۔ میں خود اداس ہو جاتا ہوں اسے ایسی کیفیت میں دیکھ کر، میں چاہتا ہوں وہ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہے۔ مما نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ جب شادی میری ضرورت ہی نہیں تھی تو کیا ضرورت تھی ایک معصوم لڑکی کو مجھ سے باندھنے کی۔ صرف اپنی انا کا بھرم بلند کرنے کے لیے انہوں نے ایک لڑکی کی پوری زندگی داؤ پر لگا دی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ کاشان نے شادی کیوں نہیں کی۔ خاندان میں چہ مگوئیاں ہوں گی۔ کاشان نارمل نہیں ہے۔ ایک ادھورا مرد ہے میرا کیا قصور تھا۔ انہوں نے مجھے اپنی ممتا سے محروم رکھا۔ سات سال کی عمر میں پڑھائی کا بہانہ بنا کر یہاں بھیج دیا۔ خود سے دور رکھا جسمانی کمی کے ساتھ میں ذہنی مریض بھی بن جاتا جو تمہارے جیسی ہمدرد لڑکی سے میری دوستی نہ ہوتی۔ اب انابیہ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اس کی بے رنگ زندگی سے خوف آتا ہے۔ ایک سال پہلے وہ کتنی ہنستی مسکراتی ہوا کرتی تھی۔ زندگی سے بھرپور مگر اب وہ بولنے سے پہلے بھی سوچتی ہے۔ یہی حال رہا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ نفسیاتی مریضہ بن جائے۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اسے آزاد کر دوں گا۔" کاشان کے اندر کی گھٹن کو آج باہر نکلنے کا راستہ مل گیا تھا۔

"نہیں سر...... آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" کیرولین پریشان ہوئی۔

"وہ آپ کو اچھی لگتی ہیں، آپ ان کے وجود کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس گھر میں ان کی موجودگی آپ کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتی ہے یہ میں جانتی ہوں۔" وہ اعتماد کے ساتھ گویا ہوئی مگر کاشان نے استہزائیہ کیرولین سے نظر چرائی۔ وہ صرف ایک خادمہ ہی نہیں تھی۔ کاشان کے بچپن کی ساتھی تھی جو کاشان کے اندر کے موسموں سے بہ خوبی واقف تھی۔

"جاؤ دیکھ کر آؤ، اس نے ناشتہ کیا یا نہیں۔" اس نے انگلی سے کنپٹی دبائی۔ کیرولین اسے تاسف سے دیکھتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل گئی۔

انابیہ شام کو ڈرائیور کے ساتھ جہانزیب کے اپارٹمنٹ آ گئی۔ اس نے کاشان کو بتا دیا تھا کہ وہ نانا سے ملنا چاہتی ہے۔ کاشان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈرائیور کو کال کر کے بلا لیا تھا کہ وہ انابیہ کو ڈراپ کر دے اور خود گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔ نانا اسے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ جہانزیب ابھی آفس سے لوٹا نہیں تھا۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہیں، طبیعت خراب ہے کیا؟" نانا نے اس کی بجھی بجھی صورت دیکھ کر اخذ کیا تو اسے خود کو سنبھالنا پڑا۔

"کل ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ آج بہتر ہے طبیعت۔" اس نے بتایا، نانا نے لنچ آرڈر کر دیا تھا۔ دونوں نانا، نواسی نے ساتھ بیٹھ کر لنچ کیا۔ شام جہانزیب لوٹا تو اپنے گھر میں اسے دیکھ کر چونکا اور خود کو سنبھالتے ہوئے نانا کے برابر میں نشست سنبھال لی۔

"آپ کے لیے کافی بناؤں جیزی بھائی۔" انا نے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں مجھے عادت ہو گئی ہے اپنے کام خود کرنے کی [illegible] گا۔ یوں بھی تم یہاں مہمان ہو۔" اس نے [illegible] سے کہا۔ انابیہ کو لگا کہ وہ پہلو تہی کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو وہ اور نانا نماز کے لیے

کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد دعا میں اپنے لیے ہمت اور سکون مانگا جبکہ نانا نے اپنے پوتے کے لیے خوشیاں مانگی تھیں۔ ان سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ لاؤنج میں آئی تو دیکھا کہ جہانزیب کافی، نگٹس اور براؤنیز سمیت ان کا منتظر تھا۔

"واؤ...... آپ تو بہت سگھڑ ہیں۔" اس نے کہا تو جہانزیب کے لبوں پر پھیکی سی مسکان آ ٹھہری۔

"تم کافی لو نا۔" اس نے موضوع بدلا تو انا نے مگ اٹھا لیا۔ نانا منع کر چکے تھے سو وہ دونوں نگٹس اور براؤنیز سے انصاف کرنے لگے۔ نانا قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔

"جیزی بھائی اب آپ بھی شادی کر لیں اور ہاں وہ لڑکی کہاں ہوتی ہے جس سے آپ شادی کرنا چاہتے تھے۔" انابیہ کو یاد آیا کہ وہ کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ انا کی بات پر نگٹس کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ رک گیا۔ منہ میں موجود براؤنی کا ٹکڑا نگلنے میں بھی اسے دقت اٹھانی پڑی۔

"کیا ہوا، آپ خاموش ہیں۔ مامی آپ کی پسند کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں کیا؟" جہانزیب خاموش رہا تو اس نے مزید کہا۔ مامی کے مزاج سے وہ بخوبی واقف تھی۔

"اس کی شادی ہو گئی ہے۔" جہانزیب کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

"آپ نے اسے بتایا نہیں تھا کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔" وہ ایک دم دکھی ہوئی۔

"موقع ہی نہیں ملا اور وہ پرائی ہو گئی۔" جہانزیب کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔

"تم رات ادھر ہی رہو گی ناں؟" رحمت علی کمرے سے باہر آ گئے تھے۔ جہانزیب کو مشکل میں گرفتار دیکھ کر درمیان میں آ گئے۔

"نہیں نانا...... میں ڈنر کے بعد واپس چلی جاؤں گی۔ میں نے کاشان سے کہا ہے کہ جیزی بھائی مجھے ڈراپ کر دیں گے۔" اس نے اپنا پروگرام بتایا۔

"جہانزیب تم جاؤ کچھ دیر آرام [illegible] ہو گے۔" نانا نے اس کا چہرہ دیکھ کر اسے منظر سے ہٹانا چاہا۔ وہ دل میں شکر ادا کرتا ہوا اٹھ گیا۔

"نانا آپ کو نہیں لگتا کہ جیزی بھائی بہت بدل گئے ہیں، [illegible] سے زیادہ سنجیدہ رہنے لگے ہیں۔ آپ ان کی شادی کروا دیں۔" وہ جہانزیب کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ بس وہ راضی ہو جائے۔" نانا دھیمے لہجے میں بولے۔

"آپ مامی سے کہیں کہ وہ سمجھائیں اپنے بیٹے کو، مامی کو بات منوانا آتی ہے۔"

"ہوں۔" نانا سوچ میں گم ہو گئے تھے۔

"نانا ص میں ڈنر تیار کر رہی ہوں آپ کیا کھائیں گے۔" اسے نانا بہت پریشان لگ رہے تھے تو ذہن ہٹانے کو پوچھا۔ جہانزیب اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا حتیٰ کہ اس نے کھانا تیار کر لیا اور میز پر لگا بھی دیا تھا پھر اسے بلانے گئی تب وہ روم سے باہر آیا۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا۔ برتن دھو کر اس نے کچن سمیٹا اور جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ نانا کے اشارے پر جہانزیب اپنے کمرے سے گاڑی کی چابی لینے چلا گیا۔ جہانزیب اسے چھوڑ کر دروازے سے ہی واپس جا رہا تھا مگر وہ بصد اصرار اسے اندر لے آئی اور اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود کچن میں جھانکا کیرولین صفائی کر رہی تھی۔

"کیرولین، کافی بناؤ جیزی بھائی آئے ہیں۔"

"آپ کے کزن میم۔" اس نے سر ہلا کر کیرولین کے سوال کا جواب دیا۔

"کاشان کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میم وہ اسٹڈی میں ہیں۔" اس نے کافی کا جار کھولتے ہوئے بتایا تو وہ سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اوپر آ گئی۔ اسٹڈی روم پہلی منزل پر تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کاشان اسٹڈی چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے کتاب کھلی رکھی تھی مگر اس کا دماغ غیر حاضر تھا۔

”کاشان......“ اس نے سپاٹ لہجے میں پکارا تو کاشان چونکا۔

”جہانزیب بھائی مجھے چھوڑنے آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔“

”اوکے...... میں آتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا، انابیہ کو دیکھ کر اس کا دل کھل اٹھا تھا۔

وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ انابیہ اب واپس نہیں آئے گی، وہ انگلیوں سے بال سنوارتا ہوا اسٹڈی سے نکل آیا جبکہ انابیہ اپنے روم میں آکر جیکٹ اتار کر رکھنے لگی۔ تب ہی اسے شور سا محسوس ہوا تو وہ اسکارف لیتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ سٹنگ روم سے جہانزیب کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ برق رفتاری سے سٹنگ روم کی جانب بڑھی۔

”الٰہی خیر۔“ اس نے دل میں کہا اور سٹنگ روم میں قدم رکھا۔ کاشان ہال کے وسط میں کھڑا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل یقین تھے جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر جہانزیب کھڑا اس پر چلا رہا تھا۔

”تو یہ تم ہو کاشان حبیب۔ تم اس کے قابل ہی کب تھے۔ ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا، ذرا افسوس نہیں ہوا۔ میں جہانزیب عباسی تمہیں اپنا دوست کہتا رہا۔ مجھے اسی وقت سمجھ جانا چاہیے تھا جب انا نے مجھے بتایا کہ تم سہیل کے دوست ہو پر میں ایسی بات کیسے سوچ سکتا تھا کہ میری کزن کی شادی تم سے ہوئی ہوگی۔ تم جو......“ جہانزیب نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر اپنا سر تھام لیا۔

”جیزی بھائی پلیز...... آپ کو یہ سب نہیں کہنا چاہیے۔ مجھے کاشان سے کوئی شکایت نہیں۔“ نجانے کیوں اسے کاشان کا دکھ اپنے دل پر محسوس ہوا۔ اس کا چہرہ غم و الم کی تصویر بنا ہوا تھا۔ انابیہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنسو قطرہ قطرہ کرکے اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ اس کی آواز سن کر کاشان جیسے ہوش میں آیا۔

”نہیں انابیہ مت روکیں جہانزیب کو وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اس کی بنیاد ہی دھوکہ اور فریب ہے، میں نے گزشتہ روز ہی طے کرلیا تھا کہ ہمیں اب الگ ہوجانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے میں اتنی جلدی اپنی سوچ پر عمل نہ کرپاتا کہ نجانے کب میرے دل میں تمہاری محبت نے جنم لے لیا۔ سوچتا ہوں کہ دل کی کیا خطا، دل تو میرا ابھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا ہے۔ آج جہانزیب کی زبانی اپنی سچائی سن کر مزید تمہیں یا خود کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ انابیہ میں اپنے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہارے لائق نہیں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ انابیہ کو اس کی آواز گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی اور پھر اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

رحمت کدے میں غم کی فضا طاری تھی۔ شمائلہ سب سے منہ چھپائے پھر رہی تھیں۔ دل ہی دل میں وہ بے حد شرمسار تھیں۔ گھر میں کسی نے بھی ان پر انگلی نہیں اٹھائی تھی پھر بھی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ انابیہ کی خاموشی ان کا دل چیرے جاتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ جہانزیب کے علاوہ کسی کی تکلیف نے ان کے دل کو چھوا تھا پھر انہوں نے ہمت جمع کی اور افراح اور انابیہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

”ارے بھابی، یہ کیا کررہی ہیں۔“ افراح بوکھلا گئی تھیں۔

”قصور میرا ہی ہے افراح اگر میں اچھی طرح اس کی معلومات کرواتی، چھان بین کراتی تو ہمیں پہلے ہی سب پتا چل جاتا۔“

”یہ سب میرے نصیب میں لکھا تھا۔“ انابیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے انا ورنہ میں نے شہناز بھابی پر بھروسہ کرکے بڑا گناہ کیا۔ میں نے تمہاری خوشیاں چھینی ہیں، اب میں تمہاری خوشیاں لوٹاؤں گی۔“ شمائلہ نے کہا اور انابیہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں۔ انابیہ کی پلکیں بھیگنے لگیں تو افراح نے اسے گلے سے لگالیا۔

”ابا جان آپ نے تو دل کو روگ ہی لگا لیا ہے۔ باہر چل کر سب کے ساتھ بیٹھیں۔“ شمائلہ نے کمرے سے رحمت علی سے مخاطب ہوتے ہوئے چائے کا مگ ان کے آگے رکھا اور کھڑکیوں کے پردے سمیٹنے لگیں۔

”بہو...... اب اس دل میں طاقت نہیں بچی۔ افراح کی ویران زندگی کو دیکھ کر سوچا تھا کہ اس کی بیٹیوں کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا پر کچھ نہیں کرسکا۔ ہاتھ ملتا رہ گیا میں بوڑھا اور میری بیٹی انا برباد ہوگئی۔ کیا کیا سوچا تھا اس کے لیے کہ اسے ہمیشہ اپنے گھر میں رکھوں گا پر میری بے بسی دیکھو کچھ نہیں کرسکا۔“ رحمت علی کی بوڑھی آنکھیں چھلک پڑیں اور شمائلہ ان کی بات سن کر چونکیں۔

”ابا جان اگر ایسا ہے تو اب بھی آپ کی یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ آپ فون کریں جہانزیب کو بتائیں اسے وہ انکار نہیں کرے گا آخر کب تک یہ لندن میں رہے گا۔“

”میرا خیال ہے بہو، پہلے تم افراح سے بات کرو۔ وہ انا کی رضامندی لے لے اگر انا راضی ہے تب ہی میں جہانزیب سے بات کروں گا۔“ شمائلہ کی بات سن کر رحمت علی کو لگا جیسے ان کے دل سے آدھا بوجھ سرک گیا۔ انہیں شمائلہ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالنا تھا وہ بخوشی انابیہ کو بہو بنانے کے لیے راضی ہوگئی تھیں مگر انہیں انابیہ کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ انکار کردے گی۔

انابیہ کے ساتھ ہونے والے حادثے اور اس کے ٹوٹے بکھرے وجود نے جہانزیب کو بہت دکھی کردیا تھا۔ اس نے نانا اور نواسی کو پاکستان جانے والی فلائٹ میں بٹھا دیا تھا اور خود اب تک لندن میں تھا۔ دادا کے اصرار پر وہ یہی عذر بتاتا کہ میں انابیہ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ پانچ ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود انابیہ خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ شمائلہ بھابی اور ابا جان کے اصرار پر افراح اس سے بات کرنے آئیں تاکہ اس کی رضامندی لے سکیں پر اس نے جہانزیب کا نام سن کر ہی انکار کردیا۔

”لیکن کیوں بیٹا؟ بھابی نے بہت خلوص کے ساتھ بات کی ہے۔“ افراح نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

”مما...... مجھے مامی کے [cut] کہہ رہی کہ میں شادی کروں گی ہی نہیں۔ میں ایسے شخص سے شادی کروں گی جو اپنے دل کی تمام سچائیوں سمیت مجھے اپنائے۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

”تو بیٹا جہانزیب سے کیا مسئلہ ہے تمہیں؟“

”وہ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں، بے پناہ شدتوں سے اسے چاہتے ہیں۔ اس لڑکی کی شادی ہوگئی ہے اور میں اپنے دل میں گنجائش نہیں بنا سکتی۔ پلیز مجھے مجبور مت کریں۔“ وہ روہانسی ہوئی تو افراح کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

زونیرہ نے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ رحمت کدے میں کافی عرصہ بعد خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ زونی کے سسرال میں بھی خوب خوشی منائی گئی۔ دس روز کے عرشمان کو لے کر جب زونی ”رحمت کدے“ آئی تو گویا صبح و شام ایک ہوگئے۔ ہر فرد بچے کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھا۔ عرصے بعد انابیہ بھی مسکرائی تھی۔ اسے خوش دیکھ کر سب نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ایک نسبتاً سرد دن تھا جب زونی نے بتایا کہ اس کے لیے ایک رشتہ آیا ہے لڑکے نے اسے کہیں دیکھ رکھا تھا اور اب رشتے کے لیے بھیجا ہے اپنی فیملی کو۔ وہ حیران ہوئی کہ ایسا شخص کون ہے؟ ایک دن لڑکے کی والدہ اور بہن سے بھی اس کی سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ چند روز بعد مما نے اس سے رائے مانگی اور موبائل میں لڑکے کی تصویر دکھانا چاہی تو اس نے تصویر دیکھنے سے منع کردیا اور ”آپ کی مرضی“ کہہ دیا۔ افراح کے ہاں کرتے ہی دونوں جانب شادی کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔

”انا...... آج تمہاری ساس آئیں گی تمہیں جیولری اور برائیڈل ڈریس پسند کرنے لے جائیں گی۔“ افراح نے کالج کے لیے نکلتے ہوئے اسے تاکید کی۔

”مما...... میرا جانا ضروری ہے کیا؟“ اس نے بددلی سے پوچھا۔

”بہت ضروری ہے۔“ افراح اپنا پرس سنبھالتی ہوئی پورچ کی جانب بڑھیں۔ شام کو نبیلہ آنٹی اور علینہ اسے

شاپنگ کے لیے لینے آ گئے چاروناچار اسے ان کے ساتھ جانا پڑا۔ گاڑی ان کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔ آنٹی بہت گریس فل تھیں جبکہ علینہ بہت خوش مزاج۔ وہ مسلسل بول رہی تھی اور اس کا موضوع اس کا بھائی حذیفہ تھی۔ شاپنگ کے بعد آنٹی نے اسے ریسٹورنٹ میں ڈنر کروایا اور پھر گھر ڈراپ کردیا۔ آنٹی اور علینہ سے ملنے کے بعد اس کے من میں پلنے والی بے نام سی بے چینی کا اختتام ہوگیا تھا۔

نکاح کی تاریخ طے ہوتے ہی زونی اپنی شاپنگ میں مصروف ہوگئی تھی۔ عرشان کو وہ سنبھال لیتی تھی۔ اس دن زونیرہ نے ڈھولکی رکھی تھی۔ رابیل اور عمر بھی صبح ہی آ گئے تھے۔ گھر میں رونق لگ گئی تھی مزید رونق لگانے کے لیے نوال نے اپنی دوستوں کو بلا لیا تھا اور اس وقت اس کی سہیلیاں ہال کمرے میں ''کڑی دا جھمکا'' پر لڈی ڈال رہی تھیں۔ اگلے جمعہ کو اس کا حذیفہ سے نکاح تھا۔

''جہانزیب کب آنے کا کہہ رہا ہے؟'' نانا کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے گود میں کھیلتے عرشان سے نظر ہٹا کر نانا کی طرف دیکھا جو ماموں سے مخاطب تھے۔

''نکاح سے دو دن پہلے آنے کا کہہ رہا ہے۔'' نانا نے جواب میں کیا کہا وہ سن نہیں پائی۔

''مما...... اب یہ مایوں وایوں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس نے سامنے بکھرے مایوں کے پھیلاوے کو دیکھتے ہوئے چڑچڑے پن سے کہا۔

''بچوں کی خوشی ہے یہ سب اور پھر تم خوش نہیں ہو کیا؟'' افراح نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجا مگر وہ خاموش رہی تو افراح کام چھوڑ کر اس کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

''انا...... میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

''مما...... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، کبھی لگتا ہے کہ سب ٹھیک ہے اور کبھی دل بے چین ہوجاتا ہے کہ کہیں پھر سے دھوکا تو نہیں ہوگا میرے ساتھ۔'' اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ افراح نے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

''اب کچھ برا نہیں ہوگا تمہارے ساتھ۔'' افراح نے اس کے ریشمی بالوں کو چوما۔ آج اس کا نکاح تھا اس وقت وہ پارلر جانے کے لیے اپنا ضروری سامان سمیٹ رہی تھی۔ زونیرہ برابر والے کمرے میں اس کا برائیڈل ڈریس پریس کررہی تھی۔ اس نے زیورات کا ڈبہ بیگ میں احتیاط سے رکھا۔ اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ پشت پر ہلکے نم بال پھیلے ہوئے تھے، کھٹکے کی آواز پر اسے رابیل کا گمان ہوا۔

''مما کے روم سے میرے شوز لے آئیں تم۔''

''اب کیا تم جوتوں سے مجھے مارو گی۔'' شوخ اور مانوس آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا تو چوکھٹ پر جہانزیب کھڑا تھا۔ چہرے پر بھرپور مسکراہٹ لیے آنکھیں کچھ پالینے کے احساس سے جگمگا رہی تھیں۔

''آپ......'' اس کی آواز لڑکھڑائی۔

''مل گئی آپ کو فرصت مجھ سے ملنے کی، کل سے سن رہی ہوں کہ موصوف آچکے ہیں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹا، جہانزیب کا دل چاہا کہ اسے ٹوک دے بال سمیٹنے سے روک دے۔ بمشکل اس نے خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

''بھئی میں نے سوچا کہ پھر تم اکتا جاؤ گی۔ بس اسی لیے نہیں آرہا تھا پر دادا نے کہا کہ تم منتظر ہو۔'' وہ کمرے کے اندر آچکا تھا وہ اس کا پہلا فقرہ سن کر چونکی۔

''کیا مطلب...... میں کچھ بھی نہیں۔''

''شب و روز جب میرے ساتھ رہو گی تو کیا پتا اکتا جاؤ۔'' جہانزیب نے احتیاط کے ساتھ فقرہ پورا کیا اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ چیخ پڑی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ جیزی بھائی...... میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ صاف صاف بتائیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' وہ قدرے حراساں نظر آئی۔

''آج ہمارا نکاح ہے انو، شادی کے بعد تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے بس اسی لیے احتیاط کررہا تھا۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو بتایا گیا ہے کہ میرا نکاح کسی [illegible] سے ہورہا ہے۔'' اس کی شکل رونے جیسی

ہورہی تھی۔

''ہاں...... میں ہی ہوں جہانزیب حذیفہ عباسی تم جانتی ہو یہ میرا پورا نام ہے۔'' اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی۔ دشمن جاں عین وقت پر کوئی پنگا نہ ڈال دے۔ گھر میں سب نے ہی سے روکا تھا کہ جیسا چل رہا ہے چلنے دو پر اسے کہاں چین تھا۔

''یعنی کہ پھر سے آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا۔'' اس کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہوا۔

''وہ سب دھوکا تھا حذیفہ کی والدہ، بہن۔''

''نہیں انو، تم غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ میرے دوست کی والدہ بہن ہیں۔ ایک سال پہلے میرے دوست کی ایک ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی۔ اپنی والدہ اور بہن کا واحد کفیل تھا وہ۔ اس کی ڈیتھ کے بعد میں نے اس کی ذمہ داری اٹھالی۔ آنٹی مجھے اپنا بیٹا کہتی ہیں اور علینہ بھائی سمجھتی ہے۔ کسی نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔'' وہ انابیہ کے سامنے آ کھڑا تھا۔ انابیہ کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا ہے۔ مامی نے مجھ پر ترس کھایا کیونکہ ان کی وجہ سے میرے ساتھ ٹریجڈی ہوئی اب وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ پر قربان کرنے چلی ہیں۔'' اس کی آواز آہستہ آہستہ بھرائی۔

''مما نے کبھی اچھی نہیں کیا وہ جانتی ہیں کہ مامی مجھے پسند نہیں کرتیں اور آپ...... آپ تو محبت کرتے ہیں نا اس لڑکی سے، بے وفائی کریں گے اس کے ساتھ...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے کسی کی ہمدردی یا ترس کی ضرورت نہیں۔''

''پلیز انو...... مجھے کہنے دو جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔'' جہانزیب کے تیز لہجے پر وہ چپ ہوکر اسے دیکھنے لگی۔

''مما دل سے شرمندہ ہیں، تمہیں بہو بنانے کا فیصلہ انہوں نے اپنی خوشی سے کیا ہے۔ دادا کی یہ پرانی خواہش تھی پر وہ مما پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتے تھے اس لیے جب کاشان کا سلسلہ چلا تو دادا خاموش رہے مگر اب جبکہ سب خوش ہیں تو تم اپنی ضد کی وجہ سے سب کی خوشیوں پر پانی پھیرنا چاہتی ہو۔'' جہانزیب نے اسے سمجھایا۔

''اور آپ...... آپ کا کیا؟ میں زبردستی کسی پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔'' اس نے پھر کہا۔

''میری پیاری انو، اس دن کا میں نے برسوں انتظار کیا ہے۔'' اس نے انو کے سرد ہاتھ اپنے پرحدت ہاتھوں میں تھام لیے، انابیہ نے کہاں یہ والہانہ انداز دیکھا تھا، اس کی ہتھیلیاں نم ہونے لگیں۔

''تم ہی وہ لڑکی ہو جو میری اولین چاہت ہے۔'' وہ مزید کہہ گیا۔

''بس...... بس جیزی بھائی بہت ہوگیا......'' زونیرہ اور رابیل دروازے میں کھڑی تھیں۔

''کچھ ڈائیلاگ شب زفاف کے لیے بھی رہنے دیں۔ وہ جو آپ نے ہوٹل میں سوئیٹ بک کروایا ہے جہاں انا کو رخصت ہوکر جانا ہے، باقی کا رومانس ادھر جھاڑیے گا۔'' دونوں اپنی اپنی بول رہی تھیں۔ جہانزیب اس کا ہاتھ چھوڑ کر ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ دونوں ابھی ہنس رہی تھیں۔ کمرہ رنگ برنگی ہنسی کی روشنی سے بھر گیا تھا۔ جہانزیب کی ہنسی، زونی کی ہنسی اور رابی کی ہنسی اس کے اردگرد رقص کررہی تھی اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ جس لڑکی سے جیزی بھائی محبت کرتے ہیں وہ لڑکی وہ خود ہے کیسا حسین اتفاق ہے۔

سجدۂ شکر

حنا اشرف

دھوپ میں ہو جو چھاؤں کی طرح
ایسا اک مہرباں تلاش کریں
پیار کے پھول جس میں کھلتے رہیں
چاہتوں کا جہاں تلاش کریں

"سخت بری لگتی ہیں مجھے وہ لڑکیاں جو خوامخواہ ہر وقت ٹسوے بہاتی رہتی ہیں۔" اسے شدید غصہ آرہا تھا مگر مجبوراً ضبط کیے بیٹھا تھا۔ وجہ ساتھ بیٹھی ہستی تھی۔ تبھی انداز میں طنز خود بخود سمٹ آیا تھا۔

وہ لڑکی جو محض اس کی دور پرے کی رشتہ دار تھی، خاندان کی شادیوں میں ہی چند ایک بار اسے دیکھ رکھا تھا اب یوں اچانک سے اس کی زندگی میں شامل ہو چکی تھی۔

ویسے ایک بات تو سوچنے کی تھی جس طرح کی صورت حال درپیش آئی تھی، اب وہ روتی نہ تو قہقہے لگاتی کیا؟ ایک لمحے کے لیے اسے افسوس بھی ہوا سب سے زیادہ ناانصافی تو اس بے چاری کے ساتھ ہوئی تھی جو کچھ بھی ہو چکا تھا کم از کم اس سب میں اس کا قصور تو نہیں تھا اور پھر کچھ دیر پہلے تک بھی تو تمام کی تمام ہمدردیاں اس لڑکی کے لیے محسوس کر چکنے کے بعد سرعام اس کی نہ ہونے والی سسرال کو زیر لب کوسنوں، گالیوں سے نواز چکا تھا مگر جب اچانک اس کی اپنی قسمت نے پلٹا کھایا تو یہی لڑکی اسے اپنی دشمن لگ رہی تھی۔ دل میں ذرا دیر کے لیے احساس جاگا مگر پھر وہ سر جھٹک گیا، اپنی بے بسی یاد آئی تو جی چاہا چیخ چیخ کر سب سے لڑ پڑے۔

جواب موصول نہ ہوا تو اس کا اضطراب جواب دینے لگا تھا جی چاہا بھاگ کر کہیں دور چلا جائے مگر والدین کی عزت بھی بہت پیاری تھی اور وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے انہیں لوگوں کی باتیں سننی پڑیں۔

"دولہے میاں تھوڑا صبر کریں ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو نکاح ہوا ہے، تھوڑا دھوم دھڑ کا تو ہونے دیں رخصتی بھی ہو جائے گی۔" جواد نے آنکھ دباتے شرارتی انداز اپنایا اور ساتھ میں زوردار قہقہہ بھی لگایا، جواباً وہ دانت پیس کر رہ گیا۔

"کس قدر دلفریب و دلکش صورت حال ہے ویسے شادی کا دن ہے، بہت سے لوگ جمع ہیں، دلہن والے بارات کا انتظار کر رہے، جو آنے کا نام نہیں لے رہی اور پھر اچانک سے پیغام آجاتا کہ بارات نہیں آسکتی۔ کیوں کہ دلہا صاحب بیچ راستے سے بھاگ کھڑے ہوئے اور جو موصوف بارات کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار کھڑے تھے وہی زبردستی کے دلہا بنا دیے گئے۔" جواد نے باقاعدہ کمنٹری کرنے کے سے انداز میں بات مکمل کی اور پھر زوردار تبسم کا قہقہہ لگایا تو وہ لب بھینچ گیا۔

"ویسے یار اصلی دلہا صاحب کہاں بھاگ گئے جو اچانک سے تم بیچ میں ٹپک پڑے، اگر دو چار منٹ تم صبر کر لیتے اور اندر نہ آتے تو اس وقت میں تمہاری جگہ سنبھالے ہوئے ہوتا۔" وہ

"کیا ہے یار، کب گھر چلیں گے؟" دوسری طرف سے کوئی

بے چاری سے گویا ہوا، شرجیل نے اسے کینہ توز نظروں سے گھورا۔

"میرے سچ کہہ رہا ہوں، یقین کرلو۔ میری اماں جی اپنے اس دور پار کے رشتہ دار کی بیٹی کے لیے اپنے یعنی میرے رشتے کی بات کرنے ہی والی تھیں کہ تمہارے ابا حضور بیچ میں ٹپک پڑے اور پھر باقی سب تمہارے سامنے ہے۔" جواد اس بار مسکینیت سے بولا تو شرجیل نے لب بھینچ لیے تھے۔

☆.....☆☆.....☆

"کیوں..... آخر کیوں ہوتا ہے ایسا؟ جو کرتا ہے بھرتا بھی اسے چاہیے ناں، تو ناحق دوسرے ظلم کی چکی میں کیوں پس جائیں۔ بات لڑکے پہ آئے تو آئی گئی ہو جاتی ہے مگر جب وہی بات لڑکی پہ آئے تو اس کا بتنگڑ بن جاتا اور وہ ہر سو پھیل جاتی ہے۔" اس کا بس چلتا تو چیخ کر اپنے حق کے لیے بولتی مگر وہ مجبور تھی کہ بات ماں باپ، بھائیوں کی عزت پہ آرہی تھی۔

وہ تو بڑی صابر و شاکر قسم کی لڑکی تھی۔ ہمیشہ جو ملا اس پہ صبر کرتے اکتفا کیا جو نہ ملا اس پہ اپنا بھلا سمجھ کر شکر ادا کیا مگر شاید اس بار کوئی امتحان کی گھڑی چل رہی تھی۔

چار ماہ پہلے بڑے بھائی جان کے توسط سے اس کے لیے رشتہ آیا تھا۔ اچھی خاصی فیملی تھی۔ چھان بین کے بعد ابو نے بات پکی کر کے منگنی کر دی تھی۔ اچانک بیٹھے بٹھائے نہ جانے ان لوگوں کو کیا سوجھی کہ انہوں نے شرط عائد کر دی اگر آپ لوگ اپنے چھوٹے بیٹے "اسود" کے لیے ہماری بیٹی کا رشتہ لیں گے تو ہی ہم یہ رشتہ برقرار رکھیں گے ورنہ ہماری طرف سے معذرت۔ اسود کا رشتہ پہلے ہی چھوٹی خالہ کے ہاں طے ہو چکا تھا پھر بھلا کیسے ان لوگوں کو ہاں کی جاتی۔ بس اس طرح رشتہ ختم ہو گیا تھا۔

اب سے ایک ماہ پہلے ہی اس کے لیے یہ رشتہ آیا تھا اور یہ ابو کے ایک پرانے جاننے والے تھے۔ جان پہچان ہونے کے سبب اس بار منگنی کا کھڑاک نہ پالا گیا، جیسے ہی بات پکی ہوئی شادی کی تاریخ بھی ساتھ ہی رکھ دی گئی مگر اس بار تو وہ ہوا جس پہ سب حیران تھے۔ دلہا صاحب نے اپنے والدین سے چھپ کر اپنی کلاس فیلو سے نکاح کر رکھا تھا۔ وہ ان دنوں اس سے ناراض تھی تو بدلے میں اسے سزا دینے کی خاطر وہ لڑکا دوسری

شادی پر تیار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی اس لڑکی کو پتا چلا فوراً معافی تلافی ہوئی اور دلہا صاحب فوراً رام بھی ہو گئے اور وہ جو ضد میں یہ شادی کررہے تھے، بارات کے ساتھ شادی ہال تشریف لاتے ہوئے اسی وقت باپ سے معذرت کرکے واپس چلتے بنے اور یہاں سے ہی اس کی قسمت ایک بار پھر سے اس کو آزمانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اب تو گویا اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مفلوج ہو چکی تھی۔

☆......☆☆......☆

''میری ایک بات یاد رکھنا بیٹا، شادی چاہے جیسے بھی حالات میں ہوئی ہو مگر تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اپنی شریک حیات کو یوں سب کے بیچ میں تن تنہا خوار ہونے کے لیے چھوڑ دو۔ تھوڑا وقت دینا پڑے گا اس رشتے کو، اسے سمجھنے کی کوشش کرو، تم نے اسے قبول تو کرلیا مگر اب اس کے ساتھ ناانصافی مت کرنا۔'' دلہن کی رخصتی سے پہلے ہی وہ گھر چلا آیا تھا تاکہ سب کے آنے سے پہلے ہی گھر سے چلا جائے۔ وہ اپنا سفری بیگ اٹھائے جانے لگا تو وقار بھائی کی آواز پر اسے رکنا پڑا تھا۔

''جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ نہایت سلجھی ہوئی لڑکی ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے، جو ہونا تھا ہو چکا اب اسے سمجھنے کی کوشش کرنا، یہ نہ ہو بعد میں پچھتاوا تمہارا مقدر بنے۔'' وہ نرم انداز میں اسے سمجھا رہے تھے، اس نے لب بھینچ لیے مگر بولا کچھ بھی نہیں بلکہ نروٹھے انداز میں سر جھکائے کھڑا رہا۔

''یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔ اس معصوم کو مزید رسوا مت کرنا۔ یہ ناراضیاں اپنے والدین کو بعد میں دکھا لینا، مہمان سب گھر میں جمع ہیں مزید کوئی تماشا کھڑا نہ کرنا۔'' وہ مزید بولے تو شرجیل جیسے زچ ہوا۔

''مجھے لگتا ہے میں کوئی معصوم اور چھوٹا سا بچہ ہوں جسے اپنے نفع نقصان تک کی خبر نہیں تبھی تو پچھلے کچھ گھنٹوں سے سب نصیحتوں کی پٹاری کھول بیٹھے ہیں۔ خیر میں کوشش کروں گا سب ٹھیک ہو جائے اور مزید کچھ غلط نہ ہو۔'' بالآخر اس نے گہرا سانس لیا اور جان چھڑانے کے لیے اپنی بات پر زور دے کر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''شاباش میرے شیر...... جیتے رہو، خوش رہو، آباد رہو۔'' وقار بھائی جو اس کے بڑے بہنوئی کے عہدے پر فائز تھے اور پورے خاندان میں یہ وہ واحد شخص تھے جن کا کہا اس کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ تبھی تو اپنے سسر صاحب کے کہنے پر وہ اس وقت یہاں موجود تھے۔ انہوں نے اس کا کاندھا تھپتھپانے کے بعد اسے دعا سے نوازا تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے پہ جھلک دکھلائی۔

انہیں شرجیل بے حد عزیز تھا، وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے وہ ناخوشگوار زندگی گزارے۔ تبھی اپنی طرف سے مکمل کوشش کررہے تھے کہ وہ ان کی بات سمجھ جائے۔ بھائی جان کے سمجھانے کا اچھا خاصا اثر ہوا تھا۔ تبھی وہ چپ چاپ اپنا سامان کمرے میں رکھ آیا تھا۔

یہ ان کے خاندان کی واحد شادی تھی جس میں دلہن کی رخصتی کے وقت دلہا ساتھ نہیں تھا اور سب چٹخارے لے لے کر طنز کررہے تھے۔

''لگتا ہے یہ دلہا بھی راضی نہیں۔'' بات اپنی طرف سے سرگوشیوں میں کی جا رہی تھی مگر مستفید اس سے سب ہو رہے تھے۔

''شرجیل کے دادا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تبھی ہم نے اسے گھر بھیج دیا، آپ لوگ جانتے تو ہیں شرجیل ہمارا اکلوتا بیٹا ہے، چھ بہنوں کا ایک بھائی۔'' یہ دلہا صاحب کی ماں تھیں جنہوں نے بات سنبھالنے کی کوشش کی پھر وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموشی سے رخصتی کا فریضہ سرانجام دیا گیا۔

☆......☆☆......☆

آگے کے دن بڑی خاموشی اور تیز رفتاری سے گزرے تھے۔ شرجیل کا رویہ سب سے الجھا ہوا سا تھا۔ چھوٹی بہنیں تو مخاطب کرنے سے بھی ڈر رہی تھیں مبادہ انہیں ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔ زرمین نے گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ ان گزرے دنوں میں چند بار ہی شرجیل نے اسے مخاطب کیا تھا اور اس کا رویہ و انداز نہایت ہی عجیب، روکھا، طنزیہ اور جھگڑالو سا تھا۔

آج سب کزنز ان کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ زرمین ان

نہایت بدتمیز انداز میں زرمین کو سب کے سامنے ڈانٹ گیا۔

''مرد کو چاہیے بھری محفل میں کبھی اپنی بیوی کو تضحیک کا نشانہ نہ بنائے تاکہ دوسرے لوگوں کو موقع نہ ملے اسے بے عزت کرنے کا۔'' امی کو اس کی اس رویے پر خاصا دکھ ہوا تبھی وہ خفگی سے گویا ہوئیں تو وہ کاندھے اچکا کر باہر نکل گیا۔ اسے تو اب جیسے کسی بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔

''جب تک گھر والا عزت نہ دے گا تب تک گھر والے بھی عزت نہیں کرتے، تم چاہتے ہو تمہاری بیوی تمہاری دل سے قدر کرے تمہارے رنگ میں رنگ جائے تو پہلے اسے عزت دو پھر محبت دو، یہاں تک کہ وہ تمہاری خاطر اپنی ہستی تک مٹانے پر تیار ہو جائے گی۔ عورت بہت نازک دل کی مالک ہوتی ہے، اس کے لیے محبت سے بھی زیادہ عزت اور احترام کی اہمیت ہوتی ہے۔ بدلے میں پھر اس سے تاحیات وفا کی امید رکھنا۔'' جس وقت زرمین کو اس نے ڈانٹا تھا وقار بھائی بھی وہاں موجود تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو سب کے سامنے ڈانٹنے اور سمجھانے کی بجائے الگ سمجھانے کے قائل تھے۔ تبھی وہ اس دن دیر تک ان کے ہاں بیٹھے رہے تھے۔ جب تک شرجیل گھر واپس نہ آیا اور جب آیا تو وہ کافی دیر اسے سمجھاتے رہے تھے۔

☆......☆☆......☆

وہ نہایت ضدی، ہٹ دھرم اور اپنی من مانی کرنے والا تھا تبھی سب کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا اور اپنا ٹرانسفر دوسرے شہر کرالیا۔ کبھی کبھار ایک آدھ دن کے لیے ہی گھر کا چکر لگا جاتا تھا۔ ان کی شادی کو چار ماہ گزر چکے تھے۔ اس نے ماں کے بہت زیادہ اسرار پر اپنا ٹرانسفر دوبارہ اپنے شہر کرالیا۔ درحقیقت وہ خود بھی اپنے گھر سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا مگر جب سے طبیعت میں ضدی پن آیا تھا تو وہ اپنی بھی ذرا کم ہی سنتا تھا۔

وہ پچھلے ایک ہفتے سے متواتر سب کی روٹین کو پرکھ رہا تھا، ہر چھوٹی بڑی چیز کے لیے زرمین کی پکار جاری تھی۔ اسے حیرت تو تب ہوئی جب اس کی چھوٹی بہنیں زرمین کو بجائے بھابی کہنے کے نام سے پکار رہی تھیں۔ تب وہ خود کو شدید غصے کی لپیٹ میں محسوس کررہا تھا۔ اس کا رویہ بے شک اچھا نہ تھا مگر وہ خود کو حق بجانب محسوس کرتا، وہ چاہے جیسا رویہ روا رکھے زرمین اس کی بیوی تھی مگر گھر والوں کا اس سے یہ رویہ اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ وہ اس گھر کی اکلوتی بہو تھی کوئی نوکرانی تھوڑی جو سارا دن گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھی۔ مزید جھٹکا تو اسے تب لگا جب کچھ دیر بعد ہی اس کا چچازاد بھائی جواد ان کے گھر آدھمکا۔

''ارے واہ آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں۔'' جواد مسکراتے ہوئے صوفے پر لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس انداز سے صاف ظاہر تھا گھر پر اس کی موجودگی کی توقع اسے ہرگز نہ تھی۔ جواد سے اگرچہ اس کی کافی دوستی تھی مگر شادی کے بعد سے وہ کسی سے بھی رابطے میں نا رہا تھا۔

''خیر ہے آج صبح صبح نازل ہو گئے تم، حالاں کہ آج تو اتوار بھی نہیں کہ آفس سے بھی تمہیں چھٹی ہو۔'' تھا تو وہ بھی سدا کا منہ پھٹ تبھی ادھر ادھر کی بات کی بجائے سیدھا مدعا پہ آیا، جواباً جواد ڈھیٹوں کی طرح قہقہہ لگا گیا۔

''ہاں یار بس آج ''مینو'' کے ہاتھ کا بنا ناشتہ کرنے کو جی چاہ رہا تھا سو میں کھنچا چلا آیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے آنے کی وجہ بتا گیا۔

''ارے میرا بیٹا آیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس سے سوال پوچھتا کہ مینو کون ہے؟ اسی وقت اماں حضور کی تشریف آوری ہوئی وہ جواد صاحب پہ صدقے واری ہونے لگیں اور وہ جلتا بھنتا ان کے پیار بھرے مظاہرے دیکھتا رہ گیا۔ واضح نظر آرہا تھا اماں حضور کس خوشی میں اس جواد کی خوب آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھیں۔ آخر کو وہ اچھا خاصا کمانے والا تھا اور آج کل سب کا منظور نظر بنا ہوا تھا کہ اس کی اماں حضور اپنے بیٹے کے لیے چاند سی بہو کی تلاش میں تھیں اور میری معصوم ماں کی بھی خواہش تھی کہ جواد انہی کا داماد بنے۔ سر جھٹک کر وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلا تو ذہن پھر سے ''مینو'' کی طرف چلا گیا مگر یاد کرنے پر بھی اسے کوئی اس نام کی لڑکی یاد نہ آئی تو فوراً سے اس کا ذہن زرمین کی طرف گھوما یعنی زرمین ہی وہ مینو ہے جس کے ہاتھ سے بنا ناشتہ جواد صاحب تناول فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ جل بھن کر رہ گیا۔

''زرمین میرے بیٹے کے لیے اچھا سا ناشتہ بناؤ جلدی

زمین سے مخاطب ہوئیں۔

"میں تو کچھ دیر پہلے ہی ناشتہ کر چکا تھا اب یقیناً جواد بیٹے کے لیے ناشتے کا آرڈر دیا جا رہا تھا۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گیا اور اس جواد کی عقل اچھے سے ٹھکانے لگانے کی وہ سوچ چکا تھا۔ اس کی فطرت سے بھلا کون نہیں واقف تھا مگر جب سے اس کی اچھی جاب ہوئی تھی امی تو کچھ زیادہ ہی اس کے واری صدقے جا رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد جب زمین ناشتہ لے کر وہیں آئی تو جواد کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی، اس کا مسکراتا چہرہ اسے ایک آنکھ بھی نہ بھایا تھا۔ اس کی والہانہ نظریں زمین کے چہرے سے بار بار لپٹ رہی تھیں اور وہ سامنے ہی بیٹھا سکتے کی کیفیت میں تھا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا ساری غلطی اس کی تھی، جواد کے سامنے ہی تو لاتعداد بار وہ زمین سے ناپسندیدگی کا اظہار کر چکا تھا۔ وقار بھائی نے صحیح کہا تھا۔

"جب گھر والا عزت نہ دے گا تو گھر والے اور باہر والے بھی عزت نہیں دیں گے۔" وہ کوئی بچہ نہیں تھا جو کچھ سمجھ نہ سکتا۔ جواد کی نگاہوں کی چمک اسے بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھیں۔ زمین اس کے سامنے ناشتہ رکھنے کے بعد جا چکی تھی۔ تب وہ گہری سانس لیتا خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ جبکہ جواد بڑی دیدہ دلیری سے اس کے سامنے زمین کی تعریف کر رہا تھا اور وہ خالی ذہن سے فقط اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆......☆☆......☆

جواد کی نسبت طے ہوگئی تھی۔ مریم بھائی کا رشتہ طے ہو جانے کی وجہ سے انہیں مٹھائی دینے آئی ہوئی تھی۔ امی کی صورت تو دیکھنے والی تھی، وہ تو سمجھ رہی تھیں جواد ان دنوں ان کے ہاں بہت زیادہ آنے لگا تھا تو وہ انہی کے گھر رشتہ کرنے کی خواہش ظاہر کرے گا مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ خیر اب کیا ہو سکتا تھا، شکر وہ اس بات کا ذکر کسی اور کے سامنے نہ کر بیٹھی تھیں۔ شرجیل نے بھی سوچ لیا تھا اب اگر وہ ان کے گھر آیا تو وہ اس کا لحاظ بالکل نہیں کرے گا اور اس کی طبیعت بھی اچھے طریقے سے بھی صاف کر دے گا۔

"زمین جی سنا ہے شادی ٹوٹنے سے پہلے آپ کی ایک عدد منگنی بھی ٹوٹ چکی تھی، ایسا کیوں بھلا؟" وہ طنزیہ انداز میں بول پڑی جو سامنے بیٹھی اپنی کزن کی بات سے مستفید ہو چکا تھا اور تو زمین کی بے ساختہ نظر مریم پر پڑنے کی بجائے شرجیل پر یہ بات تو سب جانتے تھے مریم کسی زمانے سے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی مگر سامنے بھی شرجیل تھا جو اپنے نام کا صرف ایک ہی تھا۔

"ہم لڑکیاں بہت بے بس ہوتی ہیں یا پھر یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا شاید میرے جیسی لڑکیاں بے بس ہوتی ہیں جو اپنے حق کے لیے بھی آواز نہیں اٹھا سکتیں کیونکہ اپنے والدین کی عزت ان کے لیے اپنی خوشی سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔" وہ سنجیدگی سے ذومعنی کہتی چائے کے خالی برتن سب کے سامنے سے اٹھاتی واپس کچن میں چلی گئی۔

"ویسے بھی تم جیسا شخص اس لڑکی سے شادی کے لیے مان کیسے گیا؟ حیرت ہے ویسے۔" اب کے وہ طنزیہ مسکرائی گویا ناک کر وار کرنا چاہا۔ شرجیل اس کی بات پر ہنسا اور کچن کے دروازے سے نکلتی زمین کو اونچی آواز میں پکارا۔

"زمین یہاں آنا ذرا۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، زمین اس کی پکار پر حیران و پریشان سی اس کی طرف آئی کہ یہ پہلا موقع تھا جب شرجیل نے اتنے نرم لہجے میں ہنستے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

"مریم ڈیئر تم کہہ رہی ہو مجھ جیسا شخص اس سے شادی کے لیے کیسے مان گیا تو دیکھو ذرا اسے اور بتاؤ کیا کمی ہے اس میں؟ خوب صورت تو تم سے بھی زیادہ ہے، سیرت کی بھی تم سے منفرد ہے، اپنے اور اس کے حلیے کو ذرا غور سے دیکھو اور پھر اسے بھی، تم ہوتی کون ہو اسے طعنے دینے والی؟ اپنا وقت بھول گئی جب کتنا شور شرابا ڈالا تھا تم نے گھر میں پھر بھی تم سے شادی کے لیے راضی نہ ہوا تھا کیوں؟ کیوں کہ مجھے اس جیسی بیوی چاہیے تھی۔" اس نے آگے بڑھ کر زمین کو بازو سے تھام کر مریم کے سامنے کہا۔ زمین تو گویا بک دک رہ گئی۔

"تم اس جیسی عام سی لڑکی کو میرے مقابلے پر لا رہے ہو؟ تمہاری آنکھوں کو علاج کی ضرورت ہے جو یہ تمہیں خوب

صورت لگ رہی ہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولتی صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"ارے اتنی بے عزتی کے باوجود بجائے یہاں سے جانے کے تم تو آرام سے بیٹھ گئی ہو، اٹھو یہاں سے، نکلو فوراً تم ہوتی کون ہو میرے ہی گھر میں بیٹھ کر میری ہی بیوی کے خلاف باتیں کرنے والی۔" وہ تیکھے پن سے گرجا۔

"شرجیل دماغ تو خراب نہیں ہوگیا، کیا بکواس کر رہے ہو؟ بچی ہے وہ، ذرا سی بات کر دی تو کیا طوفان آگیا۔" امی نے آگے بڑھ کر اس کا غصہ کم کرنا چاہا۔

"امی یہ ذرا سی بات ہے تو پھر بڑی بات کیا ہوگی؟ اگر یہ محترمہ یہی الفاظ آپ کی بہو کی بجائے آپ کی بیٹی کے لیے کہتی تو آپ برداشت کر لیتیں کیا؟" وہ اونچی آواز میں چیخا۔

زمین حیران پریشان سی ایک جگہ ساکت کھڑی رہی جبکہ غصے سے نیلی پیلی ہوتی مریم تو اسے ایسے گھور رہی تھی جیسے ابھی اسے کچا چبا جائے گی۔ اس سے پہلے کے شرجیل اسے پکڑ کر گھر سے نکالتا وہ پیر پٹختی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

☆......☆☆......☆

"تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے، جو گونگی بن کر کھڑی رہتی ہو، دو ٹوک جواب دو تو دوبارہ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوگی تمہاری بے عزتی کرنے کی۔" ان کی تکرار میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی تبھی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب شرجیل اس کے سامنے کھڑا، اکھڑے پن سے بے تکے انداز میں گویا ہوا۔

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟" زمین کے نہ بولنے پر وہ جیسے زچ ہوا۔

"آپ کے اتنے تلخ رویے کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہے مجھ میں تو پھر باقی سب کی باتوں کو بھی کڑوا گھونٹ سمجھ کر صبر سے برداشت کر لیتی ہوں۔ اب چپ ہوں تو بھی آپ سے برداشت نہیں ہو رہا اگر جو میں بول پڑتی تو بھی آپ کو چبھتی۔" وہ خاصے اطمینان سے بول کر اسے لاجواب کر گئی۔

"میں اچھی بنوں یا بری آپ کو پسند تو ویسے بھی نہیں آنی، آخر کو مجھے زبردستی جو آپ پر مسلط کیا گیا ہے۔ دو بدو جواب دوں تو پھر ساری بات تربیت پر آئے گی، لوگ لعنت ملامت میرے ساتھ ساتھ میرے والدین پر بھی کریں گے۔" بولتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگ گیا جبکہ شرجیل سخت شرمندہ سا اس کے چہرے سے نظریں ہٹا گیا۔ اس کا سارا وجود جیسے ایک دم کسی انجانی تکلیف میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"یہاں آتے ہوئے اماں نے بھی باقی ماؤں کی طرح نصیحتوں کی پوٹلی ساتھ باندھتے یہ بات بھی کی تھی، زمین جتنے چاہے دکھ برداشت کرنے پڑیں کر لینا مگر میری تربیت پر حرف نہ آنے دینا۔ وہ ڈر گئی تھیں، پہلے منگنی ٹوٹی پھر شادی والے دن بارات نہ آئی اور اب ان کی بیٹی پر طلاق یافتہ کا لیبل نہ لگ جائے۔" وہ تلخی سے ہنس دی۔

"خیر...... آپ بے فکر رہیں میری وجہ سے آپ کو کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا شرجیل۔ آپ کو اپنی من پسند زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے پاس سے گزر کر باہر چلی گئی۔

جبکہ اس کی بڑے بڑوں کے سامنے فرائے سے چلتی زبان اس لمحے اس کی بیوی کے سامنے نہ چل سکی تھی۔ احساس زیاں کا اسے شدت سے احساس ہوا مگر دوسرے ہی پل اس نے گہرا سانس بھر کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس نے شکر ادا کیا اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہی لوگ ہی اچھے ہوتے ہیں جنہیں اپنی غلطی کا ادراک ہو اور وہ اپنی اس غلطی کو فوراً سدھار بھی لیں۔

اس نے خود سے عہد کیا وہ زمین کی جھولی خوشیوں سے بھر دے گا۔ اللہ پاک نے اسے نیک سیرت شریک حیات سے نوازا تھا۔ سجدہ شکر اس پہ واجب تھا۔

قسط نمبر سترہ

راحت وفا

پتھر بنا دیا مجھے رونے نہیں دیا
دامن بھی تیرے غم نے بھگونے نہیں دیا
دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
کوئی بھی درد اور سمونے نہیں دیا

اس کی ہنسی غیر معمولی تھی۔ جگنو کے لیے ایک نئی چاہت مدمقابل تھی۔ وہ حیران ہوا مگر پھر بڑی سرعت کے ساتھ اصل صورت حال بھانپ گیا۔ اس کے ہاتھ میں اپنا لفافہ دیکھ کر، جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔

''ہم سمجھ گئے۔'' وہ سنجیدگی سے بڑبڑایا۔

''کیا؟''

''یہ کہ تم بہت بڑے اداکار ہو، لاہور میں فلمیں بنتی ہیں، یہاں لوگ اداکاری کے لیے دور دور سے آتے ہیں تم نے میرا مطلب آپ نے فلم اسٹوڈیو کی جگہ میرے گھر کا انتخاب کرلیا۔'' وہ بڑی سادگی سے بولی۔

''مطلب......'' وہ بولا۔

''مطلب جاذب رحمان کو فلم اسٹوڈیو میں جانا چاہیے تھا۔''

''سچ کو اداکاری نہیں کہتے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کون سا سچ؟ جگنو بن کر مجھے بے وقوف بناتے رہے۔''

''ایسا ایک دن بھی نہیں کیا۔''

''کیا......نہیں کیا؟''

''مطلب! آپ کو بے وقوف بنانے کا تصور بھی نہیں کیا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا......! اسی لیے جگنو بن کر یہاں رہے۔''

''میں بنایا گیا تھا، مگر آپ کی بھلائی کے لیے۔''

''مجھے دھوکہ دینے میں میری بھلائی تھی۔'' اس نے طنزیہ کہا۔

''دھوکے میں آپ تھیں، اس سے نکالنے کے لیے بی بی نے مجھے یہاں بلایا تھا۔'' وہ بڑے ہی شائستہ لہجے میں بولا۔

''بی بی نے......'' اسے حیرت ہوئی۔

''جی...... بی بی نے، وہ آپ کے لیے پریشان تھیں، ابا کے مرنے پر آئیں تو یہاں آنے کا کہا۔'' اس نے کہا۔

''کہتے ہیں کہ جھوٹ فریب کا سینے پر بڑا بوجھ ہوتا ہے، آپ کو تو شاید ایک لمحے کو بھی بوجھ محسوس نہیں ہوا۔''

''یہ میں بتانا بھی چاہوں تو شاید بتا نہیں سکتا۔''

''چلو اب یہاں سے جا تو سکتے ہو ناں۔'' اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی فیلنگز بجا ہیں، مجھے اندازہ تھا کہ جس روز حقیقت کھلی گی آپ بہت خفا ہوں گی مگر......'' وہ رکا۔

''مگر......کیا؟'' وہ بولی۔

''مجھے یہ یقین تھا کہ اس وقت تک میں اپنی محبت کا احساس آپ کے دل میں پیدا کرلوں گا۔''

''وہاٹ......محبت......؟'' وہ چلائی۔

''آپ کو محبت کے سہارے کی ضرورت تھی اور ہے۔''

''جاذب......ابھی کے ابھی میرے گھر سے چلے جاؤ۔'' اسے شدید غصہ آ گیا۔

''گھر سے چلا جاتا ہوں، گھر کے باہر رہوں گا، یہ میں نے بی بی سے وعدہ کیا تھا۔'' اس نے نظریں ملاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

''کیوں......؟ کیوں میرے گھر کے باہر تماشہ لگانا ہے، چپ چاپ، چلے جاؤ۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''کیا سچ مچ مجھے بھیجنا چاہتی ہیں؟'' وہ روبرو آ کر محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ نظریں چرا

"ٹھیک کہہ رہی ہیں نور جہاں بیگم۔" کلیم مرزا نے جواب دیا۔
"ابا...... آپ میری اماں کو تنگ نہ کیا کریں۔ کتنا شاندار آملیٹ بنایا ہے میری اماں نے۔" تمثال نے خوشی سے کہا۔
"تم کہہ سکتے ہو میاں، آج کا دن تمہارا جو ہوا یا آملیٹ شاندار ہے تو کیا کہنے؟" کلیم مرزا نے دانستہ نور جہاں بیگم کو چھیڑا۔
"کلیم مرزا...... ساری عمر گزر گئی مگر تم میرے نہ ہوئے۔" وہ چڑ کر بولیں۔
"ارے اور کیسے تمہارا ہوتا؟"
"اوہو...... آپ دونوں کوئی موقع نہ چھوڑنا۔" تمثال نے جلدی جلدی چائے پینے کی کوشش کی۔
"آرام سے بیٹا...... گرم چائے ہے۔" نور جہاں بیگم نے کہا۔
"میاں صاحب زادے! گرم چائے ہے۔" نور جہاں بیگم نے کہا۔
"میاں صاحب زادے! اگر بہت جلدی نہیں ہے تو مجھے بینک اتارتے جاؤ۔ پنشن نکلوانی ہے۔"
"رہنے دیں ابا...... کیا میری تنخواہ کم پڑ رہی ہے؟"
"ارے چھوڑو ان کی پنشن ہے ہی کیا اونٹ کے منہ میں زیرہ۔" اماں جل کر بولیں۔
"اہا...... جمع ہونے دیں۔"
"یار...... میں چاہتا ہوں اب تم تنخواہ بینک میں رکھا کرو، ہم پنشن میں گزارہ کریں۔" ابا نے کہا تو اماں نے کچھ بے یقین نظروں سے دیکھا۔
"بھئی...... بیٹے کی شادی کرنی ہے، اچھے گھر بار کے لیے پیسے تو ہونے چاہئیں ناں۔" کلیم مرزا بولے۔
"میں چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔" تمثال نے کہا۔
"میں بھی چلتا ہوں۔"
"اوکے...... چلیں۔" تمثال یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

❀......❀......❀

فردوس آپا اور شکیب ناشتہ کر کے اسلام آباد کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ مریم ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ نشید ڈائننگ روم میں آیا۔ ابھی اس کے اٹھنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر مریم بولی۔
"ذرا دیر پہلے ہی اٹھ جاتے۔"
"کیوں؟"
"مہمانوں کے ساتھ ناشتہ کر لیتے، جاتے وقت مل لیتے۔"
"تم جگا دیتیں۔"
"خیر...... اتنی جلدی کیوں اٹھ گئے؟"
"اہم بزنس میٹنگ ہے جلدی آفس پہنچنا ہے۔ میرا ناشتہ بنوا دو۔"
"ماشاء اللہ...... بڑی بات ہے۔" مریم مسکرا کر بولی۔
"اب ایسی باتیں ہی ہوں گی۔"
"خاص وجہ اس تبدیلی کی۔"

"یار مریم! منزل کا تعین ہو جائے تو بہت کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔" وہ [illegible]
"ہنہ...... مطلب منزل کا تعین ہو گیا۔ خمار راضی ہو گئی۔" مریم نے ٹکڑا لگایا۔
"ایسا ہی سمجھو۔"
"اب بھی صرف سمجھوں۔"
"اسے سراب کے پیچھے بھاگنے دو مریم۔" پشت سے ذکیہ بیگم کی آواز آئی، وہ دفتر کے لیے تیار ہو کر آئی تھیں۔
"صبح بخیر ماما۔" نشید نے ان کو بازوؤں میں بھر کر کہا۔
"صبح بخیر...... جلدی ناشتہ کر کے آفس پہنچو۔" ذکیہ بیگم نے جواباً پیار سے کہا اور چلی گئیں۔
"مریم...... ماما کو یقین نہیں ہے کہ وہ سراب نہیں حقیقت ہے۔"
"انہیں یقین دلانے کی واضح نشانی کیا ہے؟"
"کہ خمار کے والد یہاں چل کر رشتہ دینے آئیں گے۔"
"ہاہا...... نشید تم بھی نا کمال کرتے ہو۔" مریم کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"میں نشید کمال ہوں، کمال ہی تو کرتا ہوں۔"
"مگر اتنا کمال اچھا نہیں......" ہنسی کے سبب آنکھوں میں آئی نمی انگلیوں کی پور سے صاف کرتے ہوئے بولی۔
"یہ نہ مذاق ہے، نہ کمال، بس محبت کا کرشمہ ہے۔"
"کون سی محبت؟ وہ جو تم سے کرتی نہیں۔"
"وہ محبت ایسے کرنے پر مجبور ہو جائے گی کہ محبت خود حیران رہ جائے گی۔" نشید کے لہجے میں کچھ سختی اور انداز میں بڑی گہری سنجیدگی تھی۔ مریم کو کچھ عجیب سا لگا۔
"تم کیا کرنے والے ہو؟"
"میں ناشتہ کر کے آفس جانا چاہتا ہوں، جلدی ناشتہ بنوا دیں۔" وہ اس کا سوال ٹال کر اپنے کمرے میں تیار ہونے چلا گیا اور وہ کندھا اچکا کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھی۔

❀......❀......❀

رات جگنو کی وجہ سے چاہت سخت مضطرب رہی تھی۔ نیند ٹھیک سے نہ آئی۔ بہت سا غصہ، اپنی سادگی پر افسوس و ملامت کرتی رہی۔ صبح نماز پڑھ کر لیٹی تو نیند آ گئی۔ دروازے پر دو تین مرتبہ دستک ہوئیں تو اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر وال کلاک پر نظر ڈالی تو سوا سات بجے تھے۔ ابھی تو بہت وقت باقی تھا آفس جانے میں۔
"آؤ...... یاسمین۔" اس نے آواز بلند کی، عموماً یاسمین صبح آتی تھی مگر پھر دستک ہوئی تو چاہت نے سوچا کہیں جگنو مطلب جاذب تو نہیں، وہ اٹھ کر سلیپنگ گاؤن پہن کر دروازہ کھول کر باہر آئی۔ دروازے کے وسط میں جاذب کھڑا تھا۔ وہی جاذب جو تصویروں میں تھا۔ معصوم بھولا بھالا جگنو نہیں تھا۔
"کیا بات ہے؟"
"بس آپ سے مل کر معافی مانگنی تھی اور بتانا تھا کہ میں جا رہا ہوں، محبت کی آرزو میں نفرت کا سامنا نہیں کر سکتا، چلے جانا ہی بہتر ہے۔" وہ بہت بدلے ہوئے سنجیدہ لب و لہجے میں بولا۔
"بی بی...... بی بی۔" اس لمحے یاسمین تقریباً بھاگتی ہوئی آئی اور اپنے قدموں پر جم سی گئی۔

کیا ہوا؟" چاہت نے پوچھا۔
"جی...... یہ جگنو بھیا کا بتانے آئی تھی کہ......" وہ ہکلائی۔
"جا رہے ہیں...... تو؟" وہ طنزیہ بولی۔
"پر کیوں؟ ہم اکیلے ہو رہے ہیں۔" یاسمین کی پریشانی حد درجہ بڑھی ہوئی تھی۔
"کوئی اکیلا رہنا پسند کرتا ہے یاسمین بہن۔" جاذب نے کہا تو یاسمین اس کے لب و لہجے پر ٹھٹکی۔
"کوئی دھوکے باز ہمارے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔" چاہت نے خاصی برہمی سے جواب دیا۔
"دھوکے باز نہ کہنا، کوئی دھوکہ نہیں دیا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"یاسمین تم جا کر ناشتہ بناؤ۔" اس نے کہا تو وہ چلی گئی۔
"بڑی بی بی کے حکم پر یہاں آیا تھا، ان کے حکم پر اس گھر کا نوکر بنا، آپ سے بے لوث اخلاص برتا اور خیر خواہی کی۔ نہ چھوڑ کر جانے کا وعدہ کیا تھا مگر آپ کہہ رہی ہیں تو جا رہا ہوں۔"
"جھوٹ سے بہروپ بھرا رکھا اسے اخلاص کہتے ہیں، خیر خواہی کہتے ہیں، معمولی سے نوکر بن کر مجھے شرمندہ کیا۔ مجھ سے سچ بولا ہوتا کوئی اور کام دے دیتی، اب مجھے پتا چل گیا تو میرے خیر خواہ بن گئے۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔" وہ بولی۔
"اور وہ جھوٹ جو محبت کے نام پر سیٹھ صاحب بولتے رہے۔"
"شٹ اپ...... تم کون ہوتے یہ جتلانے والے؟"
"او کے...... اللہ حافظ، یہ میرا فون نمبر اور پتا ہے اگر کبھی بھی میری ضرورت پڑے تو پکار لیجیے گا۔ میں نے اسی شہر میں کرائے کا کمرہ لے لیا ہے۔" جاذب نے ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا، اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پکڑ لیا۔
"رکو......" وہ کہہ کر کمرے کے اندر گئی اور کچھ ہی دیر میں کچھ کیش اور ایک چیک لیے آئی۔
"یہ لو۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔"
"رکھ لو، تمہاری محنت کے پیسے ہیں۔"
"جمع رکھیں، ابھی یہ بقول آپ کے دھوکے کے پیسے ہیں، جس روز یہ دل سے مانیں گی کہ خیر خواہی اور محبت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی تو ان پیسوں کو کہیں اور خرچ کر لیجیے گا۔ اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔ وہ خاموش نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ پیسے اور چیک اس کے ہاتھ میں ہی رہ گئے تھے۔

اس کا خیال تھا کہ کمرہ گرد و غبار سے اٹا ہوگا۔ جالے لٹک رہے ہوں گے، چھپکلیوں کا بسیرا ہوگا مگر جونہی چابی گھما کر تالا کھولا، دروازہ اندر کی طرف دھکیلا تو حیرت و انبساط کی انتہا ہوئی۔ صاف ستھرا، آئینے کی مانند صاف کمرہ تھا۔ سنگل بیڈ پر خوب صورت نیلگوں چادر بچھی تھی، اس کے ہم رنگ دو تکیے ایک دوسرے کے پہلو میں رکھے تھے۔ سڑک کی طرف کھلنے والی اکلوتی کھڑکی پر نئے پردے کی موجودگی، رائٹنگ ٹیبل پر چیک دار کور بچھا تھا۔ اس نے راتوں رات فیس بک کے ذریعے یہ سات ہزار روپے ماہانہ پر کمرہ حاصل کیا تھا۔ کسی بھی ضمانت اور ایڈوانس کے بغیر، پتے کے ساتھ ایک فون نمبر تھا جس پر بات کی تھی۔ وہ محکمہ ڈاک سے ریٹائر پوسٹ آفیسر جلال احمد کا نمبر

تھا۔ اپنی پنشن کے علاوہ گزر اوقات کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں تھا۔ انہوں نے اوپر کا یہ کمرہ جس کے ساتھ اٹیچ باتھ روم تھا اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر دینے کی ہامی بھر لی تھی۔ کمرے کے اندر داخل ہو کر اس نے بیگ رکھا، لائٹ آن کی تو کمرہ روشن ہو گیا۔ اسے اس دم وہ کمرہ یاد آ گیا جہاں وہ اپنے دل کی مرضی اور خوشی سے مقیم تھا۔ وہ اداس اور غم زدہ سا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ جیب سے اپنا موبائل فون نکال کر دیکھا۔ حسرت تھی کہ شاید چاہت کی مس بیل ہو یا کوئی میسج لیکن فون اسکرین خالی تھی، اس نے طویل سرد آہ بھر کر فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ چونکا۔
"یس۔"
"خوش آمدید۔" ساٹھ سالہ جلال احمد مسکرا کر اندر آتے ہوئے بولے۔
"شکریہ۔" جاذب نے خوش دلی سے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔
"کمرہ پسند آیا آپ کو؟"
"جی...... جی، بہت شکریہ۔"
"جاذب میاں، میری نواسی نے بڑی محنت سے کمرہ صاف کیا بلکہ یوں کہیے کہ یہ اپنا کمرہ آپ کے لیے خالی کیا ہے۔" جلال احمد روانی میں کہہ گئے۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔
"کس بات کا؟" انہوں نے پوچھا۔
"میرے لیے کمرہ خالی کیا، میرے لیے کیوں؟ میری وجہ سے انہیں اپنا کمرہ دینا پڑا؟" وہ کچھ شرمندگی سے بولا۔
"ارے نہیں...... نہیں، میرا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کمرے میں شوق سے رہتی تھی، نیچے ہمارے پاس تین کمرے ہیں بلکہ وہ یہاں اوپر رہتی تھی تو مجھے فکر لگی رہتی تھی۔" جلال صاحب نے بتایا۔
"اچھا...... اچھا۔" جاذب کو تسلی ہوئی۔
"نوکری......" جلال صاحب نے ادھورا جملہ چھوڑا۔
"جی...... میں نے ایک کمپنی میں سی وی دی ہے، وہ کل بتائیں گے۔"
"چلو...... کوئی بات نہیں نوکری ہو جائے گی، آرام کرو، میں چائے بنواتا ہوں۔" جلال صاحب نے کہا۔
"کسی تکلف کی ضرورت نہیں، میں کل سامان لے آؤں گا۔"
"ہاں...... یہ دائیں طرف برآمدے میں چھوٹا فریج رکھا ہے، چولہا بھی لگا ہوا ہے۔" جلال صاحب نے ایک طرف اشارہ کیا۔
"یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔"
"لیکن آج کی چائے ہمارے ساتھ پیو بلکہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا تو ناشتہ کریں میرے ساتھ۔"
"وہ...... میرا مطلب۔"
"وہ...... میرا مطلب......"
"میری نواسی کی فکر نہ کرو، وہ اس وقت پڑھائی کرتی ہے، اس کے بی اے کے امتحان ہونے والے ہیں۔"
"چلیے ٹھیک ہے، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

"اچھاؤ...... میں خزینہ سے منگواتا ہوں۔" جلال صاحب کہہ کر چلے گئے۔
وہ کمرے میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ چاہت کی یاد نے حد درجہ اداس کر دیا۔ منہ لپیٹ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ بھول گیا کہ جلال صاحب اسے چائے کے لیے کہہ کر گئے ہیں اور اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔

❁......❁......❁

گھنٹے بھر سے یاسمین چاہت کا کمرے سے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ جانے کیوں باہر نہیں آ رہی تھی۔ جگنو کے جانے کے بعد آج عجیب سا ماحول تھا۔ خاموش، اداس صبح، ناشتہ اس نے بنا لیا تھا۔ چائے ابھی نہیں بنائی تھی۔ ناشتہ تقریباً ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ مجبوراً اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر گئی۔ وہ بوتیک کے لیے تیار تھی مگر کسی سوچ میں ڈوبی صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔
"بی بی......"
"ہنہ......"
"وہ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے، یہیں لے آؤں۔"
"نہیں تم اور جگنو کر لو۔" بے دھیانی میں وہ بول گئی۔
"جگنو بھیا تو چلے گئے۔"
"تو......" اس نے پوچھا۔
"آپ نے ابھی کہا کہ......"
"غلطی سے کہہ دیا۔"
"بی بی...... سب برا سا لگ رہا ہے۔"
"کیا برا سا؟"
"جگنو بھیا اچھے ہیں، وہ کہاں جائیں گے؟ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے ان کا۔" یاسمین بہت دکھی سی ہو کر بولی۔
"اچھے لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔"
"کچھ نہیں جاؤ چائے لے کر آؤ۔"
"اور ناشتہ بھی۔"
"نہیں...... طلب نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔
"بی بی...... ایسے نہ کریں۔" یاسمین نے کہا۔
"کیا مطلب ہے؟"
"جگنو بھیا مجھ سے وعدہ لے کر گئے ہیں کہ میں آپ کا خیال رکھوں۔" یاسمین کا لہجہ بھیگ گیا۔
"اچھا تم سے وعدہ لے گیا، عجیب ڈراما۔" وہ طنزیہ ہنسی۔
"بی بی...... بہت اچھے ہیں جگنو بھیا، مجھے ایک صفحے پر سب چیزیں لکھ کر دے گئے ہیں تاکہ بعد میں، میں تنگ نہ ہوں۔"
"کون سی چیزیں؟"
"آپ کی پسند ناپسند اور گھر میں کون سی چیز کہاں رکھی ہے؟"

"وہ یکسر ٹال گئی۔
"چائے لاؤ...... انہیں معاف کر کے بلا لیں۔"
"بی بی...... وہ ملازم بن کر اب نہیں رہ سکتا۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔
"کیا مطلب......؟"
"جاؤ...... سر نہ کھاؤ۔"
"جی اچھا۔" وہ کہہ کر چلی گئی اور وہ یاسمین کی باتوں پر غور کرنے لگی۔ سر پھٹ رہا تھا، رات کی اذیت میں اس کے جانے سے بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ یاسمین کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اتنا بے ضرر بھی نہیں کہ احساس کو چھوئے نہ، اس کی آواز کی اتنی سی دیر میں محسوس ہونے لگی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ گیا تھا اور کیا کچھ کہہ گیا تھا۔
"ہنہ...... میں کیوں اس کے لیے سوچ سوچ کر پریشان ہوں۔" اس نے ذہن جھٹک کر خود کو مطمئن کیا مگر یہ اس کی اپنی سی کوشش تھی جو اس نے کی تھی۔ بڑی احتیاط سے اس نے اس کے فون نمبر والی پرچی سنبھال کر اپنے پرس میں رکھ لی تھی۔

❁......❁......❁

آج کے دن کے بارے میں اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ چاہت کے گھر سے نکل کر یہاں نئے دن کا آغاز کرے گیا۔ وہ جلال صاحب کے ہمراہ ان کے سادہ سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ سفید پوش ریٹائر آدمی کی مالی حالت کا منہ بولتا ثبوت۔ چھوٹا سا عام سا ٹی وی لاؤنج۔ اس نے اچھی طرح جائزہ لیا۔ جلال صاحب بولے۔
"میاں...... حق حلال کی نوکری میں بس اتنا ہی انتظام کر سکا۔"
"ماشاءاللہ...... بہت قابل تعریف ہے، جلال کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔"
"میری گھر والی جنتی اس بات پر کڑھتی جلتی دنیا سے رخصت ہو گئی۔" وہ افسردگی سے بولے۔
"اوہ......! افسوس ہوا۔"
"بس اللہ کی مرضی...... آپ بیٹھو میں خزینہ سے ناشتے کا پتا کروں۔" وہ اٹھ کر باہر گئے۔
"جی شیور۔" اس نے کہا کچھ دیر بعد وہ ٹرے اٹھائے آ گئے۔ ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو بڑی شدید تھی۔ گرم خستہ پراٹھے، گرم گرم پھولا پھولا سا آملیٹ، فرائی انڈے اور بریڈ سلائسز اسے ایک دم ہی چاہت کا ناشتہ یاد آ گیا۔
"پتا نہیں کیا کھایا ہوگا؟ کھایا بھی ہوگا کہ نہیں۔"
"جاذب میاں...... کہاں کھو گئے بسم اللہ کرو۔" جلال صاحب نے کہا تو وہ چونکا۔
"جی...... شکریہ۔" اس نے جلدی سے پلیٹ میں آملیٹ نکالا اور پراٹھے کا نوالہ توڑا۔
"خزینہ چائے لا رہی ہے۔" جلال صاحب نے بھی نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا اور اسی اثنا میں بادِ صبا کے جھونکے کی مانند خزینہ ٹرے میں تین کپ چائے لیے آ گئی۔ سادہ سی سفید آنکھوں کے ساتھ، حسین سی مسکراہٹ کے ساتھ۔
"السلام علیکم!" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"وعلیکم السلام!" اس نے جواب دیا۔
"میں اچھا نہیں پکاتی، بس گزارہ ہو جاتا ہے۔" خزینہ نے اپنی پلیٹ میں فرائی انڈا رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھا آملیٹ بنایا ہے آپ نے۔'' جاذب کو تعریف کرنی پڑی۔
''جاذب میاں...... خزینہ میری کل کائنات ہے، یہ نہ ہوتی تو شاید میں مر چکا ہوتا۔'' جلال صاحب نے اعتراف کیا۔
''اللہ ایسے ہی رشتوں میں محبتیں چھپا کر رکھتا ہے۔'' اس نے چاہت کے خیال کو ذہن میں لاتے ہوئے کافی سنجیدگی سے کہا۔
''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ یہاں کے رہنے والے ہیں یا کہیں دور سے آئے ہیں اور آپ کی فیملی وغیرہ۔'' جلال صاحب نے پوچھا۔
''جی...... میں بس یہاں کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' وہ کچھ ہکلا کر بولا۔
''ہاں...... کل ایک جگہ انٹرویو ہے۔'' خزینہ نے سلائس اور ابلے ہوئے انڈے اس کی طرف بڑھائے۔
''نہیں...... شکریہ، میں یہ پسند نہیں کروں گا۔'' اس نے جواب دیا۔
''اتنا برا آملیٹ اور پراٹھا ہے کیا؟'' خزینہ چہکی۔
''ارے نہیں...... خزینہ بی بی۔''
''بی بی......'' وہ کھلکھلائی۔
''معذرت اگر برا لگا۔''
''مزے کا لگا ہے بی بی۔'' وہ پھر ہنسی۔
''خزینہ...... بس کرو۔'' جلال صاحب نے تنبیہ کی۔ جاذب شرمندہ سا ہوگیا۔ اسے تو اپنی چاہت بی بی یاد آ گئی۔ دل میں طوفان بپا تو اجازت طلب کرکے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔
''بری بات آئندہ سنبھل کر بولنا۔'' جلال صاحب کو لگا کہ جاذب کو اچھا نہیں لگا۔ خزینہ منہ بنا کر چپ ہوگئی۔

❀......❀......❀

چائے کا کپ سامنے رکھتے ہوئے تاج دین بابا نے ظہیر ہمایوں صاحب کی طرف دیکھا، وہ مضمحل سے تھے۔ ان کے چہرے پر صرف فکر کی پرچھائیاں تھیں۔
''آج دکھ کی، فکر کی گنجائش نہ ہوتی اگر شریک ہم سفر ہوتا تو تنہا لڑنے سے بہتر تھا کہ مل کر مقابلہ کرتے۔''
''تاج دین جس چیز سے بچنے کے لیے میں سب کچھ چھپایا، چاہت نے وہ سب عام کردیا، وہ انتقام لے گی یہ میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ مطلب وہی نکلا کہ مشروط تھی اس کی محبت۔'' وہ بولے۔
''میاں صاحب، غلط نہ سوچیں، ان کی محبت پر شک بھی نہ کریں، وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتیں، پہلے بھی آپ کو خوف تھا اب بھی آپ ہی خوف زدہ ہیں۔'' تاج دین بابا نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔
''میں ٹھیک خوف زدہ تھا، کل کا لڑکا مجھے بلیک میل کر رہا ہے، چاہت نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ کچھ غم و غصے کے ساتھ بولے۔
''میں بات کروں بی بی سے۔''
''نہیں۔''
''پھر کیسے مسئلہ حل ہوگا؟''
''اس کی بات مان کے۔''

''کیا مطلب......؟''
''آپ چھوڑو......''
''آفس بھی نہیں جانا کیا؟''
''بس ہمت نہیں ہو رہی۔''
''خمار بیٹا تو گئیں۔''
''اور بہار کہاں ہے؟''
''وہ یونیورسٹی گئی ہیں۔''
''یونیورسٹی اب کیا کام تھا؟''
''کوئی کام ہوگا۔''
''تاج دین کیا کام؟''
''ہر بات کو سر پہ طاری نہیں کرتے، ڈرائیور ساتھ ہے۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ چائے کی آخری گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔
''آپ آرام کریں، میں کام سے باہر جا رہا ہوں۔'' تاج دین بابا نے بتایا۔
''ٹھیک ہے۔'' وہ بستر پر دراز ہوگئے۔ تاج دین بابا چلے گئے تو انہوں نے نشید کے متعلق سوچا، وہ کیسے ان کے اعصاب پر طاری ہوگیا تھا۔
''ظہیر ہمایوں تمہیں سرینڈر کرنا پڑے گا شاید، وہ باز آنے والا نہیں، تمہارا خفیہ رکھا ہوا راز اس کے ہاتھ لگ گیا ہے، جس کے عام ہونے سے تم کہیں کے نہیں رہو گے۔ جانے چاہت نے اسے کیا کیا بتایا ہو میرے اور اپنے وجود کے سب مراسم، قربت کے لمحوں کو بھی کہیں بے پردہ نہ کردیا ہو۔ کاش ظہیر ہمایوں تم نے محبت کے چکر میں خود کو ڈالا ہی نہ ہوتا، کیوں ذرا سی محبت میں خود کو اس طرح الجھایا کہ آج دنیا کے خوف سے کمرے میں بند ہو، کیسے اس کا سامنا کرو گے اگر وہ کھل کر سامنے آ گیا۔'' یہ سوچ کر انہیں جھرجھری سی آ گئی۔
''ظہیر ہمایوں تمہیں شکست تسلیم کرنی ہے، اس کی ضد کے سامنے ہتھیار پھینکنے ہوں گے، تمہیں خمار کو منانا ہوگا۔'' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں سوچا اور اضطراب میں کچھ سکون پایا۔

❀......❀......❀

سب اہم کام نبٹانے کے بعد جو فرصت میسر آئی تو فون کی اسکرین پر ایک میسج نمودار ہوا۔ اس نے دل میں چھپی خواہش کے ساتھ فون کی اسکرین پر نظریں جماتے ہوئے میسج پڑھا۔
''نفیس لوگ خوشبو کی طرح ہوتے ہیں جو ہمارے پاس نہ ہوتے ہوئے بھی ہر وقت ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ آپ کو ہر مشکل اور آزمائش سے محفوظ رکھے آپ کو دنیا و آخرت میں خیر و عافیت نصیب ہو، آمین۔'' اس نے میسج کی لفاظی سے اندازہ لگالیا کہ یہ جاذب کا میسج ہے ورنہ اس نے کہیں اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ اس نے بار بار میسج پڑھا وہ جیسے روبرو آ کھڑا ہوا تھا اور وہ اس سے گویا نظریں چرانے لگی۔ اسے ایک دم ہی اس کی معصوم صورت بطور جگنو یاد آ گئی۔
''سچ کہتی ہے یاسمین وہ یہاں سے گیا ہے یا ہمیں ساتھ لے گیا ہے۔'' اسے وہ شدت سے یاد آیا۔
''یا اللہ یہ شخص کیوں مجھے محسوس ہو رہا ہے، میری خیر خواہی کیوں چاہتا ہے؟'' اس نے فون رکھ کر آنکھیں موند

کر سوچا، تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔
"آ جائیے۔" اس نے کہا اور آنکھیں کھول کر دیکھا اور ٹھٹکی۔ شمسو مالی چاچا اس کے سامنے کھڑے تھے۔
"آپ...... خیریت، آئیں۔"
"سلام بی بی صاحبہ۔"
"وعلیکم السلام!"
"میں یہاں آیا...... معاف کرنا۔"
"ارے نہیں، کوئی بات نہیں، آئیں بیٹھیں۔"
"آپ نے میرا یار، میرا دوست نکال دیا، کیوں پتر؟" شمسو مالی بڑا سنبھل سنبھل کر بولے۔
"میں نے نہیں نکالا۔" وہ بولی۔
"فیر او کیوں چلا گیا؟"
"چھوڑ دیں اس بحث کو۔"
"پتر...... او سچا موتی اے، آپ کے گھر کا وفادار، اونوں تسی سچے اے جیں۔" شمسو چاچا کا لہجہ بھیگ گیا۔
"شمسو چاچا...... نہ میں نے اسے بلایا تھا اور نہ بھیجا ہے، وہ کیا تھا آپ نہیں جانتے؟" چاہت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔
"کوئی وجہ تے ہوے گی۔"
"وجہ بڑی ہے چاچا، آپ کو کیا بتاؤں؟" وہ بولی۔
"مینوں دسو، کیہڑی وجہ اے، ایڈا سوہنا بندہ بھیج چھڈیا۔" شمسو چاچا حد درجہ جذباتی اور دکھی تھے۔ تڑپ رہے تھے۔
"جھوٹ کیسی چیز ہے؟"
"جگنو پتر دا جھوٹ نال کی تعلق۔"
"یہی تو بات ہے، آپ کو یہ یقین ہی نہیں کہ جیسے آپ جگنو کہہ رہے ہیں، وہ جگنو نہیں۔" اسے کہنا پڑا۔
"تو وہ کیا ہے پتر؟"
"ایک جھوٹ، ایک فریب۔"
"وہ ہیرا ہے، وہ سچا موتی اے، اس کو نوکر نہ سمجھ پتر وہ اس گھر کا نگہبان ہے۔" شمسو چاچا نے کہا۔
"آپ چائے پئیں گے۔" وہ بات ٹال گئی۔
"نہ...... نہ میں چائے پین نئی آیا، اپنے دوست بیلی دے غم اچ آیا واں۔" شمسو چاچا رو دیے۔
"اوہو، روئیں تو نہیں، وہ مرضی سے گیا ہے، اس کی حقیقت آپ کو نہیں معلوم۔" وہ پریشان ہوئی ان کی کیفیت دیکھ کر۔
"اونو بلا لے پتر اور اکھا ہے او دی محبت ڈونگی اے، اوں نو سد لے پتر۔" وہ کہہ کر آنسو اپنے کندھے پر پڑے رومال سے صاف کرنے لگے۔
"وہ جگنو نہیں تھا چاچا۔"
"وہ بہت بھلا چاہن والا اے، اسے بلا لے میرا بچہ، اس کی اکھیں میں دیکھی آں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے

ہوئے، وہ پریشانی میں خود بھی کھڑی ہوگئی۔
"آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے کہا اور وہ جاتے ہوئے پلٹے۔
"وہ چلا گیا تو نقصان ہوجائے گا۔" وہ کہہ کر آفس سے نکل گئے۔ وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ چند منٹ ان کے سب الفاظ کی قید میں بے بسی سے کھڑی رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

کتنے عرصے کی دوری اور جدائی کے بعد وہ دونوں اسی کافی ہاؤس کے ایک پرسکون حصے میں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے تھے جہاں ہمیشہ اسی طرح روبرو بیٹھا کرتے تھے، دونوں کے چہروں پر خوشی کی تمتماہٹ تھی۔ البتہ بہار کی آنکھوں میں شدت کا طوفان ایسا لگتا تھا کہ لب خاموش رہیں گے اور آنکھوں کا سیلاب سب بہا لے جائے گا۔
"اب رونا نہیں۔" تمثال نے بہت آہستہ مگر شدید محبت سے کہا۔ اس نے یہ سن کر اور بھی الٹ کیا ہر بند توڑ دیا۔ سیلاب حسین آنکھوں کے کناروں سے گزر کر رخسار بھگونے لگا۔
"پلیز بہار میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک ہاتھ تھام لیا۔
"کیوں کیا تم نے میرے ساتھ یہ سب؟" وہ روتے ہوئے بولی۔
"میں نے جو کیا وہ ردعمل تھا۔"
"چاہے میں مر جاتی، میرا قصور بھی نہیں تھا۔" وہ سسکی لے کر بولی۔
"اوئے قصور تو قصور والوں کا ہے، بلھے شاہ اور میڈم نور جہاں کا ہے۔" اس نے شرارت کی تو وہ روتے ہوئے ہنس دی۔
"یہ ہوئی ناں بات، اب پچھلی شکایتیں نہیں چلیں گی۔" وہ بولا۔
"تمہیں لگتا تھا کہ میں ایسی ہوں جو مجھے اتنی تکلیف دی۔" اس نے پوچھا۔
"ایک منٹ میں آرڈر کردوں پھر جواب دیتا ہوں۔" اس نے اشارے سے مینیجر کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آرڈر لینے کے لیے متعلقہ جوان ان کی طرف بھیج دیا۔ اس نے کافی کے ساتھ سینڈوچز اور چیز ڈونٹس کا آڈر دیا۔
"ہاں...... اب بولو کیا کہنا ہے؟"
"ناراض بلاوجہ نہیں ہوتے، کسی کو صفائی کا موقع دیتے ہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔
"بلاوجہ ناراض نہیں تھا۔"
"میں نے کیا، کیا تھا؟"
"مجھے تم سے پہلے تم سے زیادہ اماں ابا عزیز اور پیارے ہیں یہ بات کبھی نہ بھولنا۔ وہ بے عزت ہو کر آئے تو میں کیسے برداشت کرتا اور پھر وہ منگنی وہ بھی تو تم کر رہی تھیں۔" وہ بولا۔
"مگر مجھے تو علم ہی نہیں تھا، میں نے تو خود بلوایا تھا ناں ان کو۔"
"اور منگنی وہ بھی تو خود کر رہی تھیں۔"
"نہیں...... وہ بھی مجبوراً خمار کے سمجھانے پر کر رہی تھی۔" اس نے کہا۔
"چلو خیر...... اب پچھلی باتیں جانے دو۔"

اس نے مجھے معاف کر دیا۔"

"ہنہ...... سالی آدھی گھر والی کے کہنے پر۔" وہ مسکرایا۔ اسی اثنا میں ویٹر آرڈر لے آیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ سب ٹھیک کر دے گی۔"

"تو کر دیا ناں سب ٹھیک۔"

"اب مجھے کبھی تنہا نہ کرنا۔" وہ بولی۔

"ابھی تمہارے بابا سے پنجہ آزمائی باقی ہے۔"

"بابا تو......" وہ رکی۔

"کبھی نہیں مانیں گے مجھے معلوم ہے۔"

"پھر ہم کیا کریں گے؟"

"کچھ تو کریں گے بس تم اب ویسا بالکل نہ کرنا جیسا پہلے کیا تھا؟" وہ بولا۔

"میں آپ کے اماں ابا سے معافی مانگ لوں گی۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" وہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔

"یہ الگ بات ہے کہ اماں میری شادی اپنی مرضی سے کرنے پر بضد ہیں۔" اس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چلائی۔

"شش...... آہستہ، مطلب یہ کہ پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔" اس نے چھیڑا۔

"ایسا ہوا تو میں مر جاؤں گی۔"

"چلو مرنے نہیں دیں گے تمہیں، تم سے بھی شادی کر لیں گے۔" تمثال نے بڑے شان سے کہا تو وہ اور زیادہ پریشان ہوگئی۔

"کیا......؟"

"ہاں ناں۔"

"آئی کل یو۔" وہ چلائی۔

"او...... او کے، او کے پلیز۔" تمثال نے جلدی سے کنٹرول کیا۔

"بھول کر بھی نہ سوچنا۔"

"چلو نہیں سوچتے، دیر ہوگئی چلیں۔"

"ہنہ...... ڈرائیور یونیورسٹی کی پارکنگ میں کھڑا انتظار کر رہا ہوگا، اس کی نظر بچا کر نکلی تھی۔"

"چلو پھر جلدی سے، مجھے بھی آفس پہنچنا ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❁...... ❁...... ❁

چاہت کے ساتھ اس گھر میں گزری یادوں کے ساتھ وہ سو گیا تھا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔ جلدی سے بستر سے اٹھا اور جھٹ سے دروازہ کھولا...... یا۔ دروازہ اتنی طاقت سے کھولا تھا کہ خزینہ کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں رکھے برتن [illegible] گھما اٹھے

"او...... سوری۔"

"بس ذرا سی بچت ہوگئی جو یہ برتن شہید ہوتے ہوتے رہ گئے اور نانا سے یہ سننے سے بھی بچت ہوگئی کہ تمہارے ہاتھوں میں تو کانٹے ہیں یا پھر سوراخ۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر ٹرے میز پر رکھتے ہوئے تیز بولنے کا ریکارڈ قائم کیا۔

"یہ تکلف نہیں چلے گا، مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔" وہ ہکلایا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ لیکن یہ ایک روایت ہے کہ ڈرامے دار لڑکے کے لیے ہر فلم اور ہر ڈرامے میں لڑکی کھانے کی ٹرے کے بہانے داخل ہوتی ہے۔" وہ خود ہی ہاتھ نچا کر باقاعدہ اداکاری کے ساتھ بولی۔ جاذب کو بھی ہنسی آ گئی۔

"آپ کھانا چکھ کر آئیں، میں جاتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ کھانا؟" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"کیا ہوا کھانے کو، بس مجھے مسالوں کا اندازہ نہیں ہوتا ذرا سی مرچ زیادہ ہوگئی، آپ ہوٹل کا کھانا سمجھ کر کھا لیں۔"

"ہوٹل کا......"

"ہاں نانا نے یہی کہا ہے کہ خزینہ تم نے آلو گوشت کو ہوٹل کا بنا دیا۔" وہ کہہ کر ہنسنے لگی۔

"میں کھاؤں گا مگر اب مزید تکلیف نہیں کرنا پلیز۔" وہ بولا۔

"بھئی مجھے تو ویسے بھی بڑے ہی چٹ پٹے کھانے پسند ہیں۔"

"آپ جا رہی تھیں شاید۔"

"ہاں اور نانا نے کہا ہے کہ شام کی چائے نیچے آ کر پیٹا اور ایک بات اور ہے۔" وہ بولتے ہوئے رکی۔

"وہ کیا؟"

"چائے آ کر بنانی بھی خود ہے، مجھے اپنے امتحان کی تیاری کرنی ہوتی ہے، کچن کا رستہ میں بتا دوں گی۔" وہ کہہ کر بجلی کی سی تیزی سے چلی گئی۔ جاذب کو اس کی لاپروائی اور سادگی پر ہنسی آ گئی۔ نازک اندام کانچ سی خزینہ غیر معمولی شوخ شنگ سی فطرت کی مالک تھی۔ اس کی عمر معصوم شرارتوں والی ہی تھی۔ اس نے ہاتھ دھوئے اور کھانا شروع کیا۔ پہلا نوالہ منہ میں رکھا تو سی سی کرتا رہ گیا۔

"اُف...... اتنی مرچیں۔" کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ "سچ کہہ رہی تھی کہ بہت ہی چٹ پٹا کھاتی ہے۔" اس نے اٹھ کر پانی کا گلاس بھر کر پیا تو کچھ سکون ملا۔ یادوں کے جھروکوں سے چاہت اور وہاں کا کچن در آئے۔

"جگنو کتنا کم مرچ مسالا استعمال کرتے ہو واہ۔" پہلے ہفتے میں چاہت نے کھانے کی تعریف کی تھی۔

"ہمارے ذائقے کے عین مطابق پکاتا ہے۔" بی بی نے بھی تعریف کی تھی۔

حالانکہ بی بی نے سب مسالوں کے پیمانے اسے بتا دیے تھے۔ چاہت سے چھپ کر وہ کچن میں آ کر سمجھا بھی دیتی تھیں۔ وہ بیڈ پہ آ کر اپلی سی ڈی کی ٹوٹی ہوئی تار جوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اکیلے پڑے پڑے جی اداس ہو رہا تھا، دل چاہ رہا تھا کہ چاہت کی آواز سنے، اس سے بات کرے۔ یا وہ یاد کر لے جب سے آیا تھا یہی کام کر رہا تھا، بار بار فون چیک کر رہا تھا مگر خاموشی ہی خاموشی تھی...... دل بہت بے قرار تھا۔ بے اختیار ہو کر اپنے اندر سے جگنو کو آواز دی تو وہ گنگنانے لگا۔

''ہمیں تم سے پیار تھا۔
ہمیں تم سے پیار ہے، اللہ قسم، اللہ قسم
ہمیں اعتبار تھا، ہمیں اعتبار ہے اللہ قسم۔'' گنگناتے ہوئے کام مکمل ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

ظہیر ہمایوں صاحب پوری طرح ذہنی طور پر تیار تھے کہ خمار آئے گی تو اس سے ہر صورت بات کرنی ہے لیکن یہ تاثر دیے بغیر کہ وہ اس الجھن میں گھر پر تھے یا کسی دباؤ میں تھے۔ کسی وجہ سے کمزور پڑے ہیں یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے فریش ہو کر نئے سائٹ آفس کے لیے نکل گئے۔ وہاں کافی کام تھا۔ کئی ہفتوں سے وہ جا نہیں پائے تھے۔ اب جو گئے تو کام نمٹانے میں وقت کا پتا نہیں چلا۔ جب گھڑی پر نظر ڈالی تو چھ بجے شام کے سات بج رہے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی لگائی تو سیدھے گھر پہنچے۔ خمار، بہار کے ساتھ خوشگوار موڈ میں ملی۔
''بابا...... آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی پھر کہاں چلے گئے تھے۔'' خمار نے شکوہ کیا۔
''سائٹ آفس، نئے سائٹ آفس بہت سے بکھیڑے پڑے تھے۔'' وہ اطمینان سے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ وہ دونوں بھی ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔
''لیکن ابھی آرام کرنا تھا، ڈاکٹر نے ایڈوائس کیا تھا۔'' خمار نے یاد دلایا۔
''کچھ نہیں ہوتا میرا بچہ، بہار یونیورسٹی کا کام ہو گیا؟'' انہوں نے خمار کی بات کا جواب دیا اور ساتھ ہی بہار سے سوال کیا۔
''کھانے کا کیا پروگرام ہے، بہت بھوک لگی ہے۔'' ظہیر ہمایوں صاحب نے پوچھا۔
''ہاں...... بالکل ریڈی ہے میں دیکھتی ہوں۔'' خمار خوش ہو گئی کافی دنوں بعد ظہیر ہمایوں صاحب نے کھانے کا اس طرح تذکرہ کیا تھا۔
''کھانا لگواؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' ظہیر ہمایوں صاحب اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔
عنایت بی بی نے جلدی جلدی گرما گرم کھانا میز پر لگوا دیا تھا۔ خمار نے فریزر سے کباب اور تکے بھی نکال کر تیزی سے گرم کر کے رکھوائے۔ وہ بہت خوش تھی کہ بابا پرانی روش پر آ رہے ہیں۔
کھانے کی میز پر ظہیر ہمایوں صاحب ہنستے مسکراتے رہے۔ سیر ہو کر کھانا کھایا ان دونوں کو زبردستی زیادہ کھلایا۔ تاج دین بابا نے آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔
''شکر ہے میرے اللہ کا کہ میاں صاحب کھانے کی میز پر کتنے عرصے بعد رونق آئی ہے۔''
''اب رونق ہی ہوا کرے گی۔'' ظہیر ہمایوں صاحب نے کہا۔
''بابا...... چائے یا قہوہ۔'' خمار نے کھانے کے اختتام پر پوچھا۔
''قہوہ، خمار آپ اپنا اور میرے لیے لے کر میرے کمرے میں ہی آ جاؤ، مجھے آفس کے حوالے سے کچھ بات بھی کرنی ہے۔'' انہوں نے صرف خمار سے کہا جس کا مطلب تھا بہار فری ہے وہ اپنے کمرے میں جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا مطمئن ہو کر کمرے کا رخ کیا فون اور تمثال یہ معروفیت تھی اس کی۔
خمار نے خود پشاوری قہوہ تیار کیا اور دو کپ لے کر وہ ان کے کمرے میں آ گئی۔
''آہا اب کھانے کے بعد کا لطف آئے گا۔'' ظہیر ہمایوں صاحب نے خاصی خوشی کا اظہار کیا۔
''یہ تو ہے۔'' خمار ان کے بیڈ پر دائیں ہاتھ بیٹھ گئی۔

''آفس کیسا رہا آج؟'' انہوں نے قہوہ کی چسکی لی۔
''بابا...... ایک دن [illegible] پروڈکشن والوں کو ماربل کوالٹی پر کچھ اعتراض تھا آپ سے بات کریں گے اور باقی سب ٹھیک ہے۔'' خمار نے بتایا۔
''ان کا اعتراض یقیناً ٹھیک ہوگا، پچھلی مرتبہ بھی میں نے سپلائر کو وارننگ دی تھی۔'' وہ بولے۔
''ان کی ایکسپورٹ پیکنگ ہو گئی ہے۔''
''گڈ۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔
''بہت اچھا لگ رہا ہے آپ پہلے جیسے ہو گئے ہیں۔''
''ہنہ...... بڑی کوشش اور کڑے فیصلے کے بعد۔''
''کیا مطلب......؟''
''خمار...... وہ لڑکا اچھا ہے۔'' انہوں نے ایک دم مختصراً کہا۔
''کون...... کون سا لڑکا؟''
''وہی نشید...... نشید کمال۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولے۔
''بابا...... آپ اس کا ذکر؟'' دو تین سوال اس نے داغ دیے۔
''بھئی اچھے کو اچھا کہنا پڑتا ہے، اس نے اپنی محبت سے مجھے قائل کر لیا۔'' وہ جلدی سے کہہ کر قہوے کی چسکیاں تواتر سے لینے لگے جبکہ خمار کے ہاتھ میں قہوے کا کپ جیسے جم سا گیا تھا۔ وہ حیران نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔
''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''
''بابا...... آپ ایسا کہہ سکتے ہیں کیا؟'' وہ پریشان ہو کر بولی۔
''ہاں میں نے اسے پرکھ لیا ہے، انکار کر لیا، سختی کر لی مگر وہ آپ سے سچی محبت کرتا ہے۔ اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کے گھر والوں کے آنے کی اجازت دے دوں۔'' وہ بڑے آرام سے سب کچھ کہہ گئے۔ خمار کی تو عقل حیران تھی اور دماغ ماؤف۔
''بابا میری مرضی کے بغیر۔'' وہ بڑبڑائی۔
''مرضی کیا ہوتی ہے؟''
''میری مرضی نشید نہیں ہے۔''
''کون ہے پھر؟'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''کوئی بھی نہیں۔''
''تو پھر نشید بہترین لڑکا ہے، ہمارے اسٹیٹس کے قریب قریب پھر وہ چاہتا بہت ہے آپ کو۔'' وہ بولے۔
''بابا......!''
''کوئی بحث نہیں، بس اسے میرا فیصلہ سمجھو، اب نشید سے موڈ خوشگوار رکھنا۔ یہ محبت خود بخود ہو جاتی ہے۔ شاباش جاؤ اور خوش رہو۔'' ظہیر ہمایوں صاحب نے فرمان جاری کر دیا نہ سوال نہ جواب کوئی گنجائش نہ رکھی۔ وہ بابا کے اس فیصلے کے سامنے بے بسی سے صرف خاموش ہو کر چلی گئی۔
اسے باہر بھیج کر وہ بہت مضمحل سے چت لیٹ کر چھت کو گھور [illegible] لگے۔ انہیں اندازہ تھا کہ خمار کو یہ فیصلہ قبول

[illegible] اور ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ کسی کے سامنے [illegible] کے لیے کرنا پڑا تھا۔ وہ چاہت اور اپنی اسٹوری
تھے۔ انہیں [illegible] اور وہ اسے دھتکارنے کے بعد [illegible] ان کی یہ کہانی ظاہر ہو۔ جانے نشید
ان کے خیال میں اصل مجرم چاہت تھی، جس نے ان کی ذات کا پردہ چاک کیا، شاید انتقام میں وہ اندھی ہوگئی
تھی مگر یہ ان کا خیال تھا ورنہ چاہت تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ [illegible] خمار کا رشتہ نشید سے طے نہ کیا تو وہ ساری قلعی کھول کر رکھ دے گا۔
میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر بھی ظہیر ہمایوں کی نظر میں اصل مجرم وہ [illegible] تو گمان تک نہیں تھا۔ اسے نشید کے بارے
یہ فیصلہ ان کے ذہنی دباؤ میں کی لے آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تاج دین بابا نے آ کر خمار کی بھیگی آنکھوں کا تذکرہ
کیا تو وہ دلیل دینے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، محبت بھری زندگی کا فیصلہ کیا ہے۔"
"میاں صاحب! میں خمار بیٹا کی آنسو بھری آنکھوں کی بات کر رہا ہوں۔" تاج دین بابا نے دوبارہ وضاحت کی۔
"میں نے اسی کا جواب دیا ہے، اس میں کون سا میتھس کا فارمولا ہے؟" وہ چڑ کر بولے۔
"کیسا فیصلہ؟ منہ چھوٹا ہے، نوکر ہی تو ہوں مگر بچیوں کو پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ ان کو روتا نہیں دیکھ سکتا۔"
"اور میں نے ان کو خوش رکھنے کے لیے اپنی ہر خوشی قربان کی ہے یہ بھی جانتے ہوناں۔" انہوں نے جتلایا۔
"میاں صاحب...... وہ آپ نے کیا مگر اب ایسا کیا کہا ہے کہ......؟"
"ایک اچھا فیصلہ کیا ہے، خمار کی شادی کا فیصلہ۔" انہوں نے بتایا۔
"کیا......! یوں ایک دم سے شادی؟" تاج دین بابا سخت حیران ہو کر بولے۔
"شادی کوئی برا فیصلہ ہے، کرنی نہیں ہے شادی؟" انہوں نے سوال کیا۔
"میاں صاحب کرنی ہے مگر ایسے اچانک۔"
"یہی راستہ میرے لیے نیک نامی بچانے کا ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"چاہت نے انتقام میں اندھا ہو کر نشید کو ہمراز بنالیا ہے، وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔" وہ سچ بول گئے۔
"اور بلیک میل کرنے والے سے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کر دیں گے؟"
"لڑکا اچھا ہے، اس کی بلیک میلنگ صرف خمار کے لیے ہے۔ بہت محبت کرتا ہے خمار سے۔"
"محبت...... محبت پر آپ کو اعتبار آ گیا، آپ نے پہلے تو اعتبار نہیں کیا۔" تاج دین بابا نے طنز کیا۔
"میری بات چھوڑیں، میں نے غلط کیا۔ آپ خمار کو سمجھائیں نشید میں کوئی خرابی نہیں، خوب صورت، وجیہہ اور امیر کبیر ہے، بڑے بزنس کا مالک اور کیا چاہیے؟" وہ ایسے بولے جیسے نشید کی وکالت کی فیس لے رکھی ہو۔
"اور خمار بیٹی میں کیا کمی ہے؟"
"کمی...... کیسی کمی؟ میری بیٹی تو حور ہے اس لیے تو نشید اس کا دیوانہ ہے۔" وہ ایک دم جذباتی ہوگئے۔
"کیا بھروسہ؟ جس وجہ سے آپ یہ سمجھوتہ کر رہے ہیں۔ وہ اسے راز نہ رکھ سکے تو پھر......"
"نہیں...... وہ ایسا نہیں کرے گا، اسے خمار کا ساتھ چاہیے بس۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" تاج دین بابا کہہ کر وہاں سے اٹھے اور باہر آ گئے۔ جہاں عنایت بی بی شدت سے ان کی منتظر تھی۔

❁......❁......❁

خمار کو موہوم سی امید تھی کہ تاج دین بابا سمجھا کر قائل کر کے بابا کا فیصلہ تبدیل کرالیں گے مگر جب وہ اس کے کمرے میں آئے تو بابا کے ہم خیال بن کر آئے۔ مسکرا کر ان کے فیصلے پر راضی ہو کر آئے۔
"میاں صاحب تو بہت آگے کی سوچتے ہیں، بس آپ کے لیے بہت اچھا لڑکا تلاش کر رہے تھے جو کہ مل گیا اور یہ لڑکا تو مجھے ہیرا لگتا تھا۔ میں سمجھا...... جانے کہاں، کس سے کریں گے؟" تاج دین بابا بنا اس کے کچھ کہے پوچھے خود ہی الٹا سیدھا بولتے گئے۔
"تاج بابا...... آپ کیا بول رہے ہیں کچھ اندازہ بھی ہے۔" خمار نے جھنجلا کر کہا۔
"بیٹا اور کیا بولوں، لڑکا اچھا ہے، میاں صاحب نے سوچ سمجھ کر کہا ہے۔" تاج دین بابا بولے۔
"یہ ایک دم اس لڑکے میں سرخاب کے پر کیسے لگ گئے؟"
"دیکھو بیٹا...... وہ اچھا ہے، اچھے گھرانے کا ہے اور آپ کا بہت خواہش مند ہے تو......" وہ بولتے ہوئے رکے۔
"پہلے بھی نشید کمال کی یہی حیثیت تھی پھر اچانک کیا ہو گیا؟" خمار نے روتے ہوئے پوچھا۔
"میاں صاحب غور کر رہے تھے، لڑکے یعنی نشید کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے۔" تاج دین بابا کے لیے یہی ضروری تھا کہ وہ میاں صاحب کے فیصلے کے حق میں ووٹ دیں۔
"چھوڑیں تاج بابا آپ نے تو بابا کی مرضی پر چلنا ہے۔" خمار نے طنز کیا۔
"آپ مجھے نشید کمال میں خرابی بتاؤ۔"
"آپ جائیں بابا، میں بات کرتی ہوں۔" اسی اثناء میں بہار کمرے میں آ گئی، تاج دین بابا چلے گئے تو وہ خمار کو غور سے دیکھنے لگی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟" خمار نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔
"آپ نشید کمال سے نفرت کرتی ہیں؟" بہار نے پوچھا۔
"محبت بھی نہیں کرتیں۔"
"کسی اور کو پسند کرتی ہیں؟" بہار نے سوال کیا تو اس کے دل کی دھڑکنوں میں خاموشی سا شور پیدا ہو کر تھم گیا۔ وہ چپ رہی۔
"اگر کوئی محبت کے مقام پر ہے تو آپ اسے فوقیت دیں بابا کو نشید کمال کے لیے صاف انکار کر دیں۔"
"ایسا کچھ نہیں ہے۔"
"تو پھر نشید کمال کی صورت میں ایک شاندار آپشن موجود ہے۔ کتنا ڈیشنگ ہے، دولت مند ہے اور آپ سے بہت محبت بھی کرتا ہے۔" بہار نے کہا۔
"یہ کرائٹیریا ہے شادی کے لیے؟"
"یہ خوبیاں ہیں، دیوانگی کی حد تک وہ چاہتا ہے اور آپ کو کیا چاہیے؟" بہار نے کہا۔
"بابا نے یہ کیوں کیا؟"

"کچھ نہیں، بابا کی کوئی مجبوری یا کمزوری نے یہ فیصلہ کرایا ہے۔"
"ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"
"خیر..... ہمارے بابا ہیں ان کے فیصلے سے انکار کی گنجائش نہیں۔"
"گڈ..... یقیناً بہت اچھا ہوگا۔ اگر کوئی برا ہوتا تو بابا کبھی ایسا نہ کرتے اور پھر کوئی اور بھی تو آپ کی زندگی میں نہیں ہے۔" بہار نے کہا۔
"میں شاکر ہوں اللہ کی رضا پر۔" خمار نے مسکرا کر کہا۔

❀......❀......❀

نشید، امجد سے فون پر گپیں لگا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کافی کا مزہ بھی لے رہا تھا تب ہی فون پر ظہیر ہمایوں صاحب کا فون آنے لگا۔ اس نے جلدی سے امجد کو بائے کہا اور ظہیر ہمایوں صاحب کا فون ریسیو کرلیا۔
"زہے نصیب۔" وہ بولا۔
"برخوردار..... کل صبح مجھے مل سکتے ہو؟"
"کیوں نہیں انکل؟" نشید نے خوشی سے کہا۔
"ابھی رشتہ داریاں مت نکالو۔" وہ بولے لہجہ درشت تھا۔
"او کے..... آپ نے بلایا یہی بڑی بات ہے۔"
"ابھی صرف بلایا ہے۔"
"اگر دل میں کھوٹ ہے تو نہ بلائیں۔ میں خود آجاؤں گا۔" اس نے اترا کر کہا۔
"مطلب اگر آپ راضی نہیں ہیں تو میں آ کر راضی کرلوں گا۔"
"بلیک میل کر رہے ہو یا دھمکا رہے ہو؟" وہ کچھ غصے سے بولے۔
"اللہ نہ کرے، میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔"
"جانتا ہوں میں کتنا احترام کرتے ہو؟"
"آپ کو شک ہے؟"
"فالتو بحث نہیں، احترام کرتے تو میری ذاتی زندگی کے معاملات کو لے کر نہ آتے۔"
"مجبوری تھی۔"
"بہر کیف..... کل بات ہوگی۔"
"او کے..... کل دس بجے۔" نشید نے کہا تو دوسری طرف سے فون آف ہوگیا۔ اس کامیابی پر وہ خوشی سے ایڑھیوں کے بل گھوما تو پشت پر مریم کھڑی تھی۔
"مریم.....!"
"مبارک ہو۔" مریم نے کہا۔
"خیر مبارک..... برف پگھلنا شروع ہوگئی۔" نشید بے حد خوش تھا۔

"اور خمار سے بات ہوئی۔"
"نہیں..... وہ بھی کر لے گی۔"
"نشید......"
"ہمم......"
"کہیں تم کچھ ایسا تو نہیں کر رہے جس سے کوئی مجبور ہو کر راضی ہو۔" مریم نے بڑی گہری بات کی۔ وہ چند لمحے تو گڑبڑایا پھر بولا۔
"محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔"
"غلط..... غلط ہی ہوتا ہے۔" وہ بولی۔
"شاید لیکن کاش، وہ لوگ سمجھ سکتے۔"
"بس اتنا یاد رکھنا، ہماری تربیت یہ نہیں کہ ہم لوگوں کو مجبور کریں۔" مریم نے کہا۔
"مریم! کبھی سمندر کی گہرائی اور آسمان کی بلندی کو ناپ سکتی ہو۔"
"نہیں۔"
"نہیں ناں بس خمار کی محبت ایسی ہے جسے کوئی بھی نہیں ناپ سکتا۔ میں نے ایک پل بھی کبھی یہ نہیں سوچا کہ خمار کی محبت سے دستبردار ہو جاؤں۔" وہ بولا۔
"بیسٹ آف لک۔" مریم بولی۔
"تھینکس۔"
"کل کوئی الٹی سیدھی مت ہانکنا۔ تحمل سے بات کرنا۔" مریم نے سمجھایا۔
"دو ہی راستے ہیں کہ وہ بخوشی مان جائیں یا پھر میں منوالوں۔" وہ یقین سے بولا۔

❀......❀......❀

دو بزنس میٹنگ لے کر ذکیہ کمال اور نشید کمال کانفرنس ہال سے باہر نکلے تو بیگم ذکیہ کمال کو سر درد محسوس ہوا۔ انہوں نے نشید سے کہا کہ وہ گھر جا رہی ہیں آپ ناروے سے آئی پارٹی کے ساتھ لنچ کرنا اور انہیں سی آف کرنا۔ نشید کو تو ظہیر ہمایوں صاحب سے ملنے جانا تھا۔ وہ لیٹ ہو رہا تھا۔
"ماما..... آپ سر درد کی گولی کھالیں اور آفس میں آرام کرلیں۔" اس نے انہیں کہا تو وہ تعجب سے بولیں۔
"خیر تو ہے، آفس میں آرام کروں، وہ کیوں؟"
"دراصل مجھے ایک بہت ہی ضروری کام ہے، میں پارٹی کے ساتھ لنچ نہیں کر پاؤں گا۔" وہ کچھ ہکلایا۔
"کیا کام ہے، سچ بتاؤ۔" بیگم ذکیہ کمال نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔
"وہ مجھے خمار کے بابا نے بلایا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔
"اچھا..... یہ کہانی چل رہی ہے ابھی تک۔" وہ خاصی سنجیدگی سے بولیں۔
"کہانی کیسی ماما؟"
"مطلب..... وہ لڑکی اب بھی......"
"ماما آپ نے کہا تھا کہ وہ مان جائے تو انگوٹھی اسی کو پہنانا۔" وہ جلدی سے بولا۔
"تو کیا وہ مان گئی؟"

''اس کے بابا نے بلایا ہے کوئی تو وجہ ہوگی۔'' اس نے کہا۔
''ٹھیک ہے جاؤ، میں آفس میں ہی رکوں گی۔'' وہ بولیں۔
''تھینک یو ماما۔''
''پھر دہرا رہی ہوں کہ وہ مان گئی تو بہتر ورنہ میں اب مزید انتظار نہیں کروں گی۔'' وہ سختی سے بولیں۔
''ماما..... آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟''
''بہت بھروسہ ہے مگر جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا ان سے اچھے کی امید نہیں۔'' وہ بولیں۔
''اب ظہیر ہمایوں صاحب وہ نہیں رہے بدل گئے ہیں۔''
''یہ تو کمال ہوگیا۔'' وہ طنزیہ بولیں۔
''اچھا آپ آفس میں چل کر بیٹھیں، میں چائے اور سر درد کی گولی بھجواتا ہوں۔'' اس نے کہا۔
''یہ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں لے لوں گی آپ جاؤ۔'' وہ کہہ کر اپنے آفس کی طرف بڑھ گئیں۔
''ماما..... پلیز خفا ہو کر نہ جائیں۔''
''میں خفا نہیں ہوں۔'' وہ رک کر بولیں۔
''اوکے ٹیک کیئر۔'' وہ کہہ کر تیز قدموں سے چلا گیا۔ بیگم ذکیہ کمال نے مڑ کر اسے جاتا دیکھ کر خلوص دل کے ساتھ دعا دی۔
''یا اللہ! میرے بچے کی دلی مراد پوری کر اسے دلی راحت نصیب فرمادے آمین۔'' ایک ہی بیٹا تھا نا چاہے ہوئے بھی اس کی خوشیوں کی تمنائی تھیں۔ ماں ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے بیٹے کے لیے بس دعا گو رہتی ہے۔

❀.....❀.....❀

وعدے کے مطابق وہ وقت پر نہ پہنچ سکا تھا تقریباً آدھا گھنٹہ لیٹ تھا۔ ظہیر ہمایوں صاحب کے پاس ایک پارٹی آ گئی اور وہ ان کے ساتھ معروف ہو گئے تھے۔ وہ خمار کا پتا کر کے اس کے آفس میں آ گیا۔ دستک دی اور پی اے نے کہا کہ میم اکیلی ہیں مل لیں۔ لہٰذا وہ اندر آ گیا۔
''گڈ مارننگ۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔
''کانگریچولیشن۔'' وہ طنزیہ بولی۔
''کس بات کی؟''
''اپنے حق میں فیصلہ کرانے کی۔''
''او..... مطلب فیصلہ میرے حق میں ہو گیا پھر تو آپ کو بھی مبارک ہو۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''آپ شاید بابا سے ملنے آئے ہیں تو.....''
''وہ کچھ بزی ہیں اس لیے یہاں آ گیا۔''
''تو باہر انتظار کر لیتے۔''
''خمار..... آپ کو کب یقین آئے گا کہ میں آپ سے.....'' خمار نے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا۔
''بہت محبت کرتا ہوں۔''
''مذاق سمجھ رہی ہیں آپ؟''
''نہیں..... آپ تو اس صدی کے مجنوں ہیں مگر آپ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اب کوئی لیلیٰ نہیں پائی جاتی

...پسند نہیں
اور میں آپ کو پسند نہیں کرتیں۔
''اچھا یہ بتائیں آپ مجھے کیوں...''
''کوئی خاص وجہ ہونا ضروری نہیں۔''
''اب تو کرنا پڑے گا۔''
''میرا خیال ہے آپ بابا سے مل لیں۔''
''مجھے ان کا جواب معلوم ہے۔'' وہ اترا[illegible]
''ویسے ایسا کیا جادو کیا ہے میرے بابا پر؟''
''جادو تو نہیں کہہ سکتے ویسے ہی جن کو بوتل میں بند کیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔
''آپ بدتمیزی کر رہے ہیں۔'' وہ برا مان گئی۔
''میں نے انہیں جن نہیں کہا۔''
''مجھے وہ بات بتائیں جس سے بابا راضی ہوئے۔'' اسے کرید لگی ہوئی تھی۔
''بات بہت خاص ہی ہوگی لیکن مسئلہ حل ہو جائے تو پھر باتوں کی اہمیت نہیں رہتی۔''
''کیا مطلب؟''
''وہ ایک ضرب المثل سنی ہوگی، گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔'' وہ کہہ کر مسکرایا۔
''مطلب..... میرے بابا کو بلیک میل کیا ہے یا کوئی دباؤ.....''
''یہ کہانی پھر سہی، آم کھاؤ پیڑ نہ گنو، میں دیکھتا ہوں ظہیر صاحب فری ہو گئے ہوں گے۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ خمار غصے سے سلگ اٹھی۔
اسے یقین ہو گیا کہ اس نے بابا کو بلیک میل کیا ہے ورنہ بابا تو راضی نہیں تھے پھر ایک دم کیا ہو گیا؟ اس کا سلگتا ذہن بھٹک رہا تھا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ براؤن سوٹ میں چمک دار آنکھوں کے ساتھ کتنی تمکنت کے ساتھ بیٹھا۔
''سچ کہتی ہے بہار 'کم بخت ڈیشنگ' تو بہت ہے مگر.....'' یہاں سے آگے وہ مزید کچھ نہ سوچ سکی اگر زیادہ سوچتی تو پھر دلاور یاد آ جاتا۔

❀.....❀.....❀
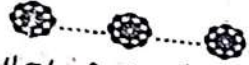
وہ بڑے باوقار انداز میں ظہیر ہمایوں صاحب کے سامنے براجمان تھا۔ ظہیر ہمایوں صاحب نے اپنے پی اے کو کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ اجازت نہ دیں کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ لہٰذا وہ اطمینان سے بولے۔
''پڑھے لکھے ہو، سمجھ دار ہو کیا اتنی بات نہیں سمجھتے، زور دھمکی سے عزت احترام نہیں ملتا۔'' اس نے ایک لمحے ان کے جملے کی کاٹ پر غور کیا پھر بولا۔
''زور، دھمکی پر کوئی پڑھا لکھا خود نہیں آتا، اسے مجبور کیا جاتا ہے۔''
''کیا مجبور، کیسی مجبوری، کس نے مجبور کیا؟'' وہ میز پر کہنیاں ٹکا کر کچھ جھک کر بولے۔
''سیدھی سی بات تھی کہ میں خمار سے شدید محبت کرتا ہوں اور اس کا رشتہ لینے میرے گھر والے آئے مگر آپ نے مجبور کر دیا اپنے حسن سلوک سے۔''
''کہ آپ اس سے جا ملے۔'' انہوں نے کہا۔

"کس سے؟"
"اسی سے جو انتقام......" وہ رکے۔
"میرا خیال ہے ایسے تذکرے کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے آپ وہ بات کریں جس کے لیے بلایا ہے" بڑے سنجیدہ لہجے میں بولا۔
"آپ کے گھر والوں کو بھیجو دو دن بعد شام پانچ بجے یعنی جمعرات کو۔" انہوں نے ایک دم ہی کہہ دیا۔
"آج کیوں نہیں؟"
"مجھے خمار کو سمجھانے کے لیے وقت چاہیے۔"
"اوکے...... شکریہ آپ نے سمجھ لیا۔"
"مجبوری کا نام شکریہ۔"
"مطلب دل سے آپ مجھے قبول نہیں کر رہے؟"
"یہ تم کو اندازہ ہونا چاہیے بلیک میلنگ میں سمجھوتہ ہوتا ہے کیا؟" وہ تلخ لہجے میں بولے۔
"میں محبت کرتا ہوں خمار سے۔" اس نے زور دے کر کہا۔
"بس کرو یار، یہ محبت، محبت کی تکرار سے مجھے شدید نفرت ہے۔" وہ ضبط نہ کر سکے تو چلا اٹھے۔
"خیر...... آپ کو محبت کی طاقت تسلیم کرنی ہی پڑے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ نے محبت کو سرسری لیا۔" اس نے ذو معنی جملہ ادا کیا تو وہ پہلو بدل کر رہ گئے۔
"آپ اس بار میری ماما اور چاچا کا بہت احترام کریں گے۔"
"یقیناً مجبوری ہے۔"
"تو پھر رہنے دیں، میں خمار سے براہ راست بات کر لیتا ہوں۔" وہ بولا۔
"بار بار مجھے دھمکانے کی ضرورت نہیں۔"
"آپ نے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کرنی، صرف شادی کی تاریخ دینی ہے۔" اس نے دوٹوک اپنا فیصلہ سنایا۔
"اتنی جلدی۔"
"ہاں...... اتنی ہی جلدی ورنہ میں بھول جاؤں گا۔" اس نے آنکھیں چار کیں تو وہ چڑ کر اثبات میں گردن ہلا بیٹھے۔
"گڈ...... ویسے کاش آپ بہادر ہوتے۔" اس نے طنزیہ کہا۔
"جاؤ۔" وہ بیزاری سے بولے۔
"اوکے...... اللہ حافظ، دو دن بعد میرے گھر والے پہنچ جائیں گے۔" وہ کہہ کر سیٹی بجا کر باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁

چاہت دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ اپنا پرس موبائل فون اٹھا کر آفس سے نکلنے ہی والی تھی کہ ایک دم سے ظہیر ہمایوں کڑے تیور لیے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔
"کیوں بار بار میرے سامنے آ جاتے ہیں آپ؟" وہ سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مقابل کھڑی ہوئی۔
"کیونکہ تم میرے مقابل آ گئی ہو ایک دشمن بن کر۔" وہ بولے۔
"جو محبت کرتے ہیں وہ دشمنی کرنے والے آپ جیسے ہوتے ہیں۔" وہ بھی تڑخ کر بولی۔

"چاہت...... تم نے اپنی اور میری لڑائی میں میری بیٹی کو استعمال کیا ہے اس کے ساتھ کچھ برا ہوا تو میں ماضی کا ہر پل بھول جاؤں گا۔" وہ بہت غصیلے لہجے میں ہمکلام ہوئے۔
"کون سی بیٹی...... کیسا استعمال، یہ کیا اور کب آپ مسلسل مجھے دھمکا رہے ہیں؟" وہ بھی خم ٹھونک کر بولی۔
"اتنی معصوم اور بھولی نہ بنو۔"
"پلیز...... سنبھل کر بولیے۔"
"چاہت...... اس لڑکے نے مجھے بلیک میل کیا ہے، تم اسے ہمارے راز دے کر طاقت دی ہے، میری بیٹی تمہیں غلطی سے بھی [illegible]"
"[illegible]...... آپ [illegible] کیسا گھٹیا الزام مجھ پر لگا رہے ہیں، میں نے کیا، کیا ہے، سوائے ہماری محبت کے گناہ کے۔" وہ چلا کر بولی۔
"الزام نہیں...... مجھے اپنا جرم معلوم ہی نہیں۔"
"ہاں...... تمہیں اس کا کچھ معلوم ہی نہیں؟"
"وہ لڑکا نشید،"
"کون نشید؟"
"چاہت...... فضول ہے تم سے بحث کرنا، محبت کا ڈھونگ کیا میرے ساتھ۔" وہ سخت کڑواہٹ کے ساتھ بولے۔
"پلیز...... آپ جائیں اور پھر یہی کہہ رہی ہوں کہ دوبارہ مت آیئے گا۔" اس نے بھی سخت ترین لہجہ اختیار کیا۔
"روک سکتی ہو تو اس لڑکے کو روک لو، میری بیٹی کو بچا لو۔" وہ نرم پڑے۔
"میں کچھ نہیں جانتی، میرا آپ کی بیٹی سے کچھ لینا دینا نہیں پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" اس نے ہار کر ہاتھ جوڑ دیے۔
"تنہا کہاں ہو تم؟ وہ ہے ناں تمہارا عاشق تمہارے گھر میں۔" انہوں نے طنز کیا۔
"فار گاڈ سیک...... بس کر دیں اور جائیں یہاں سے۔" وہ زور سے چلائی۔
"اوکے...... جاتا ہوں مگر یاد رکھنا میری بیٹی کے ساتھ برا ہوا تو میں سب بھول کر تمہیں عبرت کا نشان بنا دوں گا۔"
"آپ مجھے عبرت کا نشان بنا چکے ہیں، آپ پر میں سب کچھ نچھاور کرنے کے بعد ایک بھیانک عبرت ہی ہوں۔" وہ چلانے کے ساتھ رونے لگی۔ تب ظہیر ہمایوں پیر پٹختے ہوئے وہاں سے باہر چلے گئے اور چاہت بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

❁

آئینہ

نظیر فاطمہ

نہ منزل ہوں نہ منزل آشنا ہوں
مثال برگ اڑتا پھر رہا ہوں
وہ ایسا کون ہے جس سے بچھڑ کر
خود اپنے شہر میں تنہا ہوا ہوں

"میں نے ہشام کی بات بڑی آپا کی انابیہ سے طے کر دی ہے۔ اگلے جمعہ کو نکاح ہے۔" عدنان صاحب نے اپنی بیوی ہالہ کو اطلاع دی۔ ہالہ اس اطلاع پر ہکابکا کھڑی رہیں۔

"مگر ایسے کیسے؟" ابھی وہ کچھ کہنے ہی لگی تھیں کہ عدنان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کروا دیا اور مڑ کر کمرے سے نکل گئے۔ ہالہ بے عزتی اور بے وقعتی کے احساس سے مغلوب کرسی پر گر سی گئیں۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھیں مگر آنسو گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔

"امی کیا پکایا ہے آج؟ بہت بھوک لگ رہی ہے، پلیز کھانا..... امی کیا ہوا آپ کو، آپ رو رہی ہیں؟" ہشام کی نظر جیسے ہی ماں کے ستے ہوئے چہرے اور سوجھی ہوئی آنکھوں پر پڑی تو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر ان سے پوچھنے لگا۔

"امی..... میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں، چھوڑیں یہ سب ادھر آئیں۔" ہشام نے ان کے ہاتھ سے سلاد کی پلیٹ لے کر سائیڈ پر رکھی اور انہیں لے کر لاؤنج میں آ گیا۔

"یہاں بیٹھیں..... [illegible] ہوا ہے؟" ہشام اپنی بہادر ماں کو جانتا تھا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے والی نہیں تھیں۔ یقیناً کچھ ایسا ہوا تھا جس سے انہیں شدید رنج پہنچا تھا۔ ہالہ نے بیٹے کی فکر پر ٹھنڈی سانس بھری۔

"بس بیٹا، پتا نہیں میری قسمت اتنی بے وقعتی سے کیوں لکھا ہے؟"

"آپ کو کب سے قسمت سے گلہ ہونے لگا، آپ تو ہماری ہمت بندھاتی ہیں، خود کیوں ہمت ہار رہی ہیں۔"

"ساری زندگی گزر گئی، میں نے ہمت رکھی مگر اب میری ہمت ختم ہونے لگی ہے۔" انہوں نے اپنے آنچل سے آنکھیں صاف کیں۔ آنکھیں تو خشک ہو گئیں مگر آنچل بھیگ گیا تھا۔

"امی میں پریشان ہو رہا ہوں، پلیز بتائیں ناں۔" ہشام کے اصرار پر ہالہ نے اسے ساری بات بتائی تو اس نے ایک گہری سانس ایسے خارج کی جیسے کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔

"بس اتنی سی بات پر پریشان ہو رہی ہیں۔" ہشام کا پرسکون، بےفکر لہجہ سن کر ہالہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"یہ اتنی سی بات ہے؟"

"میرے نزدیک تو اتنی سی بات بھی نہیں ہے۔"

"کیا اپنے باپ کو جانتے نہیں ہو؟"

"کیا اپنے باپ کو جانتا ہوں، اسی لیے یہ کہہ رہا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں، چلیں اٹھیں منہ ہاتھ دھوئیں پھر کھانا کھاتے ہیں۔" ہشام نے انہیں ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کندھوں سے پکڑ کر ان کا رخ واش روم کی طرف کر دیا تھا۔

❀.....☆.....❀

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ہشام سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ تبسم باہر برآمدے میں کرسی رکھے موسم میں گم تھی۔ ہشام نے ایک نظر ارد گرد سے بے نیاز تبسم کو دیکھا اور پھر دوسری نظر سامنے منظر پر ڈالی۔ موسلا دھار بارش ایک دبیز چادر کی طرح آسمان سے زمین تک تنی دکھائی دے رہی تھی۔ بوگن ویلیا کی گلابی پھولوں سے لدی بیلیں اپنے پھول گیلے فرش پر گرا کر جھوم رہی تھیں۔ پتوں پر جمی گرد دھل چکی تھی۔ سبز رنگ گہرے دھلے ہوئے سبزے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ہشام نے نظر پھیر کر دوبارہ تبسم کو دیکھا اور کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"تم کب آئے؟ مجھے پتا نہیں چلا..... [illegible]"

"ہاں پتا کیسے چلتا؟ موسم میں جو گم تھیں۔" ہشام سامنے رکھی دوسری کرسی پر ٹک گیا۔

"میں سوچ رہی تھی، کاش ایسی ہی کوئی موسلا دھار بارش ہماری زندگیوں کی ساری تلخیوں اور مسائل کو بھی بہا کر لے جائے اور سب کچھ نکھر جائے۔" تبسم نے کہا۔

"ڈیئر کزن، سوچوں پر تو کوئی پابندی نہیں لگا سکتا، سوچو جو دل چاہے سوچو۔"

"خالہ کدھر ہیں؟" ہشام کو بشریٰ بیگم نظر نہ آئیں تو ادھر ادھر نظر دوڑا کر پوچھا۔

"سو رہی ہیں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"پتا نہیں ہالہ خالہ آئی تھیں، دونوں بہنوں میں کچھ بات ہوئی بس تب سے طبیعت خراب ہے۔" تبسم نے بتایا۔

یہ گھر بشریٰ اور ہالہ کے ماں باپ کا تھا۔ بشریٰ شادی

کے پانچ سال بعد بیوہ ہو کر ایک بچی کے ساتھ یہاں آ گئی تھیں۔ تب ماں باپ دونوں حیات تھے۔ جب کہ ہالہ کو سسرال والوں نے جگہ کی تنگی کے باعث الگ رہنے پر مجبور کیا تو کرائے پر دھکے کھانے کے بجائے برسوں پہلے وہ بھی اپنے دونوں بیٹوں سمیت یہاں اپنی چھوٹی بہن کے پاس آ گئی تھیں۔ ہالہ اوپر والی منزل پر رہائش پذیر تھیں اور بشریٰ نیچے والی پر۔

"امی کو منع بھی کیا تھا کہ پریشان نہ ہوں، انہوں نے خالہ کو بھی پریشان کر دیا۔" ہشام نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیا بات ہے؟" تبسم پریشان ہوئی۔

"ایک تو آپ سب لوگ ذرا سی بات پر یوں پریشان ہو جاتے ہیں جیسے ایٹم بم پھٹنے میں بس چند سیکنڈز رہ گئے ہوں۔" ہشام مسکرایا۔

"اچھا بتاؤ ناں کیا بات ہے؟"

"ابو نے میری بات رانیہ سے طے کر دی ہے۔"

"کیا......؟ تو خالہ ٹھیک پریشان ہیں ناں، مگر امی یہ بات سن کر اتنی پریشان کیوں ہو گئیں؟"

"یہ وجہ خالہ کے پریشان ہونے کی، تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ شادی تو میں وہاں کروں گا جہاں امی کی مرضی ہوگی۔" ہشام نے تبسم کے معصوم چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"خالو کی مرضی پر راضی نہیں ہو، خالہ کی مرضی کو کیسے مانو گے؟"

"کیونکہ ان کی اور میری مرضی ملتی ہے۔"

"ہیں......! ہشام کے بچے لڑکی بھی پسند کر لی اور مجھے بتایا تک نہیں، ویسے تو بڑے دوست بنتے ہو میرے۔" تبسم حیرت اور خوشی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی دکھانے لگی تو ہشام ہنس دیا۔

"تمہیں ہی بتاؤں گا سب سے پہلے مگر اس وقت اچھی سی چائے پلا دو پکوڑوں ساتھ، اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔" ہشام کی فرمائش پر تبسم کچن میں چلی گئی۔

بارش رک چکی تھی۔ ہشام ابھی تک برآمدے میں بیٹھا تھا۔ تبسم اسے چائے پکوڑے دینے کے بعد نماز پڑھنے کمرے میں جا چکی تھی۔ گیٹ کھلا اور عدنان صاحب گھر میں داخل ہوئے۔

"صاحب زادے، ذرا میرے ساتھ آؤ، تم سے بات کرنی ہے۔" ہشام کو حکم دے کر وہ آگے بڑھ گئے۔ ہشام بھی ان کے پیچھے چل دیا۔

"ابو! مجھے آپ کی بات سے کوئی اختلاف نہیں مگر میں نکاح سے پہلے دادی، پھوپو اور چچا، آپ سب بڑوں سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" عدنان صاحب کی ساری بات سن کر ہشام نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا میں سب کو کل بلا لیتا ہوں۔" جوان بیٹے کی سنجیدگی دیکھ کر عدنان صاحب کو حامی بھرنا پڑی۔

"نہیں...... یہاں نہیں، آپ دادی والے گھر میں سب کو بلائیں۔"

❀......☆......❀

دادی کے گھر کے ہال کمرے میں سب جمع تھے۔

"میں آپ لوگوں پر ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شادی کے بعد میں صرف گھر کا راشن لانے اور بل بھرنے کا ذمہ دار ہوں گا، اس کے علاوہ میں رانیہ کی کوئی اور ذمہ داری نہیں اٹھاؤں گا۔" ہشام کی بات سن کر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"کیوں میاں، بیوی کی ضروریات میں صرف راشن اور بل تھوڑی ہوتے ہیں اور بھی ہزاروں ضرورتیں ہوتی ہیں۔" پھوپو بولیں تو ہشام کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

"کاش ہمارے ابو کو بھی کسی نے یہ بات سمجھائی ہوتی۔"

"ہوتا ہوگا مگر میں نے اپنے باپ کو اپنی ماں کی صرف یہی دو ضروریات پوری کرتے دیکھا ہے، اس لیے میں بھی بس یہی کروں گا۔ رانیہ اگر میری امی جیسی زندگی گزارنے کا حوصلہ رکھتی ہے تو میں اس شادی کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ اس میسنی کا کیا دھرا ہے۔ یہی بدلہ لے رہی ہے۔" دادی ہالہ کو کوسنے لگیں۔

"نہیں دادی، امی نے بدلہ لینا ہوتا تو ہم دونوں بھائی

ابو کی عزت نہ کرتے، آپ لوگوں سے تمیز و تہذیب سے بات نہ کرتے۔ یہ بدلہ نہیں ہے، یہ وہ طریقہ ہے جو میں نے اپنے گھر میں دیکھا ہے۔ میں نے ساری عمر اپنی ماں کو محنت کرتے دیکھا۔ کالج میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے دیکھا، اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر اخراجات کی فکر میں گھلتے دیکھا، یہاں تک کہ اپنے بچوں کی پیدائش کے اخراجات بھی ہماری ماں نے اپنی کمائی سے پورے کیے اور ابو جن کا کاروبار انہیں ماہانہ لاکھوں میں منافع دیتا ہے، انہیں صرف اپنی ماں اور بہن بھائیوں کی ضروریات پوری کرتے دیکھا۔ بچوں اور بیوی کا کبھی کوئی حق انہوں نے نہ مانا، نہ پورا کیا تو اب آپ لوگ مجھ سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے سارے حقوق پورے کروں گا۔ میں تو وہی کروں گا جو میرے باپ نے کیا کیونکہ میں نے یہی دیکھا اور سیکھا ہے۔ ویسے بھی وہ کہتے ہیں ناں کہ باپ پہ پوت۔" کمرے میں موجود سب افراد کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ کسی کے پاس بولنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ ہشام نے کمرے میں موجود ہر شخص کے ہاتھ میں آئینہ تھما دیا تھا۔ اس آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر عدنان صاحب کا رنگ فق ہوا اور باقی سب نے اپنی صورتیں دیکھ کر نظریں جھکا لیں اور لب سیے بیٹھے تھے۔

"ماں باپ، بہن بھائیوں کی ضروریات پوری کرنا بہت اچھی بات ہے مگر بیوی اور بچوں کی ضروریات پر پاؤں رکھ کر نہیں۔" عدنان صاحب کو یہ بات اب سمجھ میں آئی تھی۔ اس سے پہلے اپنے تئیں وہ اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھا رہے تھے۔ کسی بہن بھائی نے گھر بنانا ہو، ان کے کسی کے بچے کی فیس جانی ہو، چھوٹے بہن بھائیوں کی شادیاں، ان کے بچوں کی پیدائش، اسکول میں داخلے کے اخراجات سب عدنان ہی تو ماں کے حکم پر پورا کرتے۔ کبھی کسی نے ان سے یہ نہ کہا کہ تمہارے بیوی بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ بس سب نے ان کی بیوی کی برائیاں کر کے اس اللہ کی بندی کی مشکل زندگی کو مزید مشکل بنا دیا تھا۔

"چلیں امی۔" ہشام نے بت بنی ہالہ کا ہاتھ تھاما تھا۔ دونوں ماں بیٹا کمرے سے نکل گئے اور پیچھے رہ جانے والے خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔ ہالہ رو رہی تھیں۔ ان کی خاموش قربانی اور محنت ضائع نہیں گئی تھی۔ ان کی اولاد ان کی ڈھال بن گئی تھی۔

"امی اب روئیں مت، دیکھیے گا پھوپو کی طرف سے انکار ہو جائے گا۔ اب آپ میرا رشتہ پکا کرنے کی تیاری کریں۔"

"کہاں؟"

"جہاں آپ کی مرضی ہے۔" ہشام اپنی امی کی خواہش سے واقف تھا کہ وہ تبسم کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں سو آرام سے کہہ گیا۔

"تمہیں کیسے معلوم میری مرضی کہاں ہے؟" ہالہ نے اسے گھورا۔

"جیسے ملا کی دوڑ مسجد تک ویسے آپ کی دوڑ خالہ کے گھر تک۔" ہشام نے شرارت سے کہا تو ہالہ مسکرا دیں۔ ان کی ساری تھکن کہیں دور بھاگ گئی تھی اور وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔

"ناں بابا! مجھے اپنی بھانجی بڑی پیاری ہے اور تمہارے ارادے بڑے خطرناک ہیں۔" ہالہ نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"ارے...... آپ دیکھیے گا میں آپ کی پیاری بھانجی کو کتنے پیار سے رکھوں گا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو بس تھوڑا ڈرامہ کر رہا تھا۔ آپ گھبرائیے مت امی جان۔" ہشام نے کہا تو ہالہ ہنس دیں۔ دونوں ماں بیٹا مطمئن انداز میں اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔

❀

قسط نمبر پانچ

ام ایمان قاضی

> کرب کے شہر میں رہ کر نہیں دیکھا تو نے
> کیا گزرتی رہی ہم پر نہیں دیکھا تو نے
> اے مجھے صبر کے آداب سکھانے والے
> جب وہ بچھڑا تھا وہ منظر نہیں دیکھا تو نے

حیا آج پھر اس تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی جو نہ جانے کب سے اس نے اپنے پاس چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ حقیقت سے بالکل مختلف منظر دکھاتی وہ تصویر ایک مکمل اور خوشحال خاندان کی تھی۔ خوب صورت جوڑے کے آگے کھڑی تین بچیاں جو خوب صورت فراک پہنے ہوئی تھیں۔ ماں باپ کی محبت کی روشنی چہرے پر سجائے کھڑی تھیں تو ماں اور باپ کی گود میں بیٹھی دو بچیوں کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں اور نسرین کے کندھے کو چھوتی چھوٹی بچی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ حیا جب اکیلی ہوتی تو اس تصویر کو گھنٹوں دیکھتی رہتی۔ اس کو نسرین بیگم نے اپنی گود میں بیٹھا رکھا تھا۔ حیا تصویر میں بھی ابا کی طرف تکتی نظر آ رہی تھی۔ حیا جب بھی اس تصویر کو دیکھتی تو بہت یاد کرنے کی کوشش کرتی کہ وہ تصویر کس موقع پر لی گئی ہوگی۔ تین سال کے بچے کو بھلا یاد ہی کیا رہتا ہے۔ اس وقت کے سلیم احمد جو کلین شیو اور گورے چٹے، اونچے لمبے مرد تھے۔ وہ اب اپنی تصویر سے سو فیصد مختلف تھے اب اونچے لمبے سلیم احمد کے کندھے جھک چکے تھے۔ طاقت ور اور توانا جسم پر ناتوانی اور کمزوری حاوی تھی سر اور داڑھی کے بال مکمل سفید ہو گئے تھے۔ حیا انہیں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔

''ابا......'' اس کے منہ سے سرگوشی کی صورت ادا ہوا تھا۔

سلیم ماموں کو مومن نے رات ہی بتا دیا تھا کہ ان کی بیٹی حیا ان سے ملنا چاہتی ہے۔ ان کی ساری رات ہی تڑپتے ہوئے گزری تھی۔ اکیڈمی دو بجے شروع ہوتی تھی۔ وہ صبح سات بجے ہی حرا کے گھر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ تاہم حرا کے خاوند کو ساری بات نہ بتائی گئی تھی۔ بس ان کو یہی پتا تھا کہ ہاجرہ کے دودھ شریک بھائی ہیں اور حرا سے ملنے آئے ہیں۔ وہ آفس چلے گئے، حرا گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئی وہ بھی سلیم احمد کے کہنے پر کیونکہ وہ مہمان سمجھ کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

سلیم احمد نے کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے انتظار میں صدیاں گزار سکتے ہیں وہ تو محض چند گھنٹے تھے اور پلان کے مطابق حیا مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے آ گئی تھی، حرا ہی اسے لاؤنج تک لائی تھی جہاں سلیم احمد اس کے منتظر تھے۔

[illegible] بازوؤں میں سما گئی تھی۔

[illegible] میری گڑیا، اتنی بڑی ہوگئی ہے۔'' انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے [illegible]

''ابا... میری بچی، میری بچی [illegible] سارے دنیا کے والدین اکٹھے رہتے [illegible] میں آپ کو اتنا مس کرتی ہوں۔ آپ کیوں چھوڑ کر چلے گئے تھے ہمیں۔ میں نے آپ کی عدم موجودگی میں کیسا کٹھن اور مشکل وقت دیکھا ہے اماں نے اور کیسے کیسے مشکل [illegible]'' وہ شدت جذبات سے تڑپ کر کہہ رہی تھی۔

[illegible] ماموں تو پہلے ہی [illegible] یہ خوشی کا موقع ہے۔ [illegible] جذبات پر قابو رکھو، مت رو [illegible] وہ بھی رو دیے۔ [illegible] حرا ان کے رونے کی آواز سن کر [illegible]

''ماموں آپ بیٹھ جائیں اور حیا تم بھی اپنے جذبات پر قابو رکھو [illegible] زیادہ طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ [illegible] حیا نے ان کو بٹھا کر ان کی پیٹھ سہلائی۔ حرا بھاگ کر پانی کا گلاس لائی۔ پانی پی کر سلیم احمد کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

''کیا بات ہے پیارے، میں اپنی رام کتھا سنا رہا ہوں کہ کیسے ہونے والے سسر صاحب کی حیا سے ملاقات کروائی اب دونوں فریق ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے اور تو ہے کہ بات پہ دھیان ہی نہیں دے رہا۔'' مومن اچھا خاصا ناراض ہو کر بولا۔ وہ دونوں چہل قدمی کرنے کے بعد معمول کے مطابق بینچ پر بیٹھے تھے کہ مومن نے اس پر یہ انکشاف کیا تھا مگر عمر نے اس کی بات پر نہ کوئی دھیان دیا اور نہ ہی [illegible] خوشی کا اظہار کیا اور نہ وہی تھا جو یہ کہتا تھا کہ

اگر وہ دونوں سلیم احمد پر ورک کریں تو وہ ان دونوں کو منزلِ مقصود تک پہنچا… ہیں۔

"سن لیا ہے یار مگر ایک مسئلہ ہو تو بندہ اس پر فوکس بھی کرے۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"ہیں تجھ جیسے بندے کو بھی کوئی ٹینشن ہو سکتی ہے؟ تو، تو اپنا ہر فیصلہ کرنے میں خود مختار ہے اور اپنی مرضی کا مالک بھی۔ تیرے معاملات میں کوئی دخل اندازی کرنے والا بھی نہیں، میں آج تجھے اپنے دل کی بات بتا رہا ہوں، مجھے کبھی کبھی بڑا رشک آتا ہے تجھ پر بس بتاتا نہیں تجھے کہ کچھ بندے اپنی تعریف سن کر زیادہ ہی شوخے ہو جاتے ہیں اور مجھے شوخے بندے کچھ زیادہ پسند نہیں۔"

"اب بتا بھی دے کہ کیا پریشانی ہے یا پاؤں پڑوائے گا؟" مومن بگڑ کر بولا۔

"تابی تنگ کر رہی ہے۔" عمر نے منہ لٹکا کر کہا۔

"کون تابی اور تجھے کیوں تنگ کر رہی ہے؟ سوچنے کی بات تو یہ ہے اور شک کی نوعیت کیا ہے؟" مومن نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد مشکوک انداز میں تابڑ توڑ سوال کر ڈالے۔

"تابی میری بہن بھئی۔" عمر جھنجھلایا۔

"تابی...... کیوں بھئی یا اس کا میاں تو رنگ نہیں دکھا رہا پتا کر ٹھیک طرح سے، اگر ایسا ہے تو ابھی حکم کر راستے میں ہی روک کر ایک دو ہڈیاں سینک دیتے ہیں۔"

"مومن...... مومن......" عمر نے بے بسی سے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے اب پورا یقین ہو گیا ہے کہ تیری صحبت آج کل ٹھیک نہیں رہی، ہر وقت غنڈہ گردی، مار دھاڑ، جھوٹ فریب کے سوا تجھے کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔"

"یار...... اب دیکھ لو تم خود اپنے آپ کو کہہ رہے ہو میری تو بچپن سے لے کر صحبت بھی تم ہو، دوست بھی تم، اب تم خود کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔" مومن کی بے نیازی پر عمر تپ گیا مگر پھر خود پر ضبط کر کے بولا۔

"تابی کی نند کی منگنی پتا نہیں کس وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ لڑکے والوں کو جلانے کے لیے کہ ہمیں بھی لڑکوں کی کمی نہیں ہے اس لڑکی کو میرے سر مونڈھنے کے چکر میں تابی کی ساس اس پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ اس بارے میں مجھ سے بات کرے۔"

"تابی کی خرانٹ ساس اور نند میرے ذہن میں آ رہی ہیں، تجھے تو اب بتایا ہے ان دونوں خواتین کی نظر نے تو شادی کے فنکشن پر ہی تاڑ لیا تجھے اور گڈ بائے کہہ دیا اس شریف آدمی کو پہلے پھنسنے والا تھا۔" عمر جیسے بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

"تو نے ہاں تو نہیں کر دی ناں؟" اس نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"پاگل ہو گیا ہے کیا، میں تو بس تابی کی وجہ سے پریشان ہوں، اس کو زیادہ پریشان نہ کریں وہ لوگ۔" عمر پریشانی سے بولا۔

"سمپل۔" مومن نے چٹکی بجا کر جوش سے کہا۔

"کیا کوئی حل آیا ہے تیرے ذہن میں؟" عمر نے پوچھا۔

"ایسا ویسا۔" عمر کے امید بھرے لہجے پر مومن نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کیا حل ہے؟" عمر کی بے تابی مزید بڑھی۔

"تو ابھی حکم کریں تیرے بہنوئی تک یہ خبر پہنچاتا ہوں کہ تو نشہ کرتا ہے بلکہ ہیروئن کا عادی ہو چکا ہے جسے چاہے تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، بس قبر ہی اس نشے سے انسان کی جان چھڑا سکتی ہے حساب کتاب کے وقت بھی فرشتوں سے......" مگر مومن کی بات ابھی منہ میں تھی کہ عمر نے اس کے بازو پر ایک زور دار گھونسا جڑ دیا۔ عمر تکلیف سے اپنا بازو سہلاتا رہ گیا۔

"خبیث، کمینے، گندی شکل والے، کالی زبان والے، پتا نہیں کیا سوچ کر تیرے پاس مدد مانگنے آ جاتا ہوں۔"

"نہایت بہترین آئیڈیا ہے، تیری زندگی کی تاریخ گواہ ہے تو پہلے میرے ہر آئیڈیے کی ایسے ہی مٹی پلید کرتا ہے مگر پھر خود ہی آتا ہے اسی آئیڈیے کو عملی جامہ پہنانے۔" مومن نے کہا تھا۔

❁......❁......❁

"آپ ہیں جی زرین کی بڑی میڈم، میں تو کوئی بزرگ خاتون سمجھ رہی تھی۔ آپ تو جی بہت خوب صورت ہو، بالکل ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے والوں جیسی۔ زرین کام تو ٹھیک کرتی ہے ناں؟ بڑی سست ہے، ایک ایک کام کو گھنٹہ لگا دیتی ہے۔ چیختی رہ جاتی ہوں کہ آج کے دور میں اچھی بیوٹیشن باجی مل گئی ہے جو ایسی سست لڑکی کو بھی اچھے پیسے دیتی ہے مگر یہ ہے کہ اپنی سستی چھوڑنے کو تیار ہے نہ کاہلی اب دیکھیں کتنے افراد ہیں صرف چار پانچ تو کام بھی مختصر ہوتا ہے مگر یہ ہے ہی سستی کی ماری، جس کام کو لگ جائے تو اس کام بے چارے کو ہی اس نکمی سے جان چھڑانی پڑتی ہے۔" تائی کی زبان چلنا شروع ہوئی تو صفا کے لیے اسے روکنا مشکل ہو گیا۔

"نہیں زرین بہت اچھی اور ایکٹو لڑکی ہے، میرے پارلر کی سب سے قابل لڑکی۔ آپ نجانے کیوں ایسا کہہ رہی ہیں، بس یہ چھٹیاں بہت کرتی ہے اور اس کے لیٹ آنے کی وجہ سے میں پریشان ہوتی ہوں۔" صفا نے کہا۔

"میں اصل میں یہاں اس وجہ سے آئی ہوں کہ آپ سے مل کر جان سکوں کہ ایسا کیوں ہے، کیا آپ کی طرف سے اس پر کوئی کام کا برڈن ہے یا کوئی اور مسئلہ؟" صفا ان خاتون کو بمشکل چپ کراتے ہوئے بولی۔

"نہ...... نہ بھئی ہماری طرف سے نہ کوئی روک ٹوک ہے نہ کوئی برڈن، اپنی مرضی کی مالک ہے، سامنے کھڑی ہے پوچھ لیں۔" تائی نے ایک خون خوار نظر ایک طرف خاموش کھڑی زرین پر ڈالی۔

"زرین...... زرین جلدی آؤ۔" اچانک ہی ایک کمرے سے آتی تیز آواز اور چیزوں کی اٹھا پٹخ نے صفا کو چونکایا اور تائی بھی گڑبڑائی۔

"اے زرین، یہاں کیا بت بنی کھڑی ہے، جا دیکھ بھائی کیا مانگ رہا ہے اور پھر میڈم جی کے لیے چائے پانی کا بندوبست کر۔" تائی نے جلدی سے زرین کو وہاں سے بھگایا کہ ارشد کی چیخ و پکار بڑھ رہی تھی۔

"بھائی مطلب؟ زرین کا بھائی ایسے چیخ کر آج بات کر رہا ہے یا ہمیشہ کرتا ہے اور پھر مجھے لگتا ہے وہ کچھ اٹھا کر بھی پھینک رہا ہے۔ آپ کو اس کا علاج کرانا چاہیے، یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ انسان میں ایسی حالت مسلسل رہے تو انسان پر پاگل پن کے دورے پڑ سکتے ہیں۔" وہ بہت کچھ جانتی تھی مگر انجان بن کر معصومیت سے بولی۔

"اے ہے میرا بچہ کیوں پاگل ہونے لگا خدانخواستہ وہ تو بس ذرا بخار کے بعد چڑچڑا ہو رہا ہے اور یہ زرین نامراد بھی تو سو آوازیں دو تب سنتی ہے۔ میرا حال تو جی آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے میں ہی آدھا گھنٹہ نکل جاتا ہے تو زرین کا ہی فرض بنتا ہے کہ گھر کے افراد کا خیال رکھے۔ ہاں زرین کا بھائی جو ہے تیمور میرے دیور کا بیٹا وہ بے چارا موٹی عقل کا کند ذہن لڑکا ہے بلا کا سست اور نکما۔ مفت کی روٹی کھلا رہے ہیں اسے ان کے تایا ورنہ آج کے دور میں کون کسی کا اتنا خیال رکھتا ہے۔"

"ہم...... لیکن محلے میں آتے ہوئے ایک خاتون ملی تھیں، بتا رہی تھیں کہ انہی کے گھر جانا ہے۔ مرحوم بھائی کے گھر اور دکان پر قبضہ کر کے اب بچوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ بھتیجا بے چارا باہر کے کام کرتا ہے تو بھتیجی ان کے پاگل بیٹے کی تیمار داری کرتی ہے۔ کیا واقعی یہ گھر زرین کے بھی جواب آپ کے ہسپینڈ چلا رہے ہیں؟" صفا معصومیت سے بولی جبکہ اس کی بات سن کر چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے پھر جو انہوں نے محلے والوں نے قصیدے پڑھنا شروع کیے تو اس موقع پر خاموش رہنا ہی مناسب جانا تھا۔

❀......❀......❀

"یہ...... یہ دعا ہے؟" سلیم احمد حیرت اور خوشی سے دعا کے ایک ایک نقوش کو جیسے آنکھوں میں سمو رہے تھے آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں جذبات کا ٹھاٹیں مارتا سمندر۔

"اور یہ صفا ہے...... ہے ناں میں پہچان گیا، اس کی آنکھیں کل بھی اتنی ہی شرارتی تھیں جتنی آج ہیں، میں نے صحیح کہا ناں حیا، یہ صفا ہے ناں؟" وہ صفا کی تصویر کو چوم کر بولے۔ وہ صفا کے آفس کے کسی آفیشل ڈنر کی تصویر تھی۔

"جی...... جی ابا، آپ نے ٹھیک پہچانا یہ صفا ہی ہے۔"

"اور یہ حیا ہے ابا۔"

"ہاں یہ حیا ہے، یہ میرے جگر کا ٹکڑا، اسے میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ اب بھی ہر وقت روتی رہتی ہے؟" سلیم احمد روتے ہوئے ہنس دیے۔

"ارے ابا، اب تو ہماری فیملی کی سب سے ہنس مکھ اور ذہین لڑکی ہے، ہر مسئلے سے نبٹنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے اور نہ صرف خود ہنستی مسکراتی رہتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی چھوٹی چھوٹی خوشیاں دے کر خوش ہوتی ہے اور خدمت خلق کا شوق اسے اماں سے ورثے میں ملا ہے۔" وہ حیا کے متعلق بتاتے ہوئے پرجوش ہوئی کہ گھر میں حیا کی سب سے زیادہ فرمائشیں حیا ہی مانتی تھی۔

"ہم اور ہماری حیا گڑیا کی سب سے زیادہ دوستی کس کے ساتھ ہے؟" انہوں نے نہایت پیار سے حیا سے پوچھا۔

"ابا...... ساری ہی آپس میں ایک دوسرے کی دوست ہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"اماں نے بہت پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کسی بھی انسان کا اور خصوصاً لڑکی کا بہترین دوست پہلے اس کی ماں اور پھر اس کی بہن ہوتی ہے اس لیے اپنی ہر بات چاہے وہ دل کی ہو یا زندگی سے جڑے کسی معاملے کی ان دونوں سے بہتر مشورہ کوئی بھی نہیں دے سکتا بس وہ دن اور آج کا دن ہم سب کو کبھی باہر دوست بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ ہماری خوشیاں سانجھی اور غم ایک ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کا مسئلہ سب کا مسئلہ ہے اور کسی ایک کی دوستی میں ہی سب کی خوشی ہے۔" وہ ایک جذبے سے بول رہی تھی، سلیم احمد نم آنکھوں سے نسرین کی تربیت کا ایک اور رنگ کو اندر ہی اندر سراہ رہے تھے۔

"لیکن میری سب سے زیادہ دوستی اماں اور حیا کے ساتھ ہے، صفا اور دعا ویسے تو بہت اچھی ہیں۔ میری ہر بات مانتی ہیں، ہر فرمائش زبان سے نکلنے سے پہلے ہی پوری کرتی ہیں مگر ابا......" اس نے لہجے کو سنسنی خیز بنایا۔

"جب بات اسٹڈیز کی آ جائے اور گریڈز کی تو ان سے بڑھ کر خون خوار کوئی نہیں، پاکٹ منی بند، فرمائشی پروگرام ختم، ٹی وی کا کنکشن کاٹ دیتی ہیں۔ ایسے میں حیا اور اماں ہی ہیں جو میری ہیلپ کے لیے آتی ہیں۔" حیا کی بات

[...] اور اس کے انداز پر سلیم احمد بے ساختہ ہنس دیے۔

"بیٹا دو تین دن سے تم اکیڈمی ٹائم سے پورا ایک گھنٹہ پہلے آ رہی ہو کسی کو شک [...] کہ میری معمولی سی غلطی کی وجہ سے تمہاری ماں تمہارا یہاں آنا بند کرا دے اور میں تمہاری شکل دیکھنے کو [...] میں ایسا بالکل نہیں چاہوں گا۔ بہت ترسا ہوں تم لوگوں سے ملنے کے لیے، تم سب کو دیکھنے کے لیے۔" سلیم احمد پریشانی سے بولے۔

"نہیں...... نہیں ابا، آپ بالکل مطمئن رہیں، میں بھی آپ سے ملنا اور آپ کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جب ہم سب لوگ مل کر بیٹھتے تو اکثر میرے منہ سے جانے انجانے میں آپ کا ذکر نکل جاتا تھا۔ دعا مجھے ڈانٹ دیتی تھی کہ میں نے کیوں سلیم احمد کا ذکر چھیڑ کر اماں کے زخم ہرے کر دیے۔"

"بہت برا کیا نسرین میں نے تمہارے ساتھ، بہت برا اس لیے تو آج برسوں بعد بھی میرا نام تمہارے پرانے زخموں کو ادھیڑ دیتا ہے۔" سلیم احمد نے دل ہی دل میں نسرین کو مخاطب کیا جو کبھی ان کی محبوب تھیں پھر ایک دن دنیا سے ٹکرا کر انہیں اپنایا پھر وہ ان کی بچیوں کی ماں کے رتبے پر فائز ہوئیں اور پھر ان کی قسمت تھی یا نصیب کا کوئی پھیر کہ وہ نہ ان کی محبوب رہ پائیں نہ ہی شریک حیات۔

"ابا...... میں نے ناں صرف آپ کے لیے اپنی کارکردگی بہتر کرانے کی کوشش کی ہے، میرے لیے اب پڑھائی میں کوئی مزہ نہیں رہا، بس دعا اور صفا کے ڈر سے پڑھتی ہوں اور اب صرف آپ سے ملنے کے لیے میں سارا سارا دن پڑھتی ہوں کہ دعا میری یہ اکیڈمی ہی نہ چھڑوا دے۔ ایک دوبار پہلے بھی اس نے کہا تھا اگر رزلٹ اچھا نہ ہوا تو کوچنگ بدل دوں گی۔" حیا کی باتیں بھی سلیم احمد کو ماضی میں لے جاتیں تو کبھی حال کے سفر پر گامزن کر دیتیں۔

"اور ہماری بیٹی کو پڑھائی اچھی کیوں نہیں لگتی؟" انہوں نے مسکرا کر حیا کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں ابا، میرا دل کرتا ہے کوکنگ کی دنیا میں خوب نام کماؤں اور ایک بہترین شیف بن جاؤں مگر کچن میں مجھے گرمیوں میں گرمی اور سردیوں میں سردی لگتی ہے پھر میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور کمپیوٹر کلاسز جوائن کر لیں، مت پوچھیں ابا کتنا خشک اور بورنگ سبجیکٹ ہے، ایک ہفتہ ہی برداشت کر سکی میں پھر میرے سر میں اتنا شدید درد ہوا کہ اماں کو ہی نوٹس لینا پڑا اور اماں ہی کے دیسی نسخوں سے وہ درد بہ مشکل ختم ہوا۔ اماں نے کہا دفع کروا ایسی پڑھائی کو جو میری بیٹی کی صحت خراب کر دے اور پھر......" حیا کی باتوں پر سلیم احمد ہنستے ہوئے بے حال ہوئے۔

"دعا اور صفا کہتی ہیں کہ اماں آپ اتنی قابل بیٹیوں کی ماں ہیں۔ حیا آپ کا نام ڈبو دے گی جاہل رہ کر اب آپ خود بتائیں کہ بھلا کوئی میٹرک پاس نام ڈبوتا ہے، اچھی خاصی ایجوکیشن ہے یہ بھی اگر سمجھا جائے تو......" وہ منہ بنا کر بولی۔

یہ تیسرا دن تھا سلیم احمد اور حیا احمد کا جو وہ گھنٹہ بھر ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے تو ان کا باقی کا سارا دن بہترین گزرتا تھا۔

❀......❀......❀

"اچھی سر صاحب سے ملاقات کرائی صاحب زادی کی کہ محترمہ اپنے محسن کے جذبات کو ہی بھول گئی نہ کوئی رابطہ، نہ خیر خبر بس باپ بیٹی میں مگن ہے تو بیٹی باپ میں۔" مومن نے خفگی سے کہا۔

حیا باقاعدگی سے کوچنگ تو آ رہی تھی مگر سلیم احمد سے ملاقات کے بعد ایک بے نیازی تھی جو وہ مومن سے برت رہی تھی اور تو اور دو دن سے اس کا سیل بھی آف تھا اور پہلے دن اگر نمبر آن بھی ملا تھا تو جو دس سے پندرہ منٹ ان کی

”اب خود فیصلہ کرلو کہ گھر میں ہارا بھٹکا آؤں تب بھی سسر صاحب کے درشن کروں اور رات کو جب
جاؤں سلیم احمد نامی بندے کی ظاہر و پوشیدہ خصوصیات سن کر جاؤں۔“ اس دن کے بعد سے مومن اور عمر کی ملاقات
اب ہوئی تھی۔

”ہمم...... یہ تو معاملہ اور گمبھیر ہوگیا ہے۔“ عمر نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

”اچھا تو یہ بتا کہ سلیم احمد بے چاری کی کیا صورت حال ہے اور ان کی سورس آف انکم کیا ہے؟“ وہ ذرا سا آگے
ہوکر بولا۔ مومن نے اس کے سوال پر مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”اگر تو شادی کے بعد سسر صاحب کی جائیداد پر قبضہ کرنے کا سوچ رہا ہے تو چھوڑ دے اس خیال کو یہ
جان کر تجھے صدمہ ہی ہوگا کہ اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے موصوف کسی زمانے میں۔ ساری جوئے میں
اب محنت مزدوری کرکے اپنی دوائیوں اور علاج کا خرچہ بہ مشکل پورا کرتے ہیں اور رہائش کے لیے بھی خالہ نے انہیں
ایک کمرا ازراہ ہمدردی دیا ہوا ہے۔“

”ہمم......“ مومن کی بے زاری سے تفصیل بتانے پر عمر نے ایک معنی خیز ہنکارا ابھرا۔

”ایسا ہے کہ مجھے کسی نے ایک کام کے سلسلے میں رازداری کے وعدے کے ساتھ ایک کام سونپا ہے جو سلیم احمد کی
ذات سے ہی جڑا ہے لیکن تجھے بتائے بغیر بھی وہ کام نہیں ہوسکتا اس لیے کہ مجھے لگتا ہے کہ تجھے اس راز میں شریک
کرنا پڑے گا۔“ عمر سوچتے ہوئے بولا۔

”کیسا کام؟“ مومن نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

”یار...... صفا کو تمہاری اماں اس کے ابا کی بیماری کی اطلاع دیتی آئی تھیں کسی دن وہ اسی حوالے سے بہت ٹینس
تھی۔ اسی نے مجھے تمہاری خالہ کا ایڈریس بھی دیا اور کچھ رقم بھی کہ یہ سلیم احمد تک اس شرط پر پہنچائی جائے کہ ان کی
عزت نفس بھی متاثر نہ ہو اور صفا کا نام بھی درمیان میں نہ آئے میں درمیان میں تابی والے مسئلے میں الجھ گیا تو یہ کام رہ
گیا تھا۔ اب کل صفا نے دوبارہ پوچھا تو میں نے کہہ دیا کہ کام ہوگیا ہے۔ وہ یہ سلسلہ اب ہر ماہ جاری رکھنا چاہتی
ہے، اب تو بتا کہ کیسے یہ رقم سلیم احمد کے حوالے کی جائے۔“ عمر کی پوری بات مومن نے حیرت بھرے تاثرات کے
ساتھ سنی۔

”ویسے یار عمر، یہ والدین کی محبت بھی مقناطیس کی طرح ہوتی ہے کہ جیسے ہی ذرا سی قربت ملتی ہے دونوں ایک
دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور جتنا الگ کرنے کی کوشش کرو اتنا ہی شدت سے ایک دوسرے سے چپکتے ہیں
کیونکہ والدین اور اولاد کے درمیان محبت ایک آفاقی رشتہ ہے۔ اس کا نعم البدل کوئی ہے ہی نہیں۔“ مومن نے شاید
زندگی میں پہلی بار کوئی بات سنجیدہ ہوکر کہی تھی۔

”وہ تو ہے، اب حل نکال کوئی کہ یہ رقم سلیم احمد تک پہنچ جائے۔“ عمر نے جیب سے لفافہ نکال کر اپنے سامنے میز
پر رکھتے ہوئے کہا۔

”یار عمر، میرے ذہن میں ابھی ابھی ایک آئیڈیا آیا ہے۔“ مومن اچانک پرجوش ہوا۔

”یہ دیکھ یہ میرے بندے ہاتھوں کو، ان کو خاطر میں نہیں لاتا تو اپنی لنگڑاتی چال پر غور کر یہ تیرے آئیڈیا کی ہی
بدولت تھا کہ جس نے میری بنی بنائی عزت اور نوکری کو داؤ پر لگا دیا تھا، ایک بار تو بچ گئے۔ لازمی نہیں ہر بار بچ سکیں۔
میں تیرے کسی فضول آئیڈیے میں تیرا ساتھ نہیں دے رہا۔“ عمر نے صاف انکار کردیا تو مومن نے ناراضی سے اس

"نہ تو تیرے ذہن میں میرا امیج ہی ایسا بن گیا ہے کہ میں جو بھی بات کروں گا وہ دو نمبری کروں گا اور جو بھی کام کروں گا وہ پھنسنے اور پھنسانے والا ہی کروں گا۔ تیرے خیال میں نہ میری کوئی تربیت ہوئی ہے نہ ہی کوئی ویلیوز ہیں؟" مومن غصے سے بولا۔

"اٹھا اپنا لفافہ اور چلتا بن یہاں سے پیچھے مڑ کر مت دیکھنا آج سے ہماری دوستی کا سفر یہیں تمام ہوتا ہے۔" مومن تو پورا ہی ناراض ہوگیا تھا۔ عمر کی جان پر بن آئی۔

"کیا بکواس ہے مومن؟ کتنی باتیں ہو جاتی ہیں دوستوں کے درمیان، چھوٹی سے چھوٹی بھی اور بڑی سے بڑی بھی ان باتوں پر ایسے دوستی ختم ہونے لگی تو چل گئی دوستی۔" عمر منہ بنا کر بولا۔

"ہاں تو کوئی شرم ولحاظ بھی ہوتا ہے کہ نہیں دوستوں کے درمیان، میں ہوں کہ معاملات کو سیدھا کرنے کے چکر میں سوچ سوچ کر پریشان ہوں، اماں نے گھر میں گھسنا محال کر رکھا ہے، جب دیکھو شادی کی رٹ لگائے رکھتی ہیں اور ایک تو ہے کہ بجائے کوئی راستہ دکھانے کے اور میری پریشانی بانٹنے کے بس گڑے مردے ہی اکھاڑ کے ان کا پوسٹ مارٹم شروع کر دیتا ہے۔" وہ خفگی سے بولا۔

"اچھا ناں، اب اس سڑی ہوئی شکل پر مسکراہٹ لا اور بتا کہ کیا کیا آئیڈیا ہے تیرا اس بارے میں ہے؟" عمر نے لجاجت سے کہا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ سو جھنجھٹوں میں پڑنے سے بہتر ہے ایک صفا احمد کو ہی اس کے ابا سے ملا دو۔ پیچھے وہ خدمت کرے یا دھتکارے ان کا رشتہ ختم ہونے والا نہیں ہے، ہوسکتا ہے سلیم احمد ہی ہماری ڈوبتی نیا پار لگانے میں ہماری مددگار ثابت۔"

"پر کیسے؟ صفا نے سختی سے منع کیا ہے کہ اس بات کا کسی کو بھی علم نہ ہو کہ اپنے باپ کی مالی مدد اس نے کی ہے، اسے شاید اپنی اماں کے جذبات کا خیال ہے کہ ان کو پتا چل گیا تو انہیں دکھ ہوگا، وہ اپنا نام نہیں بتانا چاہ رہی اور تم ملوانے تک پہنچ گئے۔"

"ہاں تو دو بچھڑے ہوؤں کو ملانا تو ثواب کا کام ہے وہ بھی باپ اور بیٹی کو، یہ تو سنا ہوگا تو نے کہ کر بھلا ہو بھلا، دوسرے کا بھلا کریں گے تب ہی ہمارا کام بھی آسان ہوگا۔ اپنی صفا کو کسی طرح راضی کر کے ملاقات بھی کسی اور جگہ پر کرائیں گے ابھی میں اپنے خاندان کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا۔ اچھا ہے مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے گلے شکوے بھی سن لیں گے۔ بیٹی کے دل کی کدورت کم ہوگی تو باپ کی آنکھوں اور دل کو بھی سکون ملے گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ سلیم احمد نے جو کچھ بھی کیا ماضی میں کیا۔ اب ان کے دل میں صرف اور صرف بیٹیوں سے ملنے کی خواہش ہے، ان کو راتوں کو اٹھ اٹھ کے روتے دیکھا ہے میں نے اپنی بچیوں کی جدائی میں، چل ہم ملیں نہ ملیں یار ایک باپ کو اس کی اولاد سے ملا دیں۔" مومن پر آج زندگی کا ایک اور رنگ چھایا ہوا تھا جس سے عمر اس سے قبل ناواقف تھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

❀......❀......❀

"مومن بات سنو بیٹا؟" وہ لیکچر کی تیاری کے لیے مین پوائنٹس پر نظر ڈال رہا تھا جب ہاجرہ اس کے کمرے میں آئیں۔ جمیل احمد باہر لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے جب کہ سلیم احمد، حیا سے ملنے کے لیے حسب معمول حرا کے گھر پر تھے۔

"جی بتایئے۔" وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور پھر سے نوٹس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"وہ حرا نے تم سے بات کی؟" ہاجرہ بیگم کا انداز محتاط سا تھا۔

"کس بارے میں؟" مومن کا انداز اب بھی سرسری ہی تھا۔ ہاجرہ نے کچھ لمحے سوچا اور پھر اس کے پاس ہی آ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"جو سامان منگوانا ہے لسٹ بنادیں واپسی پر لیتا آؤں گا۔" وہ ہنوز لیکچر میں ہی مصروف رہا۔

"کل میں اور حرا جا کر لڑکی پسند کر آئے تھے۔ اتوار کو ان کو کھانے پر بلایا ہے کہ تمہاری اکیڈمی کی بھی چھٹی ہوتی ہے اور حرا کی بھی، لڑکی بھی ساتھ ہی آئے گی، بہت پیاری اور سلجھی ہوئی بچی ہے، دیکھنا تمہیں پسند آئے گی، تم اتوار کو گھر میں ہی رہنا۔ دوستوں کے ساتھ نہ نکل جانا۔" وہ جیسے جیسے بول رہی تھیں مومن کا موڈ بگڑتا جا رہا تھا۔

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے یہ سب کیوں اور کس لیے کیا؟ جب میں نے آپ کو منع کیا تھا ان رنگ برنگی لڑکیوں کو دیکھنے سے تو پھر کیوں گئیں آپ؟" اس نے نوٹس سامنے رکھی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تمہارا عمر بھر کنوارا رہنے کا ارادہ ہے؟ کیونکہ جہاں تم چاہتے ہو وہاں تمہاری شادی ناممکن ہے، میری بھی خواہش ہے ہر ماں کی طرح اپنے بچے کے سر پر سہرا دیکھنے کی پھر ہمارے گھر کو بھی ضرورت ہے ایک بہو کی، میری بیماری کا حال تمہارے سامنے ہے، دو دن بھلی چنگی تو پندرہ دن بستر پر گزرتے ہیں۔" ہاجرہ نے مومن کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔

"ہاں تو ان مسائل کا حل کس نے کہا ہے کہ صرف شادی ہے۔ کام کے لیے کسی ماسی کا بندوبست کرلیں اور آپ کی دیکھ بھال کے لیے میں کسی نرس کا ارینج کردوں گا۔" وہ میز پر رکھی چابی جیب میں رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے تمہاری شادی کرنی ہے اور ہر صورت کرنی ہے۔ تمہیں اتوار کو گھر میں رہنا ہے اور نہ بھی رہو...... میں نے ان کو ہاں کردی ہے بس۔" ہاجرہ بیگم نے ضدی لہجے میں کہا۔

"شوق پورا کر کے دیکھ لیجیے گا اپنا ہاں کر کے...... پھر میری شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گی آپ۔ میں یہ گھر ہی چھوڑ دوں گا۔ میں بتا رہا ہوں۔" مومن غصے میں پیر پٹختا کمرے سے نکل گیا۔ ہاجرہ وہیں سر تھامے بیٹھی رہ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

"اور صفا احمد سنایئے کیسی گزر رہی ہے، گھر میں سب کیسے ہیں؟" عمر نے پوچھا۔ مہینے کے آخری دنوں کی شدید مصروفیت کے بعد آج ان کو کچھ ریلیکس ملا تھا کہ کلوزنگ کے باعث ان کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں مل رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک، آپ سنائیں؟" وہ فائلز کی ترتیب ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹھیں کھڑے کیوں ہیں؟" عمر کو کھڑا دیکھ کر وہ چونکی۔

"جی فری تھا سوچا کہ آپ کے ساتھ ایک کپ کافی پی جائے باہر جا کر لیکن آپ نے تو باہر جانا نہیں ہے۔ اس لیے یہیں کافی پینے چلا آیا۔ اب وہ بھی اگر آپ کی طبع نازک کو ناگوار نہ گزرے تو......" عمر کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا اس کے ساتھ گزرے پچھلے تجربات کی روشنی میں بولا۔

"جی شیور، میں منگواتی ہوں۔" صفا نے باہر جا کر کافی پینے والی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہا اور انٹرکام پر کافی کا آرڈر دیا۔

"ایک بات کرنی تھی آپ سے۔" وہ کچھ لمحے اسے فائلز کو ترتیب دیتے دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"ایکچوئلی کسی سے ملوانا ہے آپ کو۔" عمر کی اس بات پر صفا چونکی۔

...میرا کوئی سوشل سرکل نہیں ہے اور...

...کے لیے پلیز مجھے کسی سے نہیں ملنا۔" اس نے کسی قدر...

کرے۔

"جی صفا، میں جانتا ہوں۔ آپ کی عادات بھی اور مورل ویلیوز بھی مگر......" وہ کہتے ہوئے رکا کہ کیسے...

"اصل میں...... یوں سمجھیں کہ وہ خود آپ سے ملنے میں انٹرسٹڈ ہیں۔ آپ ایک بار مل لیں ان سے، ایک
بار۔ جہاں آپ چاہیں گی۔ آپ دوبارہ ان سے نہیں ملنا چاہیں گی تو وہ آپ کی بات مانیں گے اور کسی بستر مرگ پر
لیٹے شخص کی خواہش پوری کرنا تو عین ثواب کا کام ہے۔" عمر اس کے چہرے کو بغور دیکھتا آہستہ آہستہ...
پر صفا کی گرفت اور دلچسپی دونوں ختم ہوگئی تھیں۔

"کک...... کون...... ہے ایسا عمر سر اور مجھ سے کیوں ملنا ہے اس نے؟" اس کی آواز ہلکی سی کپکپائی۔

"سلیم احمد...... آپ کے والد۔" عمر نے کچھ لمحے اس کو دیکھنے کے بعد آہستہ سے کہا۔

صفا نے جیسے ہی بات کی اہمیت کو محسوس کیا وہ ضبط نہ رکھ سکی اور اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ اس
نے بولنے کی کوشش کی مگر کچھ کہہ نہ سکی اور گلا رندھ گیا۔

"میں نے رقم ان تک پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ انہی کے اصرار پر آپ کا نام
بتانا پڑا، اب وہ آپ سے ملنے کے لیے بضد ہیں۔ بتائیے پھر میں کیا کرتا۔" عمر نے تفصیل بتائی۔

"عمر سر آپ کچھ بھی کہہ دیتے، میں ان سے ملنا نہیں چاہتی۔ اسی میں عافیت ہے ہم سب کی۔" وہ بے بسی سے
بولی۔

"یہ ان کا حق ہے صفا اور اس سے آپ انکار نہیں کر سکتیں۔ اس سے نہ تو آپ کی زندگی پر کوئی فرق پڑے گا نہ ہی
آپ کی ویلیوز پر۔"

"زندگی پر ہی تو اثر پڑے گا عمر سر۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ بستر مرگ پر پڑے شخص، کیا وہ بہت بیمار ہیں، آپ خود ان سے ملے ہیں؟" اس
نے روہانسی ہو کر پوچھا۔

"جی بہت کمزور ہوگئے ہیں، جسمانی کمزوری سے بڑھ کر اعصابی طور پر ٹی بی نے ان کے پھیپھڑوں کو بہت
نقصان پہنچایا ہے۔ ایسا لگتا ہے بیماری کے علاوہ بھی کوئی روگ ہے جو ان کو دن بدن ختم کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... میں ان سے ملوں گی۔" صفا نے اچانک کہا۔ عمر نے بے اختیار ایک طویل سانس خارج کی۔
اسی پل دستک دے کر پیون کافی کے ہمراہ اندر آیا۔

"صادق...... یہ فائلز لے جا کر عمران کو دیں۔ ان سے کہیں آج شام تک یہ ڈیٹا انٹر ہو جانا چاہیے۔" عمر نے
پیون سے کافی کا کپ لے کر میز پر رکھا اور صادق سے فائلز اٹھانے کو کہا۔

"اور مس صفا، آپ مجھے پے رول کا اسکیجول دکھائیں تاکہ اس کو چیک کر کے فائنل کیا جا سکے۔" جیسے ہی صادق
نے فائلز اٹھائیں عمر نے پروفیشنل طریقے سے صفا کو مخاطب کیا۔ وہ کسی بھی حوالے سے صفا کے کردار کو مشکوک نہیں
کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسٹاف میں صفا کی ریزرو نیچر سے ہر کوئی واقف تھا اور عمر نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کبھی کبھار آ کر
بیٹھ جانا اس کے لیے کوئی مشکل پیدا نہ کر دے، اس لیے وہ اس حوالے سے بہت محتاط رہتا تھا اور صادق کو یہ باور کراتا

مشہور تھا کہ وہ یہاں کام کے لیے ہی بیٹھا ہے۔ صفا نے سر ہلا کر مانیٹر سے دیکھ کر اسے اعداد و شمار بتانے شروع کیے،
تاہم دونوں کے ذہن میں سلیم احمد سے ہونے والی متوقع ملاقات ہی گردش کر رہی تھی۔

❁......❁......❁

"اور سناؤ سلیم احمد، کیسا محسوس کر رہے ہو بیٹی سے مل کر؟ خوش تو بہت لگ رہے ہو۔" جمیل احمد نے سلیم سے
پوچھا جیسے ہی وہ حرا کے گھر سے آ کر بیٹھے تھے۔

"بہت...... بہت خوش ہوں جمیل بھائی، جتنا شکر ادا کروں مالک کا کم ہے۔ بس جس طرح اس نے مجھے میری
ایک بچی سے ملایا ہے باقیوں سے بھی مل لوں، ان کو دیکھ لوں اور کچھ نہیں مانگتا۔" وہ عاجزی سے بولے۔

"اچھا سنو سلیم احمد میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہا تھا یا مشورہ سمجھ لو اگر تمہارے ذہن میں کوئی حل ہے تو بتاؤ۔"
جمیل احمد الجھے ہوئے انداز میں بولے چہرے پر انتہائی سنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔

"جی جمیل بھائی کہیں کیا بات ہے؟ میرے لائق کوئی خدمت ہے تو بتائیں، مجھ سے جو بن پڑا وہ کرنے کی
کوشش کروں گا۔" سلیم احمد سنجیدگی سے بولے۔

"تم سے شاید ایک دو بار پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ مومن تمہاری بیٹی حیا سے شادی کا خواہاں ہے۔" انہوں نے
کھنکار کر کہنا شروع کیا۔

"اور تمہیں نسرین کی ضد کا بھی بتایا تھا کہ وہ جب تک زندہ ہے اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کرے گی۔ ادھر مومن
بھی ضد پر اڑا ہوا ہے کہ شادی کرے گا تو حیا سے ورنہ اس کی شادی کا نام نہ لے کوئی۔ تمہاری بہن کی اور مومن کی گھر
میں روز یہی بحث چل رہی ہے۔ ہاجرہ اور حرا کئی لڑکیاں دیکھ آئیں مگر لڑکا راضی ہو تب ہی بات بن سکتی ہے۔ اب کل
ہی حرا کی ماں ایک لڑکی دیکھ کر آئی ہیں، ان کو کھانے پر بھی بلا لیا اور مومن ہے کہ وہ بات سن کر ہتھے سے اکھڑ کر جھگڑا
کر کے گھر سے چلا گیا۔ اس کی اب بھی وہی ضد ہے حیا چھوٹی ہے ابھی پڑھ رہی ہے، ہم انتظار کر لیتے کہ ہو سکتا ہے
کبھی نسرین نرم پڑ جائے مگر تمہاری بہن کو جب سے جوڑوں کا مرض لاحق ہوا ہے کئی اور بیماریوں نے بھی ساتھ ہی
آ گھیر رکھا ہے۔ یہ پلک جھپکنے سے پہلے گھر میں بہو لانا چاہتی ہے اور بیٹا ہے کہ [illegible] پر پانی نہیں پڑنے دے رہا۔"
انہوں نے ساری بات کھول کر رکھ دی۔ سلیم احمد نے غور سے ساری بات سنی پھر طویل سانس لے کر گویا ہوئے۔

"آپ کی بات درست ہے جمیل بھائی اور مجھے تو اپنی بچی کے لیے مومن سے بڑھ کر اور کوئی عزیز نہیں۔ مجھے اگر
ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ نسرین میری بات مانے گی تو میں جا کر اس کے پاؤں پکڑ کر اسے منا لیتا مگر کیا کروں کہ
نسرین کا یہ نظریہ میری کرنی کا ہی پھل ہے۔ میں تو خود سے آنکھ ملانے کے قابل ہی نہیں، کسی دوسرے کا کیا ہی مسئلہ
حل کروں گا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میں اس معاملے میں کوئی مشورہ دینے کے قابل بھی نہیں۔" وہ شرمندہ ہو کر بولے۔

"بیوی کو نہیں بیٹی کو تو سمجھا سکتے ہو سلیم، بیٹی کو منا لو تو تمہاری سرپرستی میں ہم مومن اور حیا کا نکاح کر لیتے ہیں۔
نکاح کا سن کر نسرین کے پاس رخصتی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہے گا۔ میں نے اس موضوع پر بہت سوچا ہے،
میرے پاس اس کے سوا اور کوئی حل نہیں ہے۔" ہاجرہ بیگم نے دوٹوک انداز میں کہا۔ سلیم احمد کی تو آنکھیں پھٹ گئیں
ہاجرہ بیگم کا یہ حل سن کر۔

"آپا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نسرین کا اتنا قرض دار ہوں کہ اپنی بقایا زندگی دے کر بھی وہ قرض نہیں چکا
سکتا۔ جو آپ کہہ رہی ہیں وہ کر کے میں نسرین کا ایک اور قرض کیسے اپنے سر لے سکتا ہوں؟" سلیم احمد نے ہارے
ہوئے لہجے میں کہا۔

...کا بوجھ کم کرو گے۔ یہ اور بات ہے کہ بھلے نسرین اس وقت واویلا کرے
یا شور مچائے مگر ایک وقت آئے گا کہ وہ اس فیصلے کو زبان سے نہیں تو دل سے ضرور سراہے گی۔" ہاجرہ بیگم
سلیم احمد کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔

"بیٹیاں تو بادشاہوں کو بھی گھروں میں بٹھانے کا حکم نہیں، ارے بادشاہوں کو چھوڑو، انبیاء کرام نے بھی اپنے
جگر گوشوں کو اپنی دہلیز سے رخصت کیا۔ چندے آفتاب، چندے ماہتاب لڑکیوں کے بھی ایک عمر تک رشتے آتے
ہیں پھر مڑ کر کوئی نہیں پوچھتا۔ سوچو آج نسرین ان کے سر پر ہے۔ ماں، باپ سدا سلامت نہیں رہتے، اکیلی لڑکی
کیسے زندگی کے جھمیلوں سے الجھتی پھریں گی۔ عورت جتنا بھی پڑھ لکھ جائے، جتنے بڑے عہدے پر کیوں نہ پہنچ
جائے، اسے ماں، باپ کے گھر سے رخصت ہونا ہی ہوتا ہے کہ یہی زندگی کا حسن ہے اور یہی شریعت کا حکم۔ کیا
ہوسکتا ہے اس معاملے میں تم پہلا قدم اٹھا کر اس بند کا راستہ کھول دو جہاں نسرین کے غیر فطری فیصلوں پر حاوی
ہوتے فطری راستے کسی روشنی کی تلاش میں ہیں۔" وہ سلیم احمد کے قریب ہوتے ہوئے بولیں۔

"واقعی سلیم، اس انداز سے تو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں تو فقط تم سے مشورہ چاہ رہا تھا۔ یہ تو الگ ہی راہ
دکھائی ہے حرا کی ماں نے۔" جمیل احمد نے پرجوش ہو کر کہا۔

"بخدا میں یہ بات کبھی نہ کرتی سلیم احمد اگر جو میں تمہاری بچیوں کا بھلا نہ چاہتی اور پھر میرا بیٹا بھی تو میرے
مقابل آ کر کھڑا ہوگیا ہے۔ مجھے بتاؤ میں اور کیا کرتی۔" ہاجرہ بے بسی سے بولیں۔

"اب میں یہ تمہارے اوپر چھوڑتی ہوں کہ تم نسرین کو دکھ نہیں دینا چاہتے تو کسی طرح مومن کو راضی کرو کہ
جہاں میں کہوں وہاں شادی کے لیے مان جائے نہیں تو حیا کو راضی کرو۔" ہاجرہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"کیا سوچ رہے ہو سلیم احمد؟" جمیل احمد نے انہیں گم صم بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔ سلیم احمد نے ایک طویل سانس لی
اور گویا ہوئے۔

"سوچ رہا ہوں کہ نسرین بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے، میں نے جو اس کے ساتھ کیا اس نے اس کا اعتبار دنیا کے ہر مرد
سے اٹھا دیا اور ہاجرہ آپا بھی غلط نہیں کہہ رہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولے تھے۔

❀......❀......❀

جمیل احمد اور ہاجرہ بیگم کسی رشتہ دار کی عیادت کے لیے نکلے تھے جو کہ ہاسپٹلائزڈ تھا جب مومن اکیڈمی سے تھکا
ہارا گھر آیا تھا۔ ماں سے ناراضی کے اظہار کے طور پر اس نے گھر دیر سے آنا شروع کر دیا تھا، اکیڈمی کے بعد کسی دوست
کے گھر بیٹھا رہتا یا عمر کے ساتھ کہیں نکل جایا کرتا تھا۔ آج سلیم احمد گھر پر اکیلے تھے تو وہ ان کے پاس چلا آیا۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں ماموں، طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" وہ میز پر چابیاں اور موبائل رکھتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام! بالکل ٹھیک ہوں، کرم ہے پاک پروردگار کا۔ تم سناؤ برخوردار آج کل گھر پر کم نظر آتے ہو،
خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے فائل بند کر کے اپنے ساتھ رکھ لی جس میں انہوں نے اپنی بیٹیوں کی تصاویر لگائی
ہوئی تھیں، جنہیں جب بھی اکیلے ہوتے دیکھتے رہتے، عجیب بات تھی کہ تصاویر دیکھنے کے بعد تو بچیوں سے ملنے کی
تڑپ اور شدید ہوگئی تھی۔

"جی ذرا مصروف تھا۔ سی ایس ایس کی تیاری کے لیے کمبائن اسٹڈی کے لیے کبھی میں دوستوں کی طرف چلا
جاتا ہوں، کبھی وہ میرے پاس آ جاتے ہیں۔ خیر مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

سلیم احمد سمجھے کہ مومن بھی حیا کے سلسلے میں ہی بات کرنے والا ہے اس لیے انہوں نے سوچ لیا کہ وہ مومن کو

... خود نہ بات کر لیں کہ وہ کیا چاہتی
ہے کسی کو بھی ابھی اس حوالے سے مثبت جواب نہیں دیں گے جب تک حیا سے

"میرے دوست کو تو دیکھا ہوگا آپ نے، عمر سے مل چکے ہیں آپ کئی بار۔" اس نے تمہید باندھی۔ سلیم احمد کے
اعصاب ڈھیلے ہوئے کہ بات وہ والی نہیں تھی جو وہ سمجھ رہے تھے۔

"وہ ایک پرائیویٹ بینک میں کام کرتا ہے۔ برانچ منیجر کے عہدے پر فائز ہے۔ آپ کی صاحب زادی صفا سلیم
احمد اسی کے ساتھ بینک میں کام کرتی ہے۔ آپریشن منیجر کے طور پر۔" جیسے ہی مومن نے صفا احمد کا نام لیا سلیم احمد
اچھل پڑے۔

"صف...... صفا میری بیٹی...... میری گڑیا...... ہاں بتایا تھا مجھے حیا نے پھر...... پھر کیا بتا رہے تھے تم صفا کے
بارے میں؟" وہ تڑپ کر بولے۔

"جی اسی طرف ہی آ رہا ہوں۔" وہ ان کا ردعمل دیکھ کر مزید سنجیدہ ہوا۔

"صفا احمد بہت ریزرو ہیں، تین سال کے اس عرصہ میں ان کا امیج ایک سخت اور کسی حد تک روکھے آفیسر کا ہے۔
عمر اور صفا احمد کو کئی بار فیلڈ میں اور آفس میں اکٹھے کام کرنا پڑتا ہے اور ایک دن صفا نے عمر کو ایک ایڈریس دیا کہ اس
ایڈریس پر کچھ رقم پہنچانی ہے وہ بھی ان کا نام ظاہر کیے بغیر اور ایسا ہر ماہ کرنا ہوگا۔ جانتے ہیں انہوں نے عمر کو کس کا
ایڈریس اور نام دیا تھا؟" مومن کے انداز میں تجسس تھا۔

"کس کا؟" سلیم احمد نے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کا ماموں...... آپ کا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ان کو پتا چلا تھا شاید اماں سے کہ آپ بیمار ہیں۔ عمر تو آپ سے ملا ہوا تھا۔ جانتا بھی تھا کہ آپ کہاں سے آئے
ہیں، فوراً ہی سمجھ گیا کہ صفا احمد آپ کا ذکر کر رہی ہیں۔ عمر نے اس وقت تو ان سے رازداری کے وعدہ کے ساتھ رقم لے
لی اور آپ تک پہنچانے کی تسلی بھی کرا دی مگر جب عمر کی مجھ سے بات ہوئی تو ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ قدرت ایک
موقع دے رہی ہے تو کیوں نہ ایک باپ سے اس کی ایک اور بیٹی سے ملا دیا جائے اور کیونکہ بچھڑے ہوؤں کو ملانا تو
ثواب کا کام ہے اس لیے عمر نے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا صفا احمد سے کہ آپ کسی بھی طریقے سے رقم لینے کے لیے
تیار نہیں ہیں۔ مجبوراً ہم نے صفا احمد کو آپ کا نام بتایا اور کہا کہ آپ صفا سے ملنے کے لیے بضد ہیں۔ خوشی کی بات یہ
ہے کہ صفا بھی تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد آپ سے ملنے پر راضی ہوگئی ہے اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ صفا احمد کو آپ
سے یہاں ہمارے گھر پر ملنا چاہیے تاکہ بعد میں بات کھل بھی جائے تو وہ بہانا بنا سکیں کہ وہ حیا کی ٹیوشن کے سلسلے میں
میرے پاس آئی تھیں مزید یہ کہ ابھی حیا اور صفا دونوں سے ہی آپ کا ایک دوسرے سے ملنا مخفی رکھا جائے گا۔" مومن
کی بات ختم ہونے کی دیر تھی کہ سلیم احمد ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ ان کے اس عمل پر مومن
پریشان ہوگیا۔

"ارے ماموں، میں نے آپ کو اتنی خوشی کی خبر سنائی ہے اور آپ ہیں کہ خوش ہونے کی بجائے رو رہے ہیں۔"
مومن نے ان کے قریب آ کر تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"مومن...... میں خوشی سے رو رہا ہوں یار اور سوچ رہا ہوں کہ میرا رب کتنا مہربان ہے۔ میں نے صرف اپنی
بیٹیوں کو دیکھنے کی خواہش کی تھی اور وہ کریم رب ایک کے بعد ایک میری بچیوں کو مجھ سے ملانے کے اسباب پیدا کر رہا
ہے۔" انہوں نے رومال سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

تھامااور سسپنس پیدا کرتے ہوئے بولی۔
’’پلیز عائشہ، جو بھی کہنا ہے جلدی کہو، مجھے کام کی ٹینشن ہو رہی ہے، چار بجے تک ہم نے کام فائنل کرنا ہے۔‘‘ وہ بےزاری سے بولا جس سے عائشہ ذرا بجھ سی گئی مگر ریان کا مزاج جانتی تھی اس لیے نظر انداز کر کے بولی۔
’’میں چاہ رہی ہوں کہ ہم دونوں بیٹھ کر اپنی شادی کے ایونٹ پلان کرلیں پھر اس کے بعد باری آئے گی ایونٹ آرگنائزر ہائیر......‘‘
’’ایک منٹ...... ایک منٹ......‘‘ ریان نے اس کی بات کاٹ دی۔
’’تم...... تم نے اس فضول بات کے لیے مجھے اور مس شفا کو ڈسٹرب کیا۔ میرا اتنا فضول وقت ضائع کیا۔‘‘ ریان جیسے کسی شاک کی کیفیت میں بولا تو اس کی بات نے عائشہ کو بھی اچھا خاصا صدمہ پہنچایا۔
’’یہ فضول بات ہے تمہارے نزدیک؟‘‘ وہ صدمے کی سی کیفیت میں بولی۔ ریان نے کچھ لمحے عائشہ کی شکل دیکھی اور پھر اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔
عائشہ کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ کسی نے آج تک اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا۔ ایک آگ تھی جو اس نے اپنے اندر جلتی محسوس کی، چند لمحے وہ یوں ہی ساکت بیٹھی رہی پھر شدید غصے کی حالت میں پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❀......❀......❀

’’عائشہ...... اس وقت کہاں ہو بیٹا؟‘‘ وہ غصے میں بھری گاڑی کی اسپیڈ پر اپنا غصہ نکال رہی تھی جب اسے اسد صاحب کی کال موصول ہوئی۔
’’راستے میں ہوں بابا...... گھر ہی آرہی ہوں، کیوں خیریت؟‘‘ وہ بجھی بجھی سی آواز میں بولی۔
’’ہم...... کیا تمہاری ریان سے بات ہوئی آج؟‘‘ اسد صاحب نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔
’’جی ہوئی تھی مگر وہ اتنا بدتمیز انسان ہے کہ میں اب اس سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی اور نہ ہی آپ مجھے ایسا کرنے پر فورس کریں گے جب تک وہ اپنے رویے کی مجھ سے معافی نہ مانگ لے۔‘‘ وہ نروٹھے لہجے میں بولی۔
’’ریان نے کچھ دیر قبل آفس سے اپنا ریزائن نوٹس بھجوایا ہے۔ گھر آؤ میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔ مجھے پوری بات بتاؤ کہ ایسی کیا بات ہوئی ہے تم دونوں کے بیچ کہ جس نے اس کو اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کردیا۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولے۔ ان کی بات سن کر عائشہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ گاڑی اڑاتے ہوئے گھر پہنچی۔ اسد صاحب بےچینی سے لاؤنج میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے پہنچتے ہی انہوں نے اس سے ساری تفصیل پوچھی۔ عائشہ نے انہیں بتایا کہ وہ تو شادی کے فنکشنز کو ڈسکس کرنے گئی تھی لیکن اس کی بات سنتے ہی ریان ایک دم غصے سے بےقابو ہوگیا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔
’’اس میں آپ کو کوئی ایسی بات نظر آئی ہے کہ جس سے بندہ ایسا اموشنل اسٹیپ اٹھائے۔‘‘ اب اسے ریان پر غصے سے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔
’’عائشہ، ریان ایک خوددار اور سیلف میڈ نوجوان ہے، وہ تو پہلے ہی میرے پاس کام کے خلاف تھا کہ اسے اس قسم کی فیورز کبھی بھی اچھے نہیں لگیں جو میری طرف سے اس کو بھانجا سمجھ کر دیے گئے، جانتی ہو کہ وہ اپنے آپ کی نظر میں سرخرو ہونے کے لیے اپنی ڈیوٹی سے بڑھ کر کام کرتا ہے۔ اس نے مجھے آفس میں کبھی ماموں کہہ کر نہیں بلایا نہ ہی اس رشتے کے حوالے سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا اور مختصر سے عرصے میں ثابت کردیا کہ اس سیٹ کے لیے اس

’’سمجھاتے ہوئے وہ اس کے مقابل ہوکے پڑے۔
ہے جو کوئی ڈیزرو نہیں کرتا اور تم......
تمہارا رویہ اسے بار بار یہ باور کراتا ہے کہ وہ اگر اس مقام پر ہے تو تمہاری وجہ سے ہے اور تم اگر چاہو تو اسے اوپر بھی لے جا سکتی ہو اور نیچے بھی پھینک سکتی ہو۔ وہ کوئی عام لالچی نوجوان ہوتا تو شاید تمہیں خوش رکھنے کے لیے ایسا کر گزرتا جو تم کہتیں اور تم سے اپنے مفاد میں کئی فیورز لے لیتا لیکن ریان عام لوگوں سے مختلف ہے اور زندگی کی کامیابی کی کنجی ہے۔ آپ چاہے جس فطرت کے بھی مالک ہو لیکن اگلے بندے کو اس کی فطرت کے مطابق ڈیل کرو تو آپ بھی مشکلات سے بچ جاتے ہو اور دوسرے کو بھی بچا لیتے ہو۔‘‘
’’بابا...... کیا اس کی زندگی پر میرا کوئی حق نہیں؟‘‘ عائشہ نے بچکانہ انداز سے شکوہ کیا۔
’’ہے...... تمہارا حق بھی ہے مگر ہر انسان کی ذات پر سب سے زیادہ حق اس انسان کا اپنا ہوتا ہے اور رشتوں کو اہمیت دینی چاہیے ورنہ کھینچا تانی میں ان کے ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اب تم کو اسے نہ صرف اس فیصلے سے باز رکھنا ہے بلکہ آئندہ ایسی کوئی بے وقوفی نہیں کرنی جس سے آج وہ ریزائن دینے پر مجبور ہوا ہے مجھے اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ کہیں وہ کل کو تم سے بندھے تعلق پر بھی نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس مسئلے کو کیسے حل کرتی ہو؟‘‘ اسد صاحب نے عائشہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

❀......❀......❀

’’بس بھئی مت پوچھو کہ دیکھنے میں وہ خاتون بالکل لڑکی اتنی خوب صورت، ویل ڈریسڈ، ویل ایجوکیٹڈ اور اسمارٹ ہے مگر کوئی اس کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنی ینگ ایج میں وہ ایک ایسی بیماری کا شکار ہے جو بظاہر تو نظر نہیں آتی مگر اندر سے انسان کو توڑ پھوڑ دیتی ہے۔‘‘ شفا اپنی بہنوں کو عائشہ کے بارے میں بتا رہی تھی۔
’’پہلے پہل تو اس کا رویہ مجھے اتنا برا لگا کہ اگر ریان مجھے اشارہ نہ کرتا تو میں نہ جانے اسے کیا کیا سنا دیتی۔‘‘
’’شفا باجی، بچ کے رہا کریں ایسے لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ کب کیا کردیں۔ مجھے تو بھئی ایسے لوگوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔‘‘ شاہ جہان جو وہیں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا فوراً بولا۔
’’تمہیں کس نے کہا کہ ہر معاملے میں بولو۔‘‘ حیا نے اسے ٹوکا۔ شاہ جہان منہ بنا کر چپ ہوگیا۔
’’اب تم دونوں لڑائی شروع کردو۔ شاہ جہان تم ذرا پارلر چلے جاؤ۔ میں وہاں میڈم کو کاسمیٹکس کی لسٹ چھوڑ آئی ہوں وہ لے آؤ۔ میں آرڈر کردوں گی نہیں تو پھر ذہن سے نکل جائے گا۔‘‘ حیا نے شاہ جہان کو ہدایت دی۔
’’ہاں بھئی کیا ہو رہا ہے؟‘‘ اسی پل بڑی بیگم نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
’’کچھ نہیں اماں، بس آپ ہی کا انتظار تھا، آپ آئیں گی تو کھانا ساتھ کھائیں گے۔ آپ بتائیں آج بے وقت کیسے سوگئیں۔‘‘ حیا اپنے برابر میں صوفے پر ان کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی۔
’’ہاں بس...... بہت عرصہ بعد ایسے وقت نیند نے آن لیا، ورنہ تو وہ وقت بے وقت کی نیندیں خواب ہوئیں۔ صفا کیا ہوا، بہت خاموش ہو؟‘‘ اچانک بڑی بیگم کی نظر خاموش بیٹھی صفا پر پڑی۔
’’کچھ نہیں اماں، آج کوئی کام نہیں کرنے والا تو بس سستی سے محسوس ہو رہی ہے۔‘‘ وہ سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔
’’اماں، ایک بات تو بتائیں۔‘‘ حیا نے کتاب بند کرتے ہوئے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔
’’جی بیٹا، پوچھو کیا بات ہے؟‘‘ وہ پیار سے بولیں۔
’’کبھی اگر سرِراہ آپ کو ابا مل گئے تو کیا کریں گی آپ؟‘‘ حیا کے اس غیر متوقع سوال پر وہ سب سنانے میں

آ گئیں۔

"انہوں نے کون سا اچھا کیا ہے ہمارے ساتھ جو ہم رک کر ان سے میل میلاپ کریں گے۔" شفا نے غصے سے کہا۔

"وہ شخص جب بھی میرے پاس آیا۔ میری کسی نہ کسی قیمتی متاع کو مجھ سے چھین کر لے گیا۔ سوائے ابتدائی دنوں کے اور تو اور اس نے میری جان، میری بچی، میری ودیعہ کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب تو میں ہر لمحہ یہی دعا کرتی ہوں کہ اب سلیم احمد میرے سامنے کبھی نہ آئے۔ نہ ہی مجھ میں اب کسی کو کھونے کی ہمت بچی ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولیں۔

"صفا.... اماں کے کمرے میں میز پر ان کی میڈیسن رکھیں ہوں گی۔ بھاگ کر وہ لے آؤ اور شاہ جہاں تم جلدی سے دعا سے کال کر کے پوچھو وہ اس وقت کہاں ہے؟" حیا کو ملامت سے دیکھتے ہوئے شفا جلدی سے اماں کے پاس آن بیٹھی اور ان کے لرزتے جسم کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا۔

❀.....❀.....❀

"ہاں تو بی بی، کون سے مظلومیت کے قصے سنا دیے اپنی میڈم کو، جو وہ ان کی پڑتال کرنے یہاں تک چلی آئی۔ غضب خدا کا یہ صلہ دے رہی ہو ہماری اچھائیوں کا۔" وہ اچانک ہی بہن، بھائی کے اس کمرے میں داخل ہوئی جو بیک وقت کاٹھ کباڑ رکھنے کے لیے اسٹور کا کام بھی دیتا تھا اور ان دونوں کی رہائش کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔

"اور تم تو تلے۔" روئے سخن تیمور کی طرف ہوا۔

"میری بات کا جواب دیتے اور کام کاج کرتے تمہیں موت آتی ہے۔ اس میڈم کے سامنے کیسے بھولے بن کر بیٹھ گئے۔ کیا کہہ رہی تھی وہ تم سے؟"

"مم.... میں.... وہ.... تائی۔" اس پل تیمور کو ڈاکٹر کی تمام نصیحتیں، حیا کے لیکچرز سب کچھ بھول گیا تھا اور اب تو اس عورت کا چہرہ جواب ایک خوفناک چڑیل کی شکل میں بدل گیا تھا جس کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا جس سے وہ بچپن سے دو تین سال پہلے تک اسے مارتی آئی تھی۔ اس ڈنڈے کی کمر پر چوٹ کا احساس تازہ ہوتا تھا کہ تیمور باقاعدہ کانپنے لگا۔

"مم.... میں.... کچھ.... کچھ نہیں کروں گا۔ آئندہ معاف کر دیں۔ ایک بار معاف کر دیں۔" اونچے لمبے مرد کو پہلے والی بلکہ پہلے والی سے بھی بدتر حالت اور کمزوری میں دیکھ کر زرین کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وہ خود ہی آئی تھیں تائی جان میں نے ان کو کچھ نہیں بتایا۔ آپ بتائیں کیا کام ہے؟" زرین نے ہولے سے تیمور کا کانپتا ہاتھ تھام کر تائی کو وہاں سے ہٹانا چاہا۔

"ارشد بلا رہا ہے تمہیں، کھانا کھلا دو اسے آ کر۔ ضد کر رہا ہے تمہارے ہاتھ سے کھانے کی اور بہت ہو گئی تو تلے کی ناز برداری اسے کہو یہ رونا اور ٹسوے بہانا چھوڑے اور دکان پر تایا کا کھانا لے کے جائے۔" دونوں کو کینہ توز نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں اور زرین کتنی ہی دیر بھائی کے کانپتے وجود کو سنبھالتی رہی تھی۔

❀.....❀.....❀

روتے ہوئے صفا کی ہچکیاں بندھ گئیں تو سلیم احمد بھی خود پر قابو نہ رکھ سکے اور ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

"مجھ سا بدبخت بھی کوئی ہوگا بھلا۔ جس نے اپنے ہاتھوں اپنی جنت اجاڑ دی۔ اپنے چمن کے پھولوں کو بے دردی سے نوچ دیا۔" انہوں نے صفا کو خود سے الگ کرتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔ اسی دوران انہیں شدید کھانسی کا

دورہ پڑا تھا۔

"بس کریں، مت روئیں، دیکھیں تو کیسی حالت ہو گئی آپ کی۔" صفا نے جلدی سے انہیں صوفے پر بٹھایا اور ان کی پیٹھ کو سہلاتی ہوئی تشویش سے بولی۔

❀.....❀.....❀

صفا گھر سے آفس جانے کے لیے نکلی تھی پھر پیدل ہی مومن کے گھر کی طرف آ گئی۔ راستے میں قدم رکھ کہیں رہی تھی اور پڑ کہیں رہے تھے۔ دل الگ تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ جمیل احمد گھر میں موجود نہیں تھے مگر ہاجرہ بڑے تپاک سے ملیں۔

"فکر نہ کرنا، یہاں سے بات باہر نہیں نکلے گی، مومن بتا رہا تھا کہ تم بہت فکر مند ہو اس حوالے سے۔ سلیم احمد میرا بھائی ہے اور تم میری بیٹی۔ اس کا حق ہے تم پر اور تمہارا اس پر۔ اس میں کسی شرمندگی یا احساس جرم میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، یہاں تم پر تمہاری ماں کے جذبات کا احترام کرنا بھی فرض ہے۔ مجھے تو تم سب بچیاں بہت پیاری لگتی ہو اور سب سے پیاری تمہاری یہ بات لگتی ہے تم سب اپنی ماں سے محبت اور ان کی خواہشوں کا احترام کرتی ہو۔ پاک پروردگار تم سب کے نصیب اچھے کرے اور ہر ماں کو تم جیسی اولاد نصیب کرے۔" ہاجرہ نے صفا کو گلے لگا کر پیار سے کہا۔

"جاؤ، تمہارا باپ بہت بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ صفا دھڑکتے دل کے ساتھ سلیم احمد کے کمرے کی جانب بڑھی۔ وہ صوفے پر وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا پھر جیسے وقت رک سا گیا تھا۔

"صفا.... میری بچی۔" سلیم احمد نے کھڑے ہو کر اپنے بازو پھیلائے۔ صفا جو دو دن میں کئی جملے سوچ چکی تھی، کئی مکالمے ترتیب دے چکی تھی، سب کچھ درمیان میں ہی رہ گیا تھا۔ دونوں کے بیچ اس وقت موجود تھا تو وہ پیار جس کو وہ ایک عرصہ سے ترس رہی تھی۔ وہ محبت جس کو ان بہنوں نے بچپن سے لے کر اب تک دل میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

"ابا.... یہ.... یہ کیا ہے، آپ کے منہ سے بلڈ کیوں آیا؟" جیسے ہی پانی پینے سے سلیم احمد کی حالت سنبھلی صفا کی نظر سامنے میز پر پڑے ٹشو پر پڑی جو خون سے بھرا ہوا تھا اور جس سے ابھی کچھ دیر قبل انہوں نے اپنا منہ صاف کیا تھا۔

"کچھ نہیں بچے.... یہ چھوٹے موٹے مسائل تو زندگی کا حصہ ہیں اور عمر بھی تو ہو چلی ہے نا اب۔ تمہیں دیکھ لیا۔ باقی سب کو بھی دیکھ لوں تو پھر زندگی سے کوئی گلہ ہی نہیں رہ جائے گا۔" وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ مسکرا کر بولے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

❀

ایشا گل

> کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی
> دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں
> میرا تو جرم تذکرۂ عام ہے مگر
> کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

”ارے کیا بتاؤں، بہن یہ بلقیس کی بہو جانے کس کی بچی اٹھا لائی ہے نہ ماں کا پتا نہ باپ کا، ابھی کل ہی گئی تھی بلقیس کی طرف تو افسردہ سی بتا رہی تھی، بہو کو بھی کیا کہے بھلا آج کل کی بہوؤں پہ کس کا زور۔“ راشدہ سر راہ ایک عورت کو روکے رازدارانہ انداز میں بلقیس سے سنی روداد سنا رہی تھیں۔ راشدہ چال باز خاتون تھیں اور اس وقت اپنے من پسند کام میں مشغول تھیں۔

”یہ تو راشدہ تم نے بجا فرمایا بھلا کس کی مجال کہ آج کل کی بہوؤں پہ رتی کس سکے الٹا ہمیں ہی دبکنا پڑتا ہے مگر چلو ہمیں کیا یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے جو مرضی کریں ہماری بلا سے۔“ دوسری عورت نے پہلے تو اپنی آنکھیں پھیلا کر حیرت ظاہر کرتے ہوئے اس نئی خبر کا خوب پیٹ بھر کے ذائقہ چکھتے چٹخارا بھرا پھر شانے اچکا کر بظاہر ہاتھ جھلاتے نخوت سے بولی۔

”ہاں بھلا ہمیں کیا میں تو بس اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل کلاں کو کوئی مسئلہ نہ پیش آ جائے اس بچی کو لے کر۔“ مسئلہ کھڑا ہوتا یا مسائل کا انبار لگتا یوں فکرمندی چھلکاتیں راشدہ ان کا مزا لینے بھی صف اول میں نمایاں پائی جاتی تھیں۔ اچھے بھلے لوگ بھی ان کی شاطرانہ چالوں کی زد میں آ جاتے تھے۔ وہ دونوں بلقیس کی بہو اور بچی کو موضوع گفتگو بنائے روبرو کھڑی تھیں جب ایک اور عورت اپنی زمین پہ رلتی چادر سنبھالتی چلی آئی۔

”کیا ہوا راشدہ، کس بچی کے مسئلے کی بات کر رہی ہو؟“ لہجہ متجسس تھا آخر کو راشدہ سنسنی خیز خبروں کی پٹاری جو تھیں۔

”آؤ...... آؤ بہن تم بھی سن لو یہ جو بلقیس کی بہو ہے ناں......“ پھر سے وہی بہو نامہ شروع ہو چکا تھا۔ ساری بات اس عورت کی سماعتوں میں بھر بھر کے پھونکی گئی جبکہ ان سے قدرے فاصلے پر ہاتھوں میں سودے کے شاپر اٹھائے آتی بلقیس اندر ہی اندر جلتیں کڑھتیں بے بسی بھرے غصے سے اتا چہرہ لیے خاموشی سے گزر گئیں اگر جو ان تینوں کی عقابی نظروں کے حصار میں مقید ہو جاتیں تو ایسے متھے چڑھتیں کہ اگلی صبح سے قبل جان خلاصی نہ ہو پاتی وہ تو راشدہ نامی رپورٹر کو خبر کی سرخ پٹی تھما کر پچھتا رہی تھیں۔

”کہاں ہو مہارانی صاحبہ پیچ سے اتر کر یہ سودے اٹھانے کی زحمت بھی کر لو۔“ بلقیس نے گھر آتے ہی سودے کے شاپر تخت پر پٹخے اور کڑک دار آواز میں بسمہ کو پکارا۔ بسمہ قریب ہی کچن میں تھی۔ فوراً بھاگی آئی مگر شاپر اٹھاتے اس کے ہاتھ تھمے۔

”کیا ہوا امی آپ ٹھیک تو ہیں؟ طبیعت کچھ ناساز لگ رہی ہے آپ کی۔“ بلقیس کو اپنا سر دباتے دیکھ وہ چونکی اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔ اس کے پوچھنے کی دیر تھی بس پھر کیا بلقیس تو بھرے غبارے کی مانند پھٹ پڑیں۔

”کیسے رہے گی میری طبیعت ٹھیک تمہارے سرانجام دیے گئے کارنامے کے بعد نا معلوم کس کی بچی اٹھا لائی ہو محلے بھر میں چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں، میں کہتی ہوں کہ کیا ضرورت تھی اتنی رحم دلی اور سخی پن دکھانے کی، پڑی رہنے دیتی اسے وہیں کوئی اور اٹھا لے جاتا، کوئی اور کما لیتا ثواب، تمہارا دل کیوں مچلا جا رہا تھا۔“

بلقیس درشتی سے بولیں۔

”ہونہہ ذلیل ہی کروا کے رکھ دیا پورے محلے میں اور ابھی تو برے رشتے دار باقی ہیں جب انہیں خبر ملے گی تو نہ جانے کیا کیا باتیں سننے کو ملیں گی۔“ بسمہ نے پژمردہ نگاہوں سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

”کیسی ذلت اور رسوائی امی، میں نے کون سا کوئی غلط کام کیا ہے ایک معصوم ننھی بچی سڑک کے کنارے پڑی بلک بلک کر رو رہی تھی میں کیسے اسے نظر انداز کر دیتی مانا کہ اللہ نے ابھی تک مجھے اولاد جیسی انمول نعمت سے نہیں نوازا مگر ایک ماں جیسا دل تو رکھتی ہوں میں بھی تو بھلا کیسے اتنی بے حس و سنگ دل بن کے اس ننھی سی جان کو فراموش کر دیتی اور آپ کیوں لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے دل کو ہلکان کر رہی، لوگوں کی تو ازل سے عادت ہے ہر دوسرے بندے کو موضوع گفتگو بنانے کی آج بول رہے ہیں تو دو چار دن بعد خود ہی چپ ہو جائیں گے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے امی۔ میں نے بالکل صحیح کیا ہے۔“ بسمہ ماں کے قریب ہوتے ہوئے بولی۔

”ہونہہ میں بھلا کیوں ہونے لگی خوش، کوئی قابل قبول کارنامہ سرانجام دیا ہوتا تو داد بھی دیتی، بلائیں لیتی تمہاری بلکہ باقاعدہ تمغہ پیش کرتی مگر ابھی تو میرا تم سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔“ انہوں نے بےزاری سے پہلو بدلتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر بسمہ کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ بس مغموم نگاہوں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”نا جانے لوگ اتنے بے شعور کیسے ہوتے ہیں کہ صحیح غلط کی پہچان رکھتے ہوئے بھی اس سے پہلو تہی کر جاتے ہیں۔ یا اللہ مجھے اس معصوم پری کو اپنی پناہ میں لینے کا کوئی غم کوئی پچھتاوا نہیں ہے، یا اللہ اس نازک موقع پر مجھے ثابت قدم رکھنا تاکہ میں اپنے اس نیک مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔“

☆......۞......☆

”ارے...... ارے چپ کر جاؤ گڑیا میں آ گئی ہوں ناں۔“ فیڈر لیے وہ اس بچی کے پاس آ کر بیٹھ گئی جو کہ سات سے آٹھ دن کی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ بسمہ کو اسے گھر لائے آج پانچواں روز تھا۔ بچی فیڈر منہ میں لے کر بسمہ کو دیکھنے لگی جسے دیکھ کر شاید اسے ماں تا کا احساس ہوا تھا۔

”اب کیا ہر وقت اسی کے سر جڑی رہو گی کسی اور کی بھی خیر خبر لے لیا کرو، آفس سے تھکا ہارا آیا ہوں نہ پانی کا پوچھا اور نہ روٹی کا۔“ بسمہ بچی کے ساتھ مصروف تھی جب صفوان اندر داخل ہوا

بھی کیونکہ مجھ پر بانجھ پن کا الزام جوڑ کر آپ لوگ کوئی نیکی تو کما نہیں رہے۔" بسمہ کی دل چیرتی باتیں بلقیس کو نظریں اور صفوان کو سر اٹھانے نہیں دے رہی تھیں۔ فائل ہاتھ سے چھوٹ کر پیروں میں گری پڑی اور رپورٹ والا صفحہ فائل سے باہر جھانکتا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"اور رہی بات اس بچی کی تو ایک اور حقیقت بتادوں کہ میرا بچپن بھی اس بچی سے کچھ مختلف نہ تھا۔" بسمہ کے طراوت بھرے لہجے اور بات نے دونوں ماں بیٹوں کو چونکا دیا مگر نظریں ہنوز فرش پر جمی تھیں۔

"مجھے بھی بالکل اسی کی طرح سڑک کنارے چھوڑ دیا گیا تھا۔" اس حقیقت پر دونوں نے یک لخت سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بچی پر نظریں گاڑے ہوئے تھی۔ گال پہ آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

"پندرہ سال کی تھی جب معلوم ہوا کہ میں جن کے گھر پل رہی ہوں ان کا اصل خون تو میں ہوں ہی نہیں۔ تب معلوم ہوا میری حقیقت کیا تھی، میں نے کبھی نہیں سوچا کہ مجھے چھوڑ کر جانے والے کون تھے، آخر کس مجبوری نے ان سے ایسا سخت قدم اٹھوایا ہوگا بلکہ میں تو یہی سوچتی ہوں کہ اگر ان فرشتہ صفت لوگوں نے مجھے اپنا نام نہ دیا ہوتا تو آج میرا کیا مستقبل ہوتا، آج میرا کون ساٹھکانہ ہوتا۔"

"بسمہ بیٹا۔" بلقیس جو اس کے انکشافات پر زمین میں دھنستی جارہی تھیں دکھی لہجے میں اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھیں کہ اس نے انہیں روک دیا۔

"نہیں امی آج بتانے دیں مجھے میری حقیقت کہ مجھے بھی کوئی لاوارثوں کی طرح سر راہ چھوڑ گیا تھا، چیخ چیخ کر رونے اور مرنے کے لیے مگر اس وقت ایک عورت نے ہی مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کی پناہ میں لیا تھا۔ ایک عورت نے مجھے اپنی گود کی گرمی بخشی تھی۔ ایک عورت نے ہی سب کی سخت ناراضی مول لے کر مجھے پالا اور نہ صرف ماں کا پیار دیا بلکہ باپ کی محبت دلوانے میں بھی کامیاب ٹھہری تھی۔ امی اس عورت نے میری ذات کو سوالیہ نشان بننے سے بچالیا تھا۔ مجھے نہیں جاننا کبھی کہ کون لوگ چھوڑ گئے مجھے، بس یہی یاد رکھنا ہے کہ جنہوں نے مجھے اپنایا...... انہوں نے مجھے اپنی پہچان دی، کیا یہ چھوٹی بات ہے؟" بسمہ چند لمحوں رکی اور پھر بولی۔

"مجھے فخر ہے ان دونوں پر جنہوں نے لوگوں کی باتوں کو پس پشت ڈال دیا، صرف میری پرورش اور تربیت پر توجہ لگا کر کسی، امی، کیوں دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی ہے؟" وہ لہجے پر قابو نہ رکھ سکی اور آنسو اس کی آنکھوں سے جاری ہوگئے۔ بلقیس نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا۔ ان کی آنکھوں میں پشیمانی صاف واضح تھی۔

"آپ نے مجھ سے کہا کہ نا جانے کس کی نا جائز بچی ہے، باپ کون ہیں، کون نہیں تو اسے ساتھ رکھنے کا سراسر کوئی فائدہ نہیں بلکہ اور بھی مضبوط تر ہوتا گیا کیونکہ امی میں بھی تو نا جانے کس کی بچی تھی۔ کون تھی میری ماں، کون تھا میرا باپ، علم تو مجھے بھی نہیں تو کیا اس بنا پر میں اسے چھوڑ دیتی۔ مجھے اس بچی میں اپنا بچپن دکھائی دیتا ہے جو بھلائی میری ماں بن کر اس عورت نے کی وہی بھلائی میں نے بھی اس بچی کے ساتھ کر دی تو کیا کوئی نسا کچھ غلط کیا میں نے، کیا بھلائی کرنا بری بات ہے؟" اس نے دھندلاتی آنکھوں سے بلقیس کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔ وہ دل میں موجود باتوں کو آج کھولنے کا فیصلہ کر چکی تھی تو جلد چپ نہیں ہونے والی تھی۔

"آپ نے کہا میں اسے اس لیے اٹھا لائی تاکہ آپ لوگ اپنے خون کا خیال دل سے نکال دیں، نہیں امی ایسا ہرگز نہیں ہے وجہ کیا تھی میں نے آپ کو بتادی بلکہ اگر میری حقیقت آج مختلف بھی ہوتی تو بھی میں اس بچی کے ساتھ بھلائی ضرور کرتی، اس کو بے آسرا بالکل نہ چھوڑتی کیونکہ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے مجھے دوسروں کی طرح سنگ دل نہیں بنایا۔ میرا دل انسانوں کی تکلیف پر تڑپتا ہے کیونکہ مجھ میں انسانیت موجود ہے۔" وہ کب سے بلقیس سے ہی مخاطب تھی مگر آخر میں اس نے قہر برساتی نگاہیں صفوان کی طرف بھی موڑیں جس نے کچھ دن پہلے اسے بچی کو پولیس اور کسی بے بی کیئر سینٹر کے حوالے کرنے کی تجویز دی تھی۔ نا جانے کیوں اس کی نظریں بسمہ کی نظروں سے مل نہیں پا رہی تھیں، شاید ان میں انتہا کی ندامت ٹھہری گئی تھی۔ وہ پہلے تو اپنا نادم وجود لیے کھڑا رہا مگر پھر اس کے کب سے پتھر بنے وجود میں حرکت ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر اس تخت پہ لیٹی بچی کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ بسمہ لمحے بھر کو حیران ہوئی مگر پھر خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتی رہی جو محبت سے کبھی اس بچی کی گال، کبھی ناک تو کبھی ہاتھ چھو رہا تھا۔

"کچھ دیر پہلے تک میں سوچ رہا تھا کہ اللہ نے مجھ میں باپ بننے کی خاصیت اس لیے نہیں ڈالی کہ شاید میں باپ کا پیار

کسی بچے کو دے ہی نہیں سکتا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ میں نے غلط سوچا۔" بلقیس اور بسمہ ہمہ تن گوش تھیں۔

"اللہ نے اس قدر خوب صورت پری کی نعمت بیٹھے بٹھائے ہمارے گھر اس لیے اتاری تاکہ ہم اپنے عمل سے ظاہر کر سکیں کہ کچھ رشتے صرف خون کے نہیں بلکہ دل کے بھی ہوتے ہیں اور دل کے رشتے تو کسی سے بھی جڑ سکتے ہیں اور یہ خونی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کیونکہ خون کے رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر دل کے نہیں۔" وہ رکا، بچی کا ہاتھ لبوں سے لگا کر چوما گیا اور مزید گویا ہوا۔

"یہ واقعی اللہ کی طرف سے انمول تحفہ ہے آج سے یہ صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ میری بھی بیٹی ہے تو کیا خیال ہے اس کا نام انمول ہی نہ رکھ دیں۔" اس نے آخر میں اچانک سے نام والی بات کی کہ بسمہ ہاں یا نہ کہہ ہی نہ پائی مگر وہ اس وقت کتنی مسرت سے بھر گئی تھی وہ بتانے سے قاصر تھی۔

"اور بسمہ میں نے تو آج دیکھا ہے یہ تو بہت ہی خوب صورت ہے۔" صفوان بچی کی ناک دبا تا خلوص محبت سے کہہ رہا تھا جبکہ بسمہ کی آنکھوں میں تشکر بھرے تاثرات جگمگا اٹھے۔

"مجھے معاف کردو بسمہ بیٹی...... میں پتا نہیں کیا کیا کہتی رہی اس بچی کے بارے میں، تمہیں چھوڑنے کے بارے میں۔" بلقیس بھی یکا یک ہی معذرت خواہ ہوئیں تو بسمہ نے پہلو میں گر کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"مجھے آپ سے کوئی گلا نہیں امی۔ سوائے اس کے کہ آپ نے میرا ساتھ کیوں نہ دیا، آخر کو آپ بھی ایک عورت ہی ہیں مگر خیر اب وہ گلا بھی ختم ہوگیا۔" وہ اتنی اپنائیت سے بولی کہ بلقیس نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔ اسی وقت یکے بعد دیگرے چار عورتیں کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئیں اور ساری ایموشنل سچویشن کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا۔

"ارے بھئی بلقیس۔ یہ بچی ابھی تک یہیں ہے تم نے تو کہا تھا کہ اس سے جلد ہی چھٹکارا پالو گی۔" راشدہ اپنا بھاری بھر کم وجود لیے ہاتھ نچا نچا کر بول رہی تھیں۔

"لو آگئیں یہ صبح صبح ہی۔" بلقیس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ انہوں نے تیکھے چتون سے انہیں دیکھا مگر ان سے کیا بحث کرتیں کہ ان کا تو وتیرہ ہی بگڑا ہوا تھا۔

"نہ کیوں بہن...... کیوں پاؤں میں اس سے چھٹکارا، کیا چلا جائے گا ہمارا جو اگر یہ ہمارے گھر پلتی رہے بلکہ ہمیں تو بیٹھے بٹھائے ایک شہزادی مل گئی دیکھو تو کتنی پیاری ہے۔" بلقیس نے آگے بڑھ کر بچی کو صفوان سے اپنی بانہوں میں لے جبکہ وہ عورتیں تو ہکا بکا سی کھڑی رہیں۔ ان کی اڑی رنگت والی صورتیں دیکھ کر بسمہ کو تو خوب مزہ آیا بلکہ کلیجے میں ٹھنڈ پڑی۔

"یا ایک ہی دن میں کایا کیسے پلٹ گئی، کہیں بلقیس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔" راشدہ نے اپنے ساتھ والیوں کو سرگوشی کی۔

"ہونہہ...... بہو نے پلا دیا ہوگا کوئی تعویز گھول کے ورنہ بلقیس ایسے کہے ہو ہی نہیں سکتا۔" دوسری عورت نے بھی کانوں میں گھستے ہوئے کہا۔

"اللہ بچائے ایسی بہوؤں سے توبہ ہے بھئی۔" تیسری عورت نے بھی اپنی بات ان کے کانوں میں انڈیلی جبکہ چوتھی عورت خاموش کھڑی رہی۔

"تم لوگ کیا کھسر پھسر کرنے لگیں کہنا ہے تو باہر جا کر کہو وہ بھی اونچی آواز میں بلکہ باقاعدہ اعلان کرنا کہ بلقیس کی بہو نے ایک بچی کی ذات کو سوالیہ نشان بننے سے بچالیا۔ تم لوگ سوچ رہی تھیں ناں کہ نا جانے کون ہے؟ کون نہیں تو آج سے اس کی شناخت یہ ہے کہ یہ میری پوتی ہے اور تم لوگ پوتی کی مٹھائی کھائے بنا تو جاؤ گی نہیں مگر ایک منٹ مٹھائی تو ہے نہیں تو ایسا کرتی ہوں بسمہ نے رات میں کھیر پکائی تھی وہی لے آتی ہوں کرلینا منہ میٹھا۔" بلقیس بچی کو بسمہ کی گود میں دیتی ہوئی کچن میں چلی گئیں جبکہ بسمہ ان کی اعلان والی بات پر دل کھول کر مسکرائی۔ آج وہ بچی کی زندگی سے سوالیہ نشان مٹانے میں کامیاب ہوگئی تھی اور ان کی ڈھکی عقل کے پردے سرکانے کی جنگ میں بھی فتح یاب ٹھہری تھی۔

پچھتاوا

شبانہ اسلم

اپنی ہر ایک شام ہر اک رات بیچ کر
اب آ گیا ہے جینا ہمیں ذات بیچ کر
ہم بھی ہیں کیا عجب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر

آئینے کے سامنے بیٹھی یک ٹک اپنا چہرہ دیکھتی یہ عورت کون تھی اور کیا سوچ رہی تھی؟ اس کی سوچ کا نقطہ ارتکاز حیرت اور بے یقینی کا ایک مکمل عنوان تھا۔

"کیا یہ وہی چہرہ ہے جو کبھی کھلتا گلاب ہوا کرتا تھا اور کیا یہ وہی ساحر آنکھیں ہیں جو مدمقابل کو اپنے سحر میں جکڑ لیا کرتی تھیں۔ ہاں یہ وہی چہرہ اور وہی آنکھیں ہیں مگر اب اس چہرے کی شادابی کی تاباں چمک جل چکی ہے اور آنکھوں کے چتون چتلیوں کے ساتھ مل کر اسے خزاں رت کی کوئی اجڑی یاد کا روپ دے رہے ہیں۔ اس کے ناز و اطوار کی باتیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔" اس کے منہ سے سسکی نکلی اور ڈھال ہو کر وہ اپنی گود میں جھکتی چلی گئی۔ وہ خود سے نظریں ملانے کی خود میں سکت نہیں رکھ سکتی تھی۔

وقت کی دھول نے نا صرف اس کا چہرہ بدل دیا تھا بلکہ دل کی دنیا بھی بدل کر رکھ دی تھی۔ اب یہ چہرہ کسی خوبصورت خدوخال کی مالکہ کا نہیں بلکہ ایک جھلسی ہوئی بدشکل عورت کا تھا۔ پچکی ہوئی تھوڑی، کئی جگہ سے اکٹھا ہو کر بدرنگ جھلسا ہوا ماس اور ادھ جلا بدن۔ اس کی عبرت ناک داستاں ان کہے لفظوں میں بیان کر رہا تھا۔ یہ تو تلخ حقیقت تھی کہ اس کی پہلی شناخت گم ہو چکی تھی۔ تاہم یہ سب کیونکر اور کیسے ہوا؟ یہ سوال دیکھنے والوں کے ذہنوں میں کلبلاتا تھا۔

وہ عورت کون تھی، کیوں ایسی ہو گئی تھی۔ ظلم ہوا یا خود سوزی کا شاخسانہ تھا، اعمال کا نتیجہ، کرنی کی بھرنی یا پھر مقدر کا لکھا آیئے چلتے ہیں آگہی کی طرف۔

......☆☆......

"ہیلو عالیہ! آج ثمرہ کی مہندی پہ کون سے کپڑے پہننے کا ارادہ ہے؟" ساحرہ نے اپنے گھر کی دیوار کے دوسری طرف آدھی سے زیادہ لٹکتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"میں...... میں تو پیلے رنگ کا گوٹے کناری والا جوڑا پہنوں گی اور تم؟" عالیہ نے فرش دھوتے جتا دیکھے جواب دیا اور پھر ساتھ ہی سوال بھی کر دیا تھا۔

"میں نے تو ابھی تک کچھ منتخب ہی نہیں کیا، سوچ ہی رہی ہوں ابھی تک کہ کون سا جوڑا پہنوں؟ دراصل میں ناں تھوڑا منفرد نظر آنا چاہتی ہوں۔" ساحرہ نے ایک ادا سے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹکا دے کر کہا۔

"فکر نہ کر، تو جو بھی پہنے گی وہ الگ ہی چھب دکھلائے گا میری بیوٹی کوئین۔" عالیہ نے اس کی بے داغ گوری رنگت کو رشک سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟" وہ جیسے کھل اٹھی۔

"اب سوچنے میں وقت ضائع نہ کر اور اچھا سا جوڑا منتخب کر ہی لے۔ آخر ہماری مشترکہ کولیگ کی شادی ہے، یونہی بیٹھی سوچتی رہی ناں تو منفرد لگنے کے چکر میں مہندی گزر جانی ہے۔" عالیہ نے شش و پنج میں مبتلا ساحرہ کو دیکھتے ہوئے شرارت سے چھیڑا۔

"او کے یار...... میں بکسہ کھولتی ہوں، جوڑے تو کافی ہیں میرے پاس۔" وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ کر مسکرائی۔

"اور ہاں......" وہ جاتے ہوئے رکی۔

"شام کو وقت پہ تیار ہو کر آواز دے دینا دونوں ایک ساتھ ہی چلیں گی۔" ساحرہ نے اسے تاکید کی اور پھر ہاتھ ہلاتی ہوئی نیچے اتر گئی۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" عالیہ ہنس کر بولی۔

......☆☆......

ساحرہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ایف اے کی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اس نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی ساحرہ بلا کی خوب صورت تھی۔ اس کا حسن اس کے نام ہی کی طرح سحر زدہ کر دینے والا تھا۔ ساحرہ کا باپ ایک چھوٹی سی ورکشاپ چلاتا تھا۔ وہ موٹر مکینک تھا۔ ساحرہ کا مختصر سا خاندان تھا۔ ساحرہ کے ماں باپ وہ اور اس کی ایک بیوہ خالہ اور خالہ کا اکلوتا سپوت شاہد۔

شاہد عام شکل و صورت کا میٹرک پاس سلجھا ہوا نیک سیرت لڑکا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد خالہ نے اسے بڑی دقتوں سے پالا تھا۔ خالہ چونکہ پڑھی لکھی نہ تھی مگر سلائی کڑھائی اور اونی ملبوسات کی بنائی میں طاق تھیں، یہی ہنر ان کے کام آیا تھا۔ دوسرا ان کا مکان ذاتی تھا جس کا ایک پورشن انہوں نے کرائے پر دے رکھا تھا جس سے ان ماں بیٹے کی گزر بسر اچھی ہو جاتی تھی۔ ہر ماں کی طرح خالہ کی بھی بڑی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے مگر شاہد نے اپنی ماں کی تکلیف اور بوجھ کم

کرنے کے لیے اپنے تعلیمی سلسلے کو درمیان میں ہی منقطع کر دیا تھا۔ وہ کمائی کر کے اب اپنی ماں کو صرف آرام دینا چاہتا تھا۔
شاہد ساحرہ کو پسند کرتا تھا۔ دل ہی دل میں اس سے والہانہ محبت کرتا تھا مگر ساحرہ پر کبھی اپنے احساسات عیاں کرنے کی جسارت نہ کر سکا تھا۔ ساحرہ شاہد کی دلی کیفیت سے بے خبر اس کا مذاق اڑاتی تھی۔ اس نے کبھی بھی شاہد کو درخوراعتنا نہ جانا۔ اسے اپنے آگے اور کوئی نظر نہ آتا تھا اسے اپنے حسن پر ناز تھا وہ رب کی عطا پر یوں اٹھلاتی پھرتی جیسے اس نے خود اپنے آپ کو اپنے ہاتھ سے تراشا ہو۔
ساحرہ محلے کے قریبی اسکول میں استانی تھی اور اس کے بدلے جو معاوضہ ملتا وہ اسے صرف اور صرف اپنی ذات پہ خرچ کرتی تھی۔ اسے آرام و آسائشات پسند تھیں۔ گھر کو بنانے، سنوارنے سے زیادہ خود کو سجانا سنوارنا زیادہ پسند تھا۔ میک اپ کی وہ دلدادہ تھی۔ اور ڈریسنگ ایسی کرتی کہ گمان بھی نہ ہوتا کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی ماں کو ساحرہ کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ وہ لاکھ اسے سمجھاتی مگر بے سود۔ وہ کسی کی سنتی کہاں تھی۔

......☆☆......

"ہیلو کزن، کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟" شاہد ابھی آیا تھا اور ساحرہ کی اتنی سج دھج دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ جانے کیوں وہ اسے ہر بار پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔
"کولیگ کی شادی پہ۔" ساحرہ نے بے نیازی سے مختصراً جواب دیا اور اپنا دوپٹہ سیٹ کرنے لگی۔
"اچھا...... دیکھو یہ میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟" شاہد نے دھانی رنگ کی چوڑیاں اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائیں۔
"یہ کیا؟ کانچ کی سستی سی چوڑیاں اٹھا لائے ہو۔ کبھی کوئی مہنگا تحفہ بھی لے آیا کرو کہ بندہ کسی کو دکھا کر فخر تو محسوس کرے۔" ساحرہ نے ناک چڑھا کر ناپسندیدگی سے چوڑیوں کی طرف دیکھا۔
"کیا چاہیے بتادو، اگلی بار تمہاری پسند سے لا کر دوں گا۔" شاہد تو ساحرہ کے آگے بچھ بچھ جانے لگا۔
"ہمم...... ایسا کرنا ایک اچھی سی پرفیوم کی بوتل لا کر دینا اور دیکھنا ذرا مہنگی ہو۔ دو نمبر نہ لے آنا۔" ساحرہ نے بہت سے فرمائش کی۔ کزن اچھا لگے نا لگے اس سے ملنے والی چیزیں ضرور اسے اچھی لگتی تھیں۔
"ہو کے وعدہ رہا۔ اگلی ملاقات میں نا صرف اچھا سا پرفیوم لا کر دوں گا بلکہ آئس کریم بھی کھلانے لے چلوں گا۔" وہ تو ساحرہ کی ذرا سی توجہ پا کر ہی کھل گیا تھا۔
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے مجھے دیر ہو رہی۔" وہ اسے بری طرح نظرانداز کرتے ہوئے وہاں سے چل دی۔
"ارے شاہد تم کب آئے؟" ساحرہ کی ماں اندر سے باہر نکلی تو شاہد سے مخاطب ہوئی۔
"بس خالہ اب آیا ہوں۔" وہ پورے دل سے مسکرایا۔

......☆☆......

دو گلیاں چھوڑ کر اس کی کولیگ ثمرہ کا گھر تھا۔ ثمرہ کے گھر کے باہر بڑا سا شامیانہ لگا ہوا تھا۔ پورا گھر برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ رنگ و بو کا سیلاب امڈ چلا آ رہا تھا۔
ساحرہ اور عالیہ جب وہاں پہنچیں تو لڑکے والے مہندی لے کر ابھی نہیں آئے تھے۔ دونوں نے شکر کیا کہ وہ وقت سے پہلے پہنچ گئیں۔ ثمرہ اسٹیج پر مایوں کے پیلے جوڑے میں سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔
ساحرہ نے بلیک نیٹ کا ستاروں سے بھرے کام کا جوڑا زیب تن کیا تھا۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ جو دیکھتا اس کی نظر ہی نہ ٹھہرتی تھی۔ اس کے آگے کئی لڑکیوں کا حسن یوں ماند پڑ رہا تھا جیسے چاند کے سامنے ستاروں کا۔ وہ اپنے حسن کی بجلیاں گراتی جدھر سے گزرتی تو کسی کی نظر کو ایک بار تو اپنی طرف متوجہ کر ہی لیتی تھی۔ وہ ان سب باتوں سے انجان نہ تھی۔ اپنے حسن کے جلوؤں کی پذیرائی پر اس کا دل مغرور ہوا جاتا تھا۔ وہ اور عالیہ ثمرہ کے پاس بیٹھیں اور اس سے حال احوال پوچھنے لگیں۔ انہیں وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی اتنے میں شور اٹھا کہ لڑکے والے آ گئے۔

"چلو لڑکیوں پھولوں کی تھالیاں لے کر کھڑی ہو جاؤ۔" کسی عورت نے آواز لگائی اور پھر وہ اسی عورت کی معیت میں جا کر تھالیاں پکڑ کر استقبالیے کی طرف بڑھ گئیں۔
مہندی لے کر آنے والوں میں چند لڑکوں کا گروپ ڈھول کے ساتھ بھنگڑا ڈالنے میں مصروف تھا۔ ان لڑکوں نے سفید شلوار قمیص اور پیلے رنگ کی واسکٹس پہن رکھی تھیں۔ وہ ناچتے جھومتے آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے خواتین، بچے بچیوں اور نوجوان لڑکیوں کا جھرمٹ تھا جنہوں نے مہندی کے روشن تھال اٹھائے ہوئے تھے جن پر موم بتیاں جھلملا رہی تھیں۔ وہ ہنستی مسکراتی ہوئیں شامیانے میں داخل ہونے لگیں۔
عالیہ اور ساحرہ یہ سب دلچسپی سے دیکھتے ہوئے گل پاشی کر رہی تھیں۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو ان بھنگڑا ڈالنے والے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کی نظر ساحرہ پر پڑی اور پلٹنا بھول گئی۔ وہ ساحرہ کا بے داغ حسن دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کو دیکھ کر کس کافر کو ہوش رہتا۔
اس بات سے بے خبر ساحرہ، عالیہ کے ساتھ کھڑی لڑکیوں کی تیاری اور میک اپ پر فقرے بازی کرتی ہوئی ٹھٹھے لگا رہی تھی۔ بات بے بات ہنستے ہوئے اس کے گالوں پر پڑنے والے بھنور اسے اور بھی دلکش بنا رہے تھے۔
"ساحرہ دیکھ وہ لڑکا تجھے کیسے گھور رہا ہے؟" عالیہ کی نگاہ **اس نوجوان پر پڑی تو شانہ ہلا کر** ساحرہ کو متوجہ کیا۔
"کہاں؟" ساحرہ چونکی اور اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔
"ارے وہی جو سامنے گھنگریالے بالوں والا کلین شیو ڈیشنگ سا لڑکا کھڑا ہے۔" عالیہ نے دھیمی آواز میں نگاہیں جھکا کر بتایا تاکہ اس لڑکے کو شک نہ ہو کہ بات اسی کے متعلق کی جا رہی ہے۔
ساحرہ نے اسی سمت نظر اٹھا کر دیکھا جدھر عالیہ کا اشارہ تھا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ وہ چند لڑکوں کے درمیان کھڑا ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ شکل تو اچھی تھی مگر اپنے لمبے قد کاٹھ کی وجہ سے زیادہ نمایاں ہو رہا تھا۔ ساحرہ کی نظروں کے ساتھ تصادم پر وہ ہولے سے مسکرایا۔ ساحرہ نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا۔
"چلو یہاں سے چلتے ہیں۔" وہ عالیہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلی گئی اور پھر مہندی کی مختلف رسومات کے دوران ساحرہ نے متعدد بار اس لڑکے کو اپنے اردگرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ ساحرہ کھڑے کھڑے تھک گئی تو ایک کونے میں جا بیٹھی اور عالیہ کو کولڈ ڈرنک لانے بھیجا۔ ساحرہ کو بیٹھے دو منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک پانچ سالہ بچہ بھاگتا ہوا آیا اور ساحرہ کے ہاتھ میں تازہ گلاب تھما گیا۔
"اے رکو...... یہ کس نے دیا۔" ساحرہ ٹھٹکی، اس نے بچے کو پیچھے سے پکڑ کر روکا۔
"وہ والے بھائی نے۔" بچے نے اس سمت تیزی سے اشارہ کیا اور بھاگ گیا۔ ساحرہ نے اس طرف دیکھا اس کا شک درست نکلا یہ وہی لڑکا تھا جو آج سارا وقت اسے ہی اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اسے سخت غصہ آیا وہ اکیلا کھڑا تھا۔ وہ اٹھی اور اس کے پاس تن فن کرتی ہوئی پہنچی۔
"اے مسٹر...... کیا حرکت ہے؟" اس نے گلاب کا **پھول اس کی طرف لہرایا۔**
"ہمم...... یہ حرکت میری پسندیدگی کا واضح اظہار ہے اور جب کوئی دل کو بھا جائے تو اظہار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔
"اوہ...... اچھا، بہت خوب۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں جو لڑکی بھی بھا جائے گی آپ اس سے اظہار کرنے میں تردد سے کام نہیں لیں گے۔" ساحرہ نے طنز کیا۔
"سچ پوچھیں اظہار تو پہلی بار ہی ہوتا ہے باقی تو ... ہوتا ہے۔ مجھے تو پہلی بار پہلی ہی نظر میں آپ اچھی لگیں اس لیے تو یہ گستاخی کر دی کہ حسن کے حضور عقیدت کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن آپ کو برا لگا تو معذرت چاہتا

اس دل بے قرار کی بے اختیاری پر۔" وہ برملا سب کہہ گیا۔
ساحرہ گنگ کھڑی تھی، کبھی کسی لڑکے نے اس سے پہلے ایسی جرأت نہ کی تھی، وہ کچھ کہے بنا ہی واپس مڑنے لگی تو اس لڑکے نے ایک بار پھر پکار لیا۔

"ایکسکیوزمی...... کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں پلیز۔" اس نے التجائیہ انداز میں پوچھا۔

"سوری...... میں اجنبیوں کو اپنا نام نہیں بتاتی اور بے تکلف اجنبیوں کو تو بالکل بھی نہیں۔" ساحرہ نے روکھے پن سے کہا۔

"اجنبیت سے واقفیت کے سفر میں دیر ہی کتنی لگتی ہے، ایک تکلف کا پہاڑ ہی تو پھلانگنا ہوتا ہے۔" وہ بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا۔

"اور بعض دفعہ رکھائی و بے اعتنائی کی کھائی بھی آگے ملتی ہے۔" ساحرہ نے برجستہ کہا۔ اس سے پہلے کہ سہیل مزید کچھ کہتا عالیہ آ گئی تھی۔

"ساحرہ تم یہاں کھڑی ہو، میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں چلو گھر چلیں بھائی لینے آ گیا ہے۔" عالیہ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

"اوہ تو آپ کا نام ساحرہ ہے، جس نے بھی یہ نام رکھا بالکل درست رکھا، آپ تو سچ مچ کی ساحرہ ہیں، پہلی نظر میں ہی مجھ پر سحر پھونک دیا۔ بائی دا وے آئی ایم سہیل، نائس ٹو میٹ یو۔" سہیل نے بے تکلف ہونے کی پھر کوشش کی۔

"می ناٹ۔" وہ ابرو چڑھا کر بولی اور عالیہ تو دونوں کو [illegible]ہ کر رہ گئی۔

"یہ کیا سین تھا؟" عالیہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں، پھول بھیج کر متاثر کر رہا تھا اونہہ۔" ساحرہ نے سر جھٹک کر نخوت سے کہا۔

"یعنی وہ لٹو ہو گیا تم پہ۔" عالیہ ہنس دی۔

"ہوتا پھرے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

......☆☆......

اس وقت سہیل کو نظرانداز کرنے والی ساحرہ واپس گھر آ کر اس اجنبی کو کئی بار سوچ چکی تھی۔ ایک سرشاری سی اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو کئی بار آئینے میں دیکھا اور تفاخر سے سر ہلایا تھا۔

"ساحرہ میڈم تم تو ہو ہی ایسی، تم پر تو کوئی بھی فدا ہو سکتا ہے، تم تو دنیا تسخیر کر سکتی ہو اور وہ سہیل خود بھی کم ہینڈسم نہیں تھا مگر تمہیں دیکھ کر دل تھام کر رہ گیا۔ حسن کے معبود کو فدائین کا سجدہ درکار رہتا ہے۔ پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی مگر اس بندے میں کچھ تو بات تھی ایسی جو الٹا ساحرہ پر سحر پھونک گیا۔" ساحرہ سوچوں کے جہان میں بہت دور تک نکل گئی تھی۔

اگلے دن بارات تھی۔ آج تو ساحرہ بھی جان سے تیار ہوئی تھی جب کسی عورت کو حسن چاہی سراہنے والی نگاہ میسر آ جائے تو دل اس نظر میں مستقل رہنے کے لیے اور بھی تگ و دو کرتا ہے۔ ہلکے گلابی رنگ کے کامدانی لباس میں وہ خود بھی گلابی ہوئی جا رہی تھی۔ چہرے پر گلال کھل رہے تھے۔ آج تو اس نے اپنے سیاہ آبشار جیسے بال بھی کھول رکھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خمار تھا۔

چاہے جانے کا نشہ ہلکورے لیتا وجود آج الگ ہی چھب دکھلا رہا تھا۔ ایک ہی رات میں سوچ کا زاویہ بدل چکا تھا۔ باراتیوں کے استقبال میں اس کی متلاشی نگاہیں بے قراری سے دشمن جاں کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر آج وہ کہیں نظر نہ آیا، وہ بجھ سی گئی اور اسے اپنی ساری تیاری بے کار لگنے لگی۔ ساحرہ نے مایوس ہو کر اندر جانے کا سوچا ہی تھا کہ دفعتاً وہ اسے نظر آ گیا۔ وہ فون پر کسی سے مصروف گفتگو ادائے دلبری سے اندر چلا آ رہا تھا۔

سہیل نے آج ہلکے سرمئی رنگ کا پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور وہ اس میں کافی جچ بھی رہا تھا۔ جونہی اس کی نگاہ ساحرہ پر پڑی تو وہ ٹھٹھک کر رکا اور محویت سے اسے دیکھنے لگا۔ ساحرہ کی بے قراری بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ تھی اور بے تاب تو وہ بھی تھا۔ سہیل اسے دیکھ کر دلکشی سے

مسکرایا۔ ساحرہ کے دل کی دھڑکنیں نئے تال پہ محو رقص ہونے لگی تھیں۔ اس نے ہولے سے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ بے تکلفی کا پہلا پڑاؤ پار ہو گیا تھا۔ سہیل بھی اس کی حوصلہ افزا نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

دوران تقریب نظروں کا تصادم و تبادلہ ہوتا رہا پھر تقریب کے اختتام پر جاتے ہوئے سہیل اسے اپنا فون نمبر بھی تھما گیا تھا۔ ساحرہ کے تو خوشی کے مارے قدم بھی نہ زمین پر ٹک رہے تھے، دنیا بھی اتنی حسین آج سے پہلے تو نہ لگی تھی۔ پہلے بھی جس چیز کی تمنا کرتی وہ مل جایا کرتی تھی اور آج تو اس کی پسند کا محبوب بھی مل گیا تھا۔

......☆☆......

"یہ لے خالہ یہ رہا تیرا سارا سودا جو لسٹ میں لکھا تھا وہ سب لے آیا ہوں۔" شاہد نے سودا سلف کے دو بھاری بھرکم تھیلے برآمدے میں رکھے تخت پر رکھ دیے تھے۔

"دیکھ کر تسلی کر لے کچھ رہ تو نہیں گیا۔" اس نے ایک بار پھر خالہ کو مخاطب کیا۔

"تو لے آیا ناں تو پھر کیا دیکھنا، بس تسلی ہو گئی۔" ساحرہ کی ماں مسکرائی۔

"اللہ تیری ہر مراد پوری کرے میرا بچہ۔ کاش کہ اللہ مجھے بھی تیری طرح کا تابعدار بچہ دے دیتا تو مجھے فکر نہ ہوتی۔" ساحرہ کی ماں کے لہجے میں حسرت پنہاں تھی۔

"خالہ...... یہ کیا غیروں والی بات کر دی۔ کیا میں تیرا بیٹا نہیں ہوں، میرے ہوتے ہوئے تجھے کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر آئندہ تو نے ایسی بات کی ناں خالہ تو میں خفا ہو جاؤں گا اور پھر اماں سے بھی تیری شکایت لگاؤں گا کہ سمجھا لیں اپنی بہن کو جو غیروں والی باتیں کرتی ہیں۔" شاہد نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

"اچھا...... اچھا نہیں کرتی بس یونہی خیال آ گیا تھا۔" ساحرہ کی ماں نے نم آنکھوں کو دوپٹے سے صاف کیا۔

"اچھا خالہ یہ ساحرہ کہیں نظر نہیں آ رہی، ابھی تک اسکول سے آئی نہیں کیا؟" شاہد نے متلاشی نگاہیں اپنے اطراف دوڑائیں۔

"آج یہاں اسکول میں [illegible] تین بج [illegible] آ گئی ہی ہوگی کیا وقت ہوا ہے؟" ساحرہ کی ماں نے تھیلے میں سے چیزیں نکالتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"السلام اماں۔ کھانا دو بہت بھوک لگی ہے۔" ساحرہ دھوپ سے اندر آئی اور اب چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بیگ کو [illegible] پھینکا اور ڈھال سی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"لو آ گئی، ابھی تیرا ہی ذکر ہو رہا تھا۔" ساحرہ کی ماں مسکرا کر اسے دیکھنے لگی جس کے چہرے سے لگ رہا تھا [illegible] تھے۔

"ہاں ساحرہ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ جس کی بات کرو وہ اسی وقت وہاں آ جائے تو لمبی عمر پاتا ہے۔" شاہد نے ساحرہ کو دیکھ کر باچھیں پھیلائیں۔

"اماں کھانا دو بھوک کے مارے میرا برا حال ہے۔ بھوک سے بلک کر مر گئی تو سب قیاس جھوٹے ثابت ہو جائیں گے۔" ساحرہ نے شاہد کو بری طرح نظرانداز کرتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"صبر کر لڑکی آتے ہی بھوک بھوک کی رٹ لگا دی نہ ہاتھ منہ دھویا نہ کپڑے تبدیل کیے۔ اسکول سے کچھ نہیں کھایا کیا؟" ساحرہ کی ماں کو شاہد کو نظرانداز کرنا ناگوار گزرا۔

"کھایا تھا اماں، وہ مرا ہوا سا چپس اور ساتھ گندی سی چائے۔ نا اماں یہ تو کیا اس سے پیٹ بھرتا ہے۔" ساحرہ نے منہ [illegible] بگاڑ کر جواب دیا۔

"اچھا۔" اس کی ماں نرم پڑی۔

"تو پانچ منٹ انتظار کر میں کچھ اچھا سا پکاتی ہوں تیرے لیے۔" وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب...... ابھی تک کچھ پکایا ہی نہیں ہے؟" اس کی آنکھیں حیرت انگیز انداز میں پھیل گئیں۔

"سارا سودا تو ختم تھا۔ کون لاتا، میں بوڑھی جان کہاں دکان ہوتی پھرتی وہ تو بھلا ہو شاہد کا جس نے مجھے اس تکلیف سے بچا لیا۔" ساحرہ کی ماں نے توضیح پیش کی۔

"واہ جی اماں تو اب کیا میں پانچ چھ بجے تک کھانا کھاؤں گی۔ رہنے دے اماں مجھے نہیں کچھ کھانا۔" ساحرہ جو کمرے میں جانے کے لیے اٹھی تھی دھپ سے کرسی پہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بگڑے لہجے میں بولی۔

"خالہ تم جاؤ اور رات کے کھانے کی آرام سے تیاری کرو۔" شاہد نے معاملہ نمٹانے کا فیصلہ کیا۔

"ساحرہ تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پلیٹیں تیار رکھو میں نکڑ والی دکان سے تمہارے لیے گرما گرم سموسے اور کولڈ ڈرنک لے آتا ہوں۔" شاہد نے ساحرہ کے غصے سے لال بھبھوکا چہرے پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہیں...... سچی؟ جاؤ بھاگ کے جاؤ اور لا کر دو گرما گرم سموسے، میرا کتنے دنوں سے دل چاہ رہا تھا لیکن اماں لا کے ہی نہ دے رہی تھیں۔ بھوک کی وجہ سے چوہوں نے میرے پیٹ میں دھما چوکڑی مچا رکھی ہے۔" ساحرہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ تندیدے پن سے بولی تھی۔

"میں بس یوں گیا یوں آیا۔" شاہد نے اس کے لفٹ کرانے پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"چلو اس بدھو کزن کا یہ تو فائدہ ہے۔" ساحرہ نے باہر نکلتے ہوئے شاہد کی پشت کو دیکھتے ہوئے تمسخر سے سوچا۔

"سہیل۔" اچانک سے سہیل کا وجیہ سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

"ارے یار آج اسے بھی کال کرنی ہے کافی دن سے وقت ہی نہیں ملا۔" وہ اپنے خیال میں مگن مسکرائی۔

......☆☆☆......

میرا نام نفیسہ انجم ہے اور میں ایک این جی او سے منسلک ہوں۔ میری این جی او کا نام بی ڈبلیو سی (برننگ وومن کیئر) ہے۔ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے کہ ہماری این جی او کا مقصد ان خواتین اور بچیوں کے علاج کی ساری ذمہ داری اٹھانا ہے جن پر معاشرے نے ظلم روا رکھے ہوں، جیسے سسرال والوں نے جلا دیا ہو یا تیزاب گردی کا شکار نوجوان لڑکیاں جو اپنا علاج کرانے کی اہلیت نہیں رکھتیں، یہ ذمہ داری ہماری این جی او کے سر ہے۔ جعفر آباد کے علاقے میں ایسے ہی واقعے کی خبر اگرچہ مجھے تاخیر سے ملی مگر مجھ تک پہنچ ہی گئی کیونکہ میں اپنے ادارے کی سرگرم رکن تھی اور ویسے بھی جن دنوں یہ واقعہ پیش آیا میں ایک کانفرنس اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئی ہوئی تھی اور اب آتے ہی اپنی مہم پر نکلنے کو تیار ہو رہی تھی۔

میں جب اس گھر کے سامنے اتری تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک صاف ستھرا چھوٹا سا دو منزلہ مکان تھا۔ میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا کر دستک دینی چاہی مگر دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ میں نے اسے ہلکا سا دھکیلا تو وہ بے آواز کھلتا چلا گیا، جب میں نے گھر کے اندر قدم رکھا تو فضا میں ایک بے نام سی اداسی رچی ہوئی تھی۔ چار سو سناٹے کا راج تھا۔ سامنے ہی ایک خستہ حال چارپائی پہ ایک لاغر بوڑھی عورت اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے جسم سے زیادہ مردہ تھیں جن میں زندگی کا کوئی رنگ نمایاں نہ تھا۔ اس کے کپڑے بوسیدہ اور پرانے تھے اور بال جھاڑ جھنکار بنے ہوئے تھے۔ اگرچہ میرا یوں بلا اجازت اندر داخل ہونا معیوب تھا مگر جانے کیوں میں اس دن اس غلطی کا ارتکاب کر بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم اماں جی۔" میں نے قریب جا کر اس مفلوک الحال عورت کو پکارا مگر اس کے بدن میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی وہ ہنوز سابقہ حالت میں بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ میں ابھی اسی شش و پنج میں تھی کہ ماجرا کیا ہے کہ اتنے میں اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک متناسب قد و قامت کی بدشکل لڑکی ہاتھ میں کنگھا اور تیل کی شیشی لیے برآمد ہوئی۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ اس کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے تھے اور چہرے اور بازوؤں کی جلد چمڑے کی طرح سیاہ تھی۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میرے پاس آ کر بے تاثر چہرہ لیے کھڑی ہو گئی۔

"آپ ساحرہ ہیں؟" میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"جی۔" اس نے میکانکی انداز میں ہاتھ آگے کر کے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"میرا نام نفیسہ انجم ہے اور میں ایک این جی او کی طرف سے آئی ہوں۔ کیا میں بیٹھ سکتی ہوں؟" میں نے اپنا مختصر تعارف کروا کر بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ اس نے برآمدے میں رکھی کرسی لا کر میرے سامنے رکھی اور بولی۔

"جی بیٹھیے۔" اس کے بعد وہ اسی خاموشی سے واپس پیچھے ہٹی اور اس بوڑھی عورت کے بال سلجھانے لگی۔

جیسے ہی ساحرہ نے اسے ہاتھ لگایا اس عورت میں یک بیک وقت حرکت پیدا ہوئی اور اس کی بے تاثر آنکھوں میں غصے اور نفرت کے رنگ نمودار ہونے لگے۔ اس نے مڑ کر قہر بھری نگاہ لڑکی پر ڈالی اور اسے نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے اپنے بڑھے ہوئے میلے ناخنوں سے نوچ رہی تھی اور ساتھ ہی چلا بھی رہی تھی۔ اس اچانک افتاد پر میں گھبرا گئی۔ اس بوڑھی عورت کی چیخوں نے میرا دل مٹھی میں لے لیا تھا، اس کا رواں رواں بین کر رہا تھا۔ وہ اسے دو ہتڑ بھی مارتی اور دونوں ہاتھوں سے مارتی چلی گئی لیکن اس لڑکی نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی اور جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گئی تو اس کے منہ سے کف بہنے لگا۔ ساحرہ نے پاس پڑے رومال سے اس عورت کا منہ صاف کرنا شروع کر دیا، اس عورت نے اسے پیچھے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر گری اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی اس کے اٹھتے ہی وہ عورت سابقہ حالت میں واپس چلی گئی کچھ دیر پہلے ہونے والی ہلچل تھم گئی اور ماحول میں پہلے جیسے سکوت چھا گیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے جلے ہوئے بازوؤں سے خون رس رہا تھا، ادھ جلی کٹی اسکن میں سے کچھ دودھیا اسکن کی جھلک بتا رہی تھی کہ لڑکی قدرے گوری اور خوبصورت ہوگی۔ تاہم چہرے کے نقوش کچھ بھی بتانے سے قاصر تھے کیونکہ اسے دیکھ کر فقط جھرجھری آتی تھی۔

"اوہ گاڈ...... آپ کے تو بازو سے خون نکل رہا ہے۔" میں نے اس کے رستے خون کو دیکھ کر ہمدردی کا اظہار کیا۔

"کیوں یہ خبط الحواس بڑی بی آپ کو اتنی بے دردی سے مار رہی تھیں اور آپ چپ چاپ مار کھا رہی تھیں۔ وہ ہوش میں نہیں ہیں شاید مگر آپ تو ہوش میں ہیں ناں۔" مجھے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

"خالہ بالکل ٹھیک کر رہی تھیں، ایسا ہی ہونا چاہیے میرے ساتھ، میں اسی قابل ہوں، سچائی سے آپ واقف نہیں ہیں تبھی تو ایسا کہہ رہی ہیں اور جب اصلیت کا آپ کو پتا چلے گی تو آپ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

پھر وہ ایک سانس میں سب کہہ گئی۔ تمام بات سن کر میرے تاثرات بدل چکے تھے۔ گنگ سی کیفیت میں بیٹھی میں غور و فکر کے تمام مراحل سے صرف نظر کر گئی کہ ساکت خاموشی کے اس شکم میں اس کا کہا گیا لفظ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ وہ مظلوم نہیں ظالم ہے۔ ناکردہ گناہ کی سزاوار نہیں بلکہ اپنے کیے کی سزا پا رہی ہے۔ بہت سے لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے اور میری طبیعت کے نیم کڑوے ذائقے میں اس کی میرے پاس موجودگی نے تلخی بھر دی تھی۔

"کیسی عورت ہو تم؟ اپنے ہی ہاتھوں اپنا بسا بسایا گھر برباد کر لیا، ایک بیوہ عورت سے اس کا واحد سہارا چھین لیا، بے رحم عورت رب کو کیا منہ دکھاؤ گی، تم تو اس رب کی ناشکری ہو جس نے تمہیں بن مانگے حسن و دلکشی عطا کی، اس شوہر کی قدر نہ کی جس نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا، جس میں کوئی عیب بھی نہ تھا جو فقط تمہارے جیسی مغرور عورت کا پجاری تھا۔" مجھے از حد دکھ پہنچا تھا۔

"کبھی ملوان لڑکیوں سے جو ایسے ہی کسی شوہر کی تمنائی ہوتی ہیں، جو ایسے گھر بار کے لیے ترستی ہیں جو ان کی کل کائنات ہو مگر ان بدنصیبوں کو نہ ہی اچھا بر نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی ایسی سسرال، انہیں جلا دیا جاتا ہے، مار دیا جاتا ہے، ان لڑکیوں کی بے بسی پوچھو جنہیں بازاروں میں بیچا اور خریدا جاتا ہے اور گھر بسانے کے چکر میں تیزاب سے جھلسا دیا جاتا ہے۔ ایک چاہنے والا شوہر اور باعزت زندگی

فقط جن کی خواہش ہوتی ہے۔ تمہیں تو بن مانگے یہ سب ملا، کیسے تم اتنی ظالم بن گئی، میں تو ہمیشہ مرد کو ہی ظالم سمجھتی تھی مگر آج ایک سفاک عورت کا روپ بھی دیکھ لیا۔ کتنی بے رحم ہو تم، ذرا ترس نہیں آیا تمہیں اس عورت پہ، جو تمہاری اپنی خالہ تھی۔ تمہارا کیا گیا تم تو زندہ ہو لیکن نقصان ہوا تو صرف اس مظلوم عورت کا۔ افسوس صد افسوس تم جیسی سے محبت تو کیا ترس یا ہمدردی بھی نہیں کی جاسکتی، ہاں فقط نفرت۔“ میں جذبات پہ قابو نہ رکھ سکی اور اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے بولتی چلی گئی۔ اس طرح کے مارکس ہماری ٹریننگ اور روزمرہ کے معمولات کا حصہ تھے جو ہم اس وقت دیتے جب باحوالہ کسی ظالم عورت یا شخص کا واقعہ دنیا والوں کے سامنے بیان کر کے انصاف کی یقین دہانی کرائی جاتی تھی مگر یہاں تو حوالہ مجسم شکل میں میرے سامنے موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دردناک کہانی کے نمایاں منفی کردار کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کر میں اپنے جذبات پر کنٹرول نہ رکھ سکی اور بے نقط اسے سناتی چلی گئی تھی۔

”نفیسہ جی سچ پوچھیں تو مجھے آپ کی باتیں بالکل بھی بری نہیں لگیں۔ رہیں، میں تو چاہتی ہوں کہ لوگ مجھے لعن طعن کریں، جہاں سے گزروں مجھ پر سنگ باری ہو۔ مجھے گالیاں، کوسنے اور بددعاؤں سے نوازا جائے، لوگ مجھ سے شدید نفرت کا مظاہرہ کریں، مجھے دھتکاریں، مجھے بھلے جان سے ہی ماردیں کیونکہ میں اسی سلوک کی مستحق ہوں۔“ وہ ایک دم ہنستے ہوئے ہذیانی انداز میں بولی۔

”کاش..... کاش کہ تم نے اپنے رنگ و روپ کی قدر کی ہوتی، کاش کہ تم نے اس قدر چاہنے والے شوہر کی قدر کی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ میں تو یہاں ایک مظلوم کی دادرسی کرنے آئی تھی جو مجھے لگا تھا کہ شاید کسی ظالم کے ظلم کا شکار بن گئی ہوگی مگر تم تو خود ہی ظالم بھی ہو، مظلوم بھی، قاتل بھی ہو، مقتول بھی۔ تم اب عمر بھر پچھتاوے کی آگ میں جلتی رہو گی مگر سکون نہ پاسکو گی۔ تم نے اپنی دنیا ہی میں دوزخ بنالی مگر انسانیت کے ناطے میں پھر بھی چاہوں گی کہ تمہارا علاج ہوجائے۔“ مجھے اس سے ذرہ بھر بھی ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر میرے کام کا تقاضہ یہی تھا کہ مجھے اپنا فرض کسی بھی پس و پیش کے بنا ادا کرنا تھا۔

”نہیں، نفیسہ جی، آپ یہاں تک آئیں، مجھے سنا، آپ کا بہت شکریہ لیکن میں اپنے حال میں خوش ہوں اور مجھے کسی علاج معالجے کی ضرورت نہیں، میرے ظاہری زخم مندمل ہوچکے ہیں۔“ اس نے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

”خدا حافظ ساحرہ۔“ میں نے ترحم آمیز نظروں سے ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈالی اور باہر کی راہ لی اب میں جلد از جلد اس جگہ سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ ساحرہ نے دروازے پر لگے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھا اور ایک بار پھر ماضی کے دھندلے خاکوں میں کھوگئی تھی۔

......☆☆......

”اماں میں عالیہ کے ساتھ جاکر لیس اور زپ لے آؤں۔“ ساحرہ نے اجازت لینے کے بجائے اطلاعاً کہا۔

”اے تو کہاں اتنی بھری دوپہر میں چلی، میں خود جاکر لے آتی ہوں۔“ اس کی ماں نے تشویش سے کہا۔

”کیا اماں تم بھی، میں نے اپنی پسند سے سوٹ کی میچنگ لیس لینی ہے تمہیں کیا سمجھ آئے گی کہ میری پسند کی کون سی ہے؟ اور ویسے بھی میں نے کون سا دور جانا ہے یہ پچھلی گلی ہی تو جانا ہے فکر نہ کر جلد لوٹ آؤں گی۔“ ساحرہ نے کوفت سے کہا۔

”اچھا..... اچھا دھیان سے جانا اور جلدی واپس آنا۔“ اس کی ماں نے اجازت دینے کے ساتھ ہی تاکید بھی کی۔

”اماں عالیہ ہوگی ناں ساتھ اکیلی نہیں جا رہی۔“ ساحرہ جھنجلا ہی گئی تھی۔

......☆☆......

”ہیلو سہیل کیا حال ہے؟ کئی دنوں سے موقع کی تلاش میں تھی آج بڑی مشکل سے وقت نکال کر آئی ہوں۔“ اس نے پی سی او کے پردے والے کمرے میں اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتے ہوئے کہا۔

”میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ تھی کہاں تم؟ میں کب سے تمہارے فون کے آنے کے انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا اور اب تو مایوس ہونے لگا تھا۔“ بے قراری سہیل کے لہجے سے عیاں تھی۔

”میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے فون ہی نہیں کرو گی، بھول بھال جاؤ گی لیکن شکر ہے کہ تمہیں میری یاد تو آئی بھلے دیر سے ہی۔“ سہیل نے لہجے کو تھوڑا بوجھل بنا کر کہا۔

”ایسی بات نہیں۔ میں نے اپنی مجبوری بتائی ناں اور ویسے بھی میں روز روز یوں گھر سے نہیں نکل سکتی، بس اسکول سے گھر اور گھر سے اسکول تک میری محدود سی دنیا ہے۔“ ساحرہ اس کی بے تابی پر مسرور ہو کر بولی۔

”ایک دنیا اور بھی ہے کبھی اس دنیا کی سیر بھی کرنی چاہیے۔“ وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

”کون سی دنیا؟“ وہ چونکی۔

”دل کی دنیا۔“ وہ اسی ٹون میں بولا۔ اس کا دل یکبارگی بری طرح سے دھڑکنے لگا تھا۔

”چلو پھر تمہیں اس دنیا کی بھی سیر کرادوں۔ یہ بتاؤ ملو گی کب؟ تاکہ دل کا دل سے تعارف ہوجائے کیونکہ فون سے کہاں ممکن تسلی دلی کی۔ تمہیں شادی پہ ہی دیکھا تھا۔ اک مدت ہوگئی جب تم نے مجھ ناچیز کو عزت بخشی میری محبت کو قبولیت کی سند سے نوازا۔“ سہیل اسے چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنسانے لگا تھا۔

”افوہ..... میرے لیے فون کرنا مشکل ہے اور تم ہو کہ ملنے کا تقاضہ کر رہے۔ یہ تھوڑا مشکل ہے مگر کوشش کروں گی وعدہ نہیں۔“ ساحرہ تذبذب کا شکار تھی۔

”چلو..... تم راضی تو ہوئی مل بھی لیں گے لیکن ایک شرط پر کہ ذرا جلدی ملنا۔ اپنی بے تابیوں کا ذکر تمہارے روبرو کرنا ہے، وہ کیا ہے کہ جب سے تمہیں دیکھا ہے میری راتوں کی نیند اور دن کا چین رخصت ہوگیا ہے۔ ہر جگہ بس تم ہی نظر آتی ہو۔“ سہیل نے بہکے ہوئے انداز میں کہا۔

”باتیں کمال کی کرتے ہو۔“ وہ کھلکھلائی۔

”پر سچ تو یہ ہے کہ میرا حال بھی تم سے کچھ مختلف نہیں۔ اچھا اب میں فون رکھتی ہوں گھر سے نکلے ہوئے مجھے کافی دیر ہوگئی اماں پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ ساحرہ نے دیوار گیر گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

”جی تو نہیں چاہ رہا پر کیا کریں مجبوری ہے ورنہ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ تم ایسے ہی اپنی سریلی آواز کا رس میرے کانوں میں گھولتی رہو اور میں مست ہو جاؤں۔“ سہیل نے الوداع کرتے کرتے مکھن لگایا۔

”ہاہاہا او کے اللہ حافظ۔“ ساحرہ ہنسی اور سرشاری سے ریسیور کو کریڈل پر رکھ کر پیسے ادا کر کے باہر نکل گئی۔

......☆☆......

”اماں آج تو بڑی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ اتنا اہتمام کس خوشی میں بھئی ذرا مجھے بھی تو پتا چلے؟“ ساحرہ نے باری باری تینوں پتیلوں کے ڈھکن اٹھا کر جھانکتے ہوئے گہری سانس اندر کھینچی۔

”شاہد تیری خالہ کو لا رہا ہے ناں بس اسی وجہ سے۔“ اس کی ماں نے مختصراً جواب دیا۔

”خالہ تو ہر دوسرے تیسرے دن آتی ہے پر پہلے تو کبھی اتنا انتظام نہیں دیکھا۔“ ساحرہ نے چونکتے ہوئے ماں کا چہرہ بغور دیکھا جو آج اور کوئی داستان بیان کر رہا تھا۔

”پہلے تو وہ بس یونہی آجاتی تھی ناں پر آج تو خاص مقصد سے آرہی ہے جب تو سنے گی ناں تو، تو بھی خوش ہوجائے گی۔“ اس کی ماں نے چہکتے لہجے میں جواب دیا۔

”خاص مقصد..... کیا اماں پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو جو کہنا ہے صاف صاف کہو ناں۔“ ساحرہ کا ماتھا ٹھنکا۔

”ارے پگلی وہ تیری اور شاہد کی بات پکی کرنے آرہی ہے۔“ اس کی ماں نے اس کی طرف گھوم کر دیکھا اور اس کی سماعتوں پر بم دے مارا۔

”کیا..... یہ کیا کہہ رہی ہو اماں؟“ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔

”اماں تو نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں اور میری بات بھی طے کرنے کا سوچ لیا۔ میری بات دھیان سے سن

لے، مجھے نہیں کرنی اس شاہد سے شادی وادی۔ میرے
لیے کیا وہی رہ گیا تھا اونگی بونگی شکل والا۔" ساحرہ نے
حقارت سے کہا۔

"کیا بک رہی ہے تو؟ شاہد کی بچپن کی منگ ہے تو اور
بس شاہد کی نوکری لگنے کا انتظار تھا اب تو وہ ایک بڑے افسر
کا ڈرائیور لگ گیا ہے، تنخواہ بھی اچھی، گھر بھی اپنا اور دو
دکانوں کے کرائے بھی آتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے پھر گھر کا
دیکھا بھالا لڑکا ہے، کوئی عیب نہیں۔ آج کے دور میں ایسے
نایاب لڑکے کہاں ملتے ہیں۔" اس کی ماں نے بیٹی کی بات
پر تیوری چڑھا کر کہا۔

"کماں میں اتنی گئی گزری ہوں کہ میرے لیے وہ ٹٹ
پونجیا شاہد ہی رہ گیا تھا اور نوکری بھی ملی تو ڈرائیور کی اونہہ۔
استغفار۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کانوں کو ہاتھ لگا کر
کہا۔

"او بی بی اتنا او نچا مت اڑ اب کیا تیرے لیے محلوں کا
راج کمار آئے گا اور یہ تو ڈرائیور کہہ کر اس کا مذاق کیوں اڑا
رہی ہے خود تو جیسے بڑی کسی سیٹھ کی اولاد ہے جیسے وہ ویسے
ہم۔" اس کی ماں نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے
ہوئے کہا۔

"کماں..... میں بتائے دیتی ہوں میں یہ شادی نہیں
کروں گی ہاں۔" ساحرہ کی برداشت جواب دے چکی تھی
اس نے غصے سے پاؤں پٹخا اور دھم دھم کرتی ہوئی کمرے
میں جا کر بند ہوگئی۔

"آنے دے تیرے باپ کو وہ ہی تجھے ٹھیک کرے گا
پھر دیکھتی ہوں باپ کے سامنے کیسے تیری جرأت بڑھتی
ہے۔" اس کی ماں نے با آواز بلند اسے کھری کھری
سنائیں اور وہ جو بستر پر بیٹھی کڑھ رہی تھی اوندھے منہ لیٹ
کر زار و قطار رونے لگی کہ باپ کے سامنے وہ واقعی ایسی کسی
جرأت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔

......☆☆......

"سہیل میں بہت پریشان ہوں۔ اماں میری شادی
میرے خالہ زاد سے کرانے پر تل گئی ہیں اور تم ہو کہ کچھ کر
ہی نہیں رہے۔" پارک کے سنگی بینچ پہ کالی چادر کی بکل
مارے پریشان حال بیٹھی ساحرہ اس سے جواب طلب
تھی۔

"تم گھبراؤ نہیں، میں کچھ کرتا ہوں۔ دراصل میرے ممی
ڈیڈی امریکا میں ہیں، اگلے ہفتے تک وہ آنے ہی والے
ہیں۔ بس ان کے آتے ہی میں انہیں اپنی پسند سے آگاہ
کرتا ہوں۔" سہیل نے اس کے سپید نازک ہاتھوں کو
اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے گرم جوشی سے دبایا اور بہلا دا
دیا۔

"سہیل جو بھی کرنا ہے ذرا جلدی کرنا اگر دیر ہوگئی تو
بہت دیر ہو جائے گی۔" ساحرہ نے روہانسے لہجے میں کہا۔
"کہہ رہا ہوں ناں کچھ کرتا ہوں ابھی تم گھر جاؤ شام
ہو رہی ہے۔" سہیل نے درختوں کی اوٹ میں ڈوبتے
ہوئے سورج کو ایک نظر دیکھ کر اس کی جانب دیکھا اور وہ
ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی مگر جاتے
ہوئے تاکید کرنا نہ بھولی تھی۔

"ٹھیک ہے سہیل یاد سے میں انتظار کروں گی، اب
چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" ساحرہ نے الوداعی نگاہ کی اور
پر مردہ چال چلتی ہوئی پارک سے باہر آگئی۔

تقدیر میں ان دونوں کے ملن کی کوئی نوید نہ تھی سو اس کی
تمام کوششیں بے کار گئیں اور شاید شاہد نے بھی اس بات کو
سنجیدگی سے نہ لیا تھا نہ تو اس کا کوئی حیلہ بہانا کام آیا اور نہ
ہی کوئی منت سماجت۔ ساحرہ کی اپنے ماں باپ کے
سامنے ایک نہ چلی اور یوں وہ روتی دھوتی بلکتی ہوئی شاہد کی
دلہن بن کر اس کے آنگن میں آگئی تھی۔

......☆☆......

"ساحرہ تمہیں اندازہ نہیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا
ہوں۔ میں نے کب سے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں
میں چھپا رکھا تھا اور آج میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت
انسان سمجھ رہا ہوں جس کو اپنے خواب کی تعبیر اتنی آسانی
سے مل گئی۔ میری دنیا، میری زندگی آج میرے گھر میں
آگئی۔" شاہد نے گھونگھٹ الٹ کر ایک سانس میں دل کا

احوال کہہ سنایا۔
"اور مجھے تم سے شدید نفرت ہے منحوس صورت۔ اگر تم
نہ ہوتے تو آج میں سہیل کی دلہن بنی بیٹھی ہوتی۔" ساحرہ
نے اس کے چہرے پر سچی خوشی رقصاں دیکھ کر حقارت
سے سوچا اور پھر ایک دم سے سر تھام لیا۔
"کیا ہوا ساحرہ، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"
شاہد نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔
"ہاں بس شادی کے ہنگاموں میں ٹھیک سے نیند نہ
لے سکی اور اب سر بری طرح سے چکرا رہا ہے۔" ساحرہ
اس کی قربت سے خائف اور کوفت زدہ تھی لہٰذا اس نے
ہوشیاری سے بہانہ بنایا۔
"اوہ اچھا..... تم ایسا کرو کہ کپڑے بدل کر آرام کرو
میں سر درد کی گولی لے کر آتا ہوں۔" شاہد نے سنجیدگی سے
اسے ایک نظر دیکھا اور باہر نکل گیا۔
"شکر ہے جان چھوٹی، دماغ ہی کھا گیا تھا بول بول کر
تھوڑی دیر اور بے سر و پا باتیں کرتا تو شاید شریانیں ہی پھٹ
جاتی میرے دماغ کی۔ اونہہ۔" ساحرہ اس کے جاتے ہی
مطمئن ہوگئی، اس نے اپنا ٹیکہ اور جھومر بے دردی سے
نوچتے ہوئے بڑبڑا کر کہا اور جلدی سے کپڑے بدل کر منہ
لپیٹ کر پڑ گئی۔ جب شاہد واپس آیا تو وہ جاگ رہی تھی مگر
ایسے دکھاوا کرنے لگی جیسے گہری نیند میں چلی گئی ہو۔ وہ
شاہد کو مزید برداشت کرنے کے موڈ میں نہ تھی، بار بار اس کا
دھیان بھٹک کر سہیل کی طرف جا رہا تھا۔ شاہد نے اسے دوا
دینے کے لیے ہولے سے پکارا مگر پھر اس کی نیند میں خلل
کا سوچ کر رک گیا اور اپنے ارمانوں کو تھپک کر سلانے کے
بعد وہ بھی گہری نیند میں چلا گیا تھا۔ شاہد تو چین کی نیند سو
گیا مگر وہ ساری رات سلگتی، تڑپتی رہی اور اپنے نصیبوں کو
روتی رہی تھی۔

......☆☆......

اس کی ماں جب بھی اس سے ملنے آتی تو وہ اس سے
سیدھے منہ بات نہ کرتی۔ ایک دن اس کی ماں آئی تو اس کا
رونا دیکھ کر بولے بنا رہ نہ سکی۔

اس نے خاموشی سے کارڈ تھاما اور گم صم سی وہاں سے چل پڑی۔ جس محبت کی قبر وہ دل میں بنا چکی تھی وہ پھر سے زندہ ہوگئی تھی۔ وہ جو رفتہ رفتہ شاہد کی طرف مائل ہورہی تھی پھر سے منکر ہوگئی تھی۔

شاہد اسے اتنی آسانی سے تو نہ چھوڑتا۔ لہٰذا اس نے اوچھے ہتھکنڈے اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہانے بہانے سے شاہد اور خالہ کو زچ کرنا شروع کردیا تھا۔ اب وہ جان بوجھ کر ایسی حرکات کرتی جس پر شاہد کو طیش آئے۔ کبھی استری کرتے ہوئے کپڑے جلا دینا، کبھی گھر کی کوئی قیمتی چیز توڑ کر اور پھر اس پر ہی دریغ نہ کیا بلکہ اپنی سیدھی سادی خالہ ساس سے بدزبانی کرنا شروع کردی۔ ساحرہ نے ہر وہ حربہ آزمایا جس سے گھر کے لوگوں کا دل اس سے متنفر ہوجائے اور شاہد اسے طلاق دے دے کیونکہ سہیل ایسا چاہتا تھا مگر وہ اللہ کا بندہ اس کی غلطیوں کو ہمیشہ یہ کہہ کر نظر انداز کردیتا کہ چلو چھوڑو اور آجائیں گے اور وہ مزید جھنجھلا جاتی۔

سہیل نے اسے پوری طرح سے اپنی جانب راغب کرنا شروع کردیا تھا۔ پہلے پہل چیزوں کا نقصان کرتی تھی مگر کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر وہ براہ راست شاہد سے بدتمیزی پر اتر آئی تھی۔ وہ اس کے اچانک بدلتے ہوئے رویے پر حیران و پریشان تھا سمجھ نہیں پارہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ شاہد کی ماں نے اس کے رویے کی خبر اپنی بہن کو نہ ہونے دی کہ وہ اسے سمجھانے کی بجائے الٹا اور بگڑ جاتی۔ ادھر سہیل کا پریشر اس پہ دن بدن بڑھ رہا تھا کہ اگر اس نے جلد کوئی فیصلہ نہ لیا تو وہ اپنی جان لے لے گا۔

......☆☆......

اس دن شاہد گھر آیا تو ساحرہ کا مزاج سخت بگڑا ہوا پایا۔

''کیا بات ہے ساحرہ تم نے منہ کیوں پھلایا ہوا ہے اور اماں سے کیا تمہاری کوئی کھٹ پٹ ہوئی ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔

''کیا مصیبت ہے۔ اگر میرے دل میں کچھ ارمان ہیں تو ان کے پورا کرنے کی خواہش ناجائز ہے؟'' ساحرہ نے بدتمیزی سے کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو کھل کر کہو۔'' شاہد نے تحمل سے کہا۔

''کچھ نہیں خالہ نے میری تذلیل کرنے کے لیے میرے خلاف تمہارے کان بھر کر بھیج دیا۔ انہیں تو جیسے آگ لگانے کا موقع چاہیے تھا۔'' ساحرہ نے بدلحاظی سے کہا۔

''کیوں فضول بول رہی ہو اماں بے چاری نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو بس روئے جارہی تھیں۔ تم خوامخواہ بدگمان نہ ہو۔ مجھے تو ابھی تک بات کی نوعیت کا بھی نہیں پتا۔'' شاہد کے ماتھے پر ہلکی سی شکنوں کا جال بچھ گیا تھا۔

''میں نے تو صرف اتنا کہا کہ میں سونے کے کنگن بنوانا چاہتی ہوں خالہ شاہد سے کہو کہ مجھے بنوا کردے آگے سے کہنے لگی کہ میرے شاہد کی اتنی گنجائش نہیں ہے۔'' ساحرہ نے جھوٹ موٹ کے آنسو بہاتے ہوئے ساس کی نقل اتاری۔

''دیکھو ساحرہ۔ وہ میری ماں ہے اور تمہاری خالہ ساس اگر انہوں نے تمہیں ایسا کہہ بھی دیا تو ان سے بدتمیزی کرنے کی کیا تک تھی۔'' شاہد کو پہلی بار ماں کے لیے بہت برا لگا تھا۔ اس کے الفاظ اور خاص طور پر اس کا لہجہ۔

''میں نے متعدد بار تم سے کہا کہ جو بھی فرمائش ہو مجھ سے کہو میں پوری کروں گا۔ اماں سے الجھنے کیوں بیٹھ گئی اور اگر اماں نے کچھ کہہ بھی دیا تو آگے سے بدتمیزی کرنا نہیں بنتی تھی۔'' وہ اسے پھر اسی تحمل اور بردباری سے سمجھانے لگا مگر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

''بار بار بدتمیزی کا طعنہ کیوں دے رہے ہو؟ ہاں کی ہے میں نے ان سے بدتمیزی اور ایک بار نہیں بار بار کروں گی۔ کوئی مجھے روک کر دکھائے اور اگر تم دونوں سے برداشت نہیں ہوتا تو طلاق کیوں نہیں دے دیتے ہو یوں گھٹ گھٹ کر اور اپنی خواہشات کو مار کر مجھ سے نہیں جیا جائے گا۔'' ساحرہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔

''ساحرہ۔'' طلاق کے مطالبے پر شاہد کے تن بدن

میں آگ لگ گئی تھی۔

''کیا بکواس کی تم نے؟'' شاہد نے غصے سے بے قابو ہوکر ایک زور کا تھپڑ اس کے گال پہ رسید کیا تھا۔

''میں نے تمہارا بہت لحاظ کیا، تمہاری ہر کوتاہی کو نظر انداز کیا اور آج تمہیں طلاق کا لفظ اپنے منہ سے نکالتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی؟'' شاہد غصے سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔

ساحرہ جس نے شاہد کو ہمیشہ نرم گفتار دیکھا تھا آج اس کا یہ روپ دیکھ کر دنگ رہ گئی اور وہ اپنی ذلت پر پاگل سی ہوگئی تھی۔

''تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا گھٹیا انسان۔ تمہاری یہ جرأت۔ ابھی دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔'' وہ غصے سے بل کھاتی ہوئی باورچی خانے کی جانب لپکی۔ اس سے پہلے کہ شاہد کچھ سمجھتا ساحرہ نے مٹی کے تیل کا گیلن اٹھایا اور اپنے اوپر چھڑک کر آگ لگالی۔ یہ سب آناً فاناً ہوا شاہد کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس حد تک جاسکتی ہے۔ ساحرہ کا خود کو آگ لگانا فرسٹریشن کا نتیجہ تھا جو وہ سہیل کی اکتاہٹ نما باتوں سے پریشان رہتی تھی۔ شاید اس کے دل میں یہ بات ہو کہ شاہد دھن کا پکا ہے طلاق کبھی نہیں دے گا۔ جب میں سہیل کو میسر نہیں تو شاہد کو بھی کیوں میسر رہوں۔ اس بے راگ زندگی سے اچھی ہے موت کی خاموشی۔ جہاں کوئی رنگ ہے نہ راگ پھر بھی سکون نظر آتا ہے۔

''ساحرہ...... یہ تم نے کیا کیا؟'' شاہد کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوچکی تھی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے شعلوں میں گھری چیختی چلاتی ہوئی ساحرہ کو اپنی بانہوں میں لیا اور خود بھی ساحرہ کی لگائی ہوئی آگ کے شعلوں کی لپٹ میں جلنے لگا۔ شاہد نے ساحرہ کو تیزی سے بھڑکتی آگ میں سے نکال کر باہر دھکیل دیا اور خود تکلیف سے بلبلانے لگا تھا۔

شاہد کی ماں چیخوں کی آواز سن کر دہل کر دوسرے کمرے سے باہر آئی اور سکتے میں رہ گئی۔ اس نے جو کچھ میسر آیا اسے ساحرہ پر ڈالا اور پھر اپنے لخت جگر کو تڑپتے دیکھ کر اس کی تو جان ہی نکل گئی وہ چیخیں مارتی ہوئی مدد کے لیے باہر دوڑی تھی۔ لوگ دوڑے چلے آئے اور ساحرہ اور شاہد پر کمبل ڈال دیے ایک کہرام سا مچ گیا تھا، شاہد کی ماں واویلا کررہی تھی، اس کا لخت جگر اس کی نظروں کے سامنے بری طرح جھلسا ہوا بے دم پڑا تھا۔ ساحرہ ہوش اور سکتے کی ملی جلی کیفیات میں تھی، اس نے نیم بے ہوشی میں آخری بار شاہد کو دیکھا اور پھر مکمل ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

ایمبولینس کے آتے ہی دونوں کو اسپتال روانہ کردیا گیا۔ شاہد کی ماں جو شاید بیٹے کو بچانے کی تگ و دو میں ہمت مجتمع کیے تھی اس کے اسپتال جاتے ہی بے ہوش ہوکر گر گئی تھی۔ پھر وہ ہوا جس کا کسی نے کبھی سوچا نہ تھا ایک ہنستا بستا آشیانہ اجڑ گیا تھا۔ گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ آگ شاہد کے دل کے قریب پہنچ چکی تھی جس سے وہ جانبر نہ ہوسکا اور یوں ایک ہنستا مسکراتا اور بے پناہ چاہنے والا شخص اس کم عقل عورت کی نادانی کی وجہ سے منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔

جس ماں کا جوان بیٹا، اس کا واحد سہارا یوں چھوڑ چھاڑ کر چلا جائے وہ کیسے ہوش میں رہ سکتی ہے۔ شاہد کی ماں اپنا ذہنی توازن کھوچکی تھی۔ دوسری طرف ساحرہ تو زندہ تھی مگر مردوں سے بدتر۔ وہ اپنے رنگ و روپ کے ساتھ ساتھ اپنا ہنستا بستا گھر بھی اجاڑ چکی تھی وہ بچ تو گئی تھی مگر عبرت کا نشان بن کر۔

......☆☆......

اسپتال میں ہوش آنے پر اس کی تکلیف و سوزش کئی گ[illegible] بڑھ گئی تھی مگر یہ تکلیف جسمانی زخموں کی نہیں تھی۔ یہ ندامت [illegible] کی تھی۔

''میں بچ کیسے گئی؟'' اس نے اپنے سن وجود پ[illegible] دوڑائی اس نے اپنے آپ کو مرے ہاتھوں سے ٹٹو[illegible] ہوئے خود سے کلام کیا اور پھر جیسے سب کچھ اس کے س[illegible] فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

''یہ میں نے کیا کیا؟'' پچھتاوے کے ناگ س[illegible]

گئے جانے کتنے دن بعد اسے ہوش آیا تھا۔ یکا یک اس نے چیخنا شروع کردیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کررہی تھی مگر جسم شاید سن تھا، زخم ابھی تازہ تھے ایک شدید درد کی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر وہ پھر بھی اٹھنے کی ناکام کوششوں میں لگی تھی، اس کے شور اور واویلے کی آواز سن کر ڈاکٹرز اور نرس بھاگے چلے آئے اور اسے قابو کیا جانے لگا تھا۔

''چھوڑو مجھے...... مجھے گھر جانا ہے، شاہد کہاں ہے، وہ ٹھیک تو ہے ناں؟ مجھے جانے دو۔ پلیز مجھے اس کے پاس لے چلو۔'' ایک نرس نے اس کے بازوؤں کو جکڑ رکھا تھا وہ اس سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے بول رہی تھی۔ دوسری نرس سرنج میں دوا بھرنے لگی تھی۔

''پلیز لیٹ جائیے آپ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی ہیں۔'' اسی نرس نے ہمدردی سے کہا جو اس کو قابو کیے ہوئے تھی اور پھر ڈاکٹر کا اشارہ پاتے ہی دوسری نرس نے اس کے بازو میں سرنج گھسا دی۔ ''سی'' کی آواز کو لبوں سے آزاد کرتے ہوئے وہ پھر بولی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے شاہد سے ملنا ہے، کہاں ہے وہ؟ مجھے اس سے ابھی اور اسی وقت ملنا ہے، مجھے اس سے معافی مانگنی ہے۔ شاہد...... شاہد...... کہاں ہو تم؟'' وہ اسے زور زور سے پکارنے لگی اور پھر دوا نے اپنا اثر دکھایا اور وہ جلد ہی ہوش سے غافل ہوگئی۔ اپنی کم عقلی اور نادانی کے ہاتھوں سچے محبوب جیسا قیمتی سرمایہ گنوانے کے بعد خالی ہاتھوں کے کٹوروں میں پچھتاوے کے کھوٹے سکے ہی رہ جاتے ہیں۔ جو کہیں نہیں چلتے۔

جب اس کے دوبارہ ہوش میں آنے پر جو روح فرسا خبر اسے سننے کو ملی اس نے اسے جی جان سے لرزا دیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی اور کوئی اس کے آنسو صاف کرنے والا نہ رہا تھا۔

سہیل کو اس حادثے کی سن گن کسی نہ کسی طرح سے مل ہی گئی تھی۔ وہ خاموشی سے منظر سے ہٹ گیا اور اب اسے ساحرہ سے کیا غرض اور اب تو ساحرہ کو بھی اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ساحرہ کی خطا جان کر اس کے ماں باپ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا تھا اور قطع تعلق کرلیا تھا۔ اس کی ماں صرف اپنی ماں جائی سے ملنے اور معافیاں مانگنے آئی تھی، جو کہ بے چاری اب حواسوں میں نہ رہی تھی۔

ہلکے سے کھٹکے کی آواز پر ساحرہ سوچوں کی گھپ اندھیری وادی سے باہر نکل آئی اور باہر کے دروازے کی کنڈی چڑھائی۔

اس کی ماں جب بھی اپنی بہن سے ملنے آتی تو ساحرہ کو دیکھ کر اس کے منہ سے بددعائیں نکلتی تھی۔

''بھر لیا ناں اپنی کرنی کا پھل نامراد، تجھ جیسی بیٹیاں تو پیدا ہوتے ہی مرجانی چاہیں جو اپنے ماں باپ اور خاوند کی رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ کم بخت تو کیسے زندہ رہ گئی۔ کاش شاہد کی بجائے تو مرجاتی تو آج میری بہن کا یہ حال نہ ہوتا۔ میری بیوہ بہن کو برباد کردیا تو نے۔ میں تجھے بھی معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں، میرا بچہ کھا گئی ڈائن۔'' ساحرہ کی ماں آج پھر اس کے روبرو کھڑی اسے لعن طعن کررہی تھی اور پھر اس نے اپنی بہن کے بےتاثر چہرے کی جانب دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''جا مر جا تو بھی مرجا کہ کچھ تو مداوا ہو۔'' وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بول رہی تھی۔

وہ نازوں سے پلی بیٹی کہ جس کی کبھی کوئی فرمائش نہ رد کی گئی تھی اور جس کو کبھی پھول کی چھڑی سے نہ چھوا تھا آج اس کی اپنی ماں کا کلیجہ اس کے لیے پتھر ہوچکا تھا۔

''شاہد کو کھا گئی منحوس۔'' وہ پھر بولی۔

شاہد...... شاہد...... ہاں شاہد کہاں ہے وہ؟'' شاہد کی ماں نے اپنے بیٹے کے نام پر چونکتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے شاہد، کہاں ہے شاہد؟ بولو، بولو جواب دو۔'' وہ ساحرہ کی ماں کو جھنجھوڑتے ہوئے ایک ہی بات کی تکرار کرنے لگی تھی۔

ساحرہ کے دل سے ہوک اٹھی، اس سے یہ سب برداشت نہ ہوا اس نے چادر اوڑھی اور چپکے سے گھر سے باہر نکل آئی۔ اب اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا۔

شاہد جس کی قدر وہ اس کے جیتے جی نہ کرسکی مگر مرنے کے بعد اسے اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ وہ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ سہیل کو نہیں شاہد کو چاہتی تھی، جب وہ زندہ تھا تو وہ اسے قریب نہ آنے دیتی تھی اور اب اس کی قبر کے ساتھ لپٹ کر زار و قطار روتی، معافیاں مانگتی مگر معاف کرنے والا تو بہت گہری نیند سوچکا تھا کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔ وہ کیسے اس کی صدا سنتا گر سنتا بھی تو دادرسی نہ کرسکتا تھا۔

''شاہد...... مجھے معاف کردو، ایک بار، میں نے تمہاری قدر نہ کی، میں بہت بری ہوں۔ شاہد مجھے مارو، مجھے ڈانٹو مگر خدارا یوں چپ نہ رہو، تمہاری چپ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، صرف ایک بار مجھے اپنی غلطی سدھارنے کا موقع دو۔ تم تو میرے دکھ درد کے ساتھی تھے ناں۔ تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کہ تم میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گے، تم سے تو میری ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں ہوتی تھی۔ شاہد دیکھو آج میں تڑپ رہی ہوں، بلک رہی ہوں اور تم میرے آنسو تک نہیں پونچھ رہے۔ لوٹ آؤ شاہد، دیکھو میں اب بدل گئی ہوں۔ میں وہ پہلے والی ساحرہ نہیں رہی ہوں جسے اپنے حسن و جمال پر غرور اور تکبر تھا۔ وہ ساحرہ تو اسی دن اس آگ میں جل کر خاک ہوگئی تھی جس آگ نے ہمارے آشیانے کو خاکستر کیا تھا۔ شاہد تم دیکھنا...... تم دیکھنا اب میں تمہیں کتنا پیار دوں گی۔ تمہارے سارے گلے شکوے دور کردوں گی اور تمہاری ہر بات مانوں گی۔ خالہ جان سے بدتمیزی بھی نہیں کروں گی اور تم سے تو بالکل بھی نہیں۔ دیکھو میں نے ہماری خواب گاہ کو کس طرح آراستہ کیا ہے، پورے کمرے میں تمہاری تصاویر فریم کروا کر لگوائی ہیں، تم جب دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ کب سے میں ہی بول رہی ہوں تم کوئی جواب کیوں نہیں دے رہے، اٹھو گھر چلو خالہ بہت اداس ہیں، تمہارا انتظار کررہی ہیں۔ اب چلو بھی۔ ایسی بھی کیا ناراضگی۔ مجھ سے تو تم کبھی ناراض رہ بھی نہیں سکتے تو پھر آج ایسا کیوں کررہے ہو۔'' وہ شاہد کی قبر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بہکی بہکی باتیں کررہی تھی۔ پچھتاوا جب حد سے زیادہ ہوتا تو وہ اپنے حواس کھو دیتی تھی۔ وہ گھر سے نکلتی ارادہ ہوتا کہ شاہد کی قبر پر جا کر آنسو بہائے۔ خاموش ندامت رکھے اور کچھ تسلی ہونے پر دوبارہ گھر واپس آجائے مگر وہاں پہنچ کر دل میں پچھتاوے کا جاگزیں احساس سوا ہو جاتا۔ وہ خاموش نہ رہ پاتی۔ بولتی تو یوں بہکتی کہ محسوس ہوتا کہ جیسے کسی روبرو بیٹھے زندہ انسان سے باتیں کررہی ہو مگر وہ بھی عدم کا مسافر تھا جس کا نہ کوئی پڑاؤ ہے نہ کوئی واپسی۔ مٹی کے وزن تلے کان لپیٹے صدیوں کی چپ اوڑھے سویا رہتا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔

آج بھی لوگ جب اس قبرستان میں جاتے ہیں تو انہیں ایک قبر پر میلے کچیلے کپڑے بال بکھرائے ایک لڑکی بین کرتی، کرلاتی دکھائی دیتی ہے جو نہیں جانتے ان کی نگاہ میں ترحم دکھائی دیتا ہے اور جو جانتے ہیں وہ اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں مگر وہ ان تمام نظروں اور باتوں سے بے نیاز ہوچکی ہے، وہ گھر کے کام کاج کرکے خالہ ساس کو زبردستی کھانا کھلا کر باقی کا سارا وقت شاہد کی قبر پر اس سے باتیں کرتے گزارتی ہے اور اکثر یہ شعر گنگناتی ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

biazdill@naeyufaq.com

بیاض دل

میمونہ رومان

مہوش ملک...... جڑانوالہ

میرے ہنستی ہوئی صورت تو دکھاوا ہے فقط
سچ تو یہ ہے کہ تیری کمی بڑا ستاتی ہے
میں نہ سوچوں گی تجھے، یہ عہد کیا تھا نا
اے حسین شخص! تیری یاد مگر آتی ہے

نجمہ جبار...... بہاولپور

زمانے کی تو سب ہی رمیں ہی سنگ دل ہیں
پھر بھلا تم کیسے مجھے اپنا بنا پاؤ گے

شہزادی وردہ...... گجرات

آواز میں ٹھہراؤ تھا آنکھوں میں نمی تھی
اور کہہ رہا تھا میں نے سب کچھ بھلا دیا

ماریہ چوہدری...... گجرات

بات تھی محبت کی ایک ہی محبت کی
اور تم محبت پر کب یقین رکھتے تھے

عائشہ صدیقہ احمد زئی...... اسلام آباد

ہوائیں سرد ہو جائیں یا لہجے برف ہو جائیں
ہم اس کی یاد کی چادر کو خود پہ تان لیتے ہیں
اگر وہ روٹھ جاتا ہے ہماری جاں نکلتی ہے
یہ سانسیں جاری رکھنے کو ہم اس کی مان لیتے ہیں

نوشی مغل...... جلال پور بھٹیاں

خط کے چھوٹے سے تراشے میں نہیں آئیں گے
ہم زیادہ ہیں لفافے میں نہیں آئیں گے
جس طرح آپ نے بیمار سے رخصت لی ہے
صاف لگتا ہے جنازے میں نہیں آئیں گے

انعم اسحاق...... برنالی

مرشد تیرے مرید کی حق تلفی کی گئی
مرشد جو شخص میرا تھا وہ چھین گیا مجھ سے

رضوانہ وقاص...... کرلاں، ہری پور

چاہت بھی آپ سے ملی
راحت بھی آپ سے ملی
ہم سے کبھی روٹھنا مت
کیونکہ مسکراہٹ بھی آپ سے ملی

وقاص عمر...... بنگڑ نو، حافظ آباد

یہ بارش اور یہ شام
آج پھر تیرے نام

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

تو جیتا رہے، میں ہارتا ہی جاؤں
اس ہار جیت میں یہ عمر بیت جائے
آ میں ہارنے کو تیار بیٹھا ہوں
گر میرے ہارنے سے تو جیت جائے

تحریم فاطمہ...... بہلول پور

تو اس طرح سے مجھے خود تلک رسائی دے
کہ میرے دل کی صدا بھی تجھے سنائی دے
تو میری روح کے آئینے میں سمائے یوں
میں دیکھوں خود کو مگر تو مجھے دکھائی دے

یمنیٰ نور...... گجرات

تجھ میں ہے چاند سی کشش سمائیں
میں سمندر کی بے قراری ہوں

ثناء فہد...... لاہور

انوکھی چمک اس کے چہرے پہ تھی
مجھے کیا خبر تھی کہ مر جائے گا

اسبرین شمشاد...... کراچی

کبھی نظر میں بلا کی شوخی، کبھی سراپا حجاب آنکھیں
روا رکھے تو لوگ مجھ سے بولے حضور آنکھیں، جناب آنکھیں
عجب تھا کچھ گفتگو کا عالم، سوال آنکھیں، جواب آنکھیں
ہزاروں ہی ان سے قتل ہوں گے خدا کے بندے سنبھال آنکھیں

هانیہ فردوس...... کوٹ رادھا کشن

وہ دن، وہ محفلیں، وہ شگفتہ مزاج دوست
موج زمانہ لے گئی جانے کہاں کہاں

فروا ناز...... کراچی

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟

مہرین قریشی...... ملتان

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ
نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دور پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جانانہ

نورین سرور...... سیالکوٹ

باغ عالم میں رہے شادی و ماتم میں رہے
پھول کی طرح ہنسے رو دیے شبنم کی طرح
شکوہ کرتے ہو خوشی تم سے منائی نہ گئی
ہم سے غم بھی تو منایا نہ گیا غم کی طرح

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

تم نے تو کہہ دیا کہ محبت نہیں ملی
مجھ کو تو یہ بھی کہنے کی فرصت نہیں ملی
پھر اختلاف رائے کی صورت نکل پڑی
اپنی یہاں کسی سے بھی عادت نہیں ملی

ہالہ سلیم...... کراچی

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

کومل کاشان...... منڈی بہاؤالدین

ہزار چہروں میں ملی مجھے مشابہت اس کی
پر دل کی یہ ضد کہ وہ نہیں تو اس جیسا بھی نہیں

ثاقلہ عمران...... چیچہ وطنی

مجھے لہجوں کے بدلنے سے ہمیشہ خوف آتا ہے
کہ لہجے جب بدلتے ہیں کوئی اپنا نہیں رہتا

منیبہ نواز...... کراچی

کبھی خوشی، کبھی غم دے کر آزماتا ہے
میرا رب مجھے حسب حال دیتا ہے
اسی نے چاند ستاروں کو بخش دی ہے ضیاء
وہی جو رات کو دن سے اجال دیتا ہے

ماہ رخ جبیں...... شاہدرہ، لاہور

کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے
ہم نہیں ہوں گے کہ جب ہوں گے اجالے محسن
حاکم وقت کہاں، میں کہاں، عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زباں پہ لگائیں تالے محسن

شفاعت بتول...... جام پور

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
سنو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

علیشہ رباب...... پشاور

محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئی پلکیں
بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
ان اجنبی راہوں میں نہیں کوئی بھی میرا
کس نے یوں مجھے اپنا کہا، تم تو نہیں ہو

فوزیہ ناز...... کوئٹہ

تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

انعم دانش...... ملتان

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

info@naeyufaq.com

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

نوڈلز کے پکوڑے

اجزا:۔

نوڈلز	ایک پیکٹ
بند گوبھی	دو کھانے کے چمچ
گاجر	دو کھانے کے چمچ
شملہ مرچ	دو کھانے کے چمچ
پیاز	ایک عدد
پسا دھنیا	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے
تکی مصالحہ	ایک پیکٹ
نمک	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
بھنا کٹا زیرہ	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چٹکی
بیسن	ایک کپ

ترکیب:۔

نوڈلز کو ابال لیں۔ ایک پیالے میں بند گوبھی، گاجر، شملہ مرچ، پیاز جولین انداز (لمبا اور باریک) میں کاٹ لیں پھر اس میں سارے مصالحے اور بیسن ڈال کر تھوڑا سا پانی ملا کے پکوڑوں جیسا آمیزہ بنالیں، فرائنگ پین میں تیل ڈال کر گرم کریں۔ پکوڑے ہلکے سنہرے ہونے تک تلیں۔

شاہ بہرام انصاری ..... ملتان

رس ملائی

اجزا:۔

دودھ	ایک کلو
خشک دودھ	ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
انڈہ	ایک عدد
چینی	ایک کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچ
الائچی	پانچ عدد
بادام/پستے	حسب ضرورت

ترکیب:۔

دودھ میں چینی، الائچی اور بادام، پستے ڈال کر ابال لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر، انڈہ اور گھی ملا کر گوندھ کر رکھ لیں۔ (اگر گھی جما ہوا ہے تو زیادہ بہتر ہے) ہاتھ چکنے کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکیہ بنائیں۔ دودھ میں جوش آجائے تو درمیانی آنچ کر کے ساری ٹکیاں ڈال دیں۔ چمچ چلاتے رہیں تھوڑی دیر بعد جب یہ پھول جائیں اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

فوزیہ سلطانہ ..... ٹوبہ ٹیک سنگھ شریف

کھڑے مسالے کا قورمہ

اجزا:۔

مرغی	ایک کلو
[illegible] (ہوائیاں کاٹ لیں)	ایک پوتھی
ٹماٹر (گول سلائس کاٹ لیں)	تین عدد
ثابت دھنیا (موٹا کوٹ لیں)	ایک کھانے کا چمچ
پیاز درمیانے	تین عدد
ادرک (باریک کاٹ لیں)	دو انچ کا ٹکڑا
دہی (ململ کے کپڑے میں ڈال کر پانی نچوڑ لیں)	ایک کپ
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچ
لونگ	چار عدد
دار چینی	تین اسٹک
چھوٹی الائچی	چھ عدد
بڑی الائچی	تین عدد
زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
جائفل پاؤڈر	ایک چٹکی
جاوتری پاؤڈر	ایک چٹکی
کڑھی پتے	تین عدد
تیل	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں	تین عدد

ترکیب:۔

سب سے پہلے تیل گرم کریں اور مرغی میں ہلکا نمک لگا کر تل لیں۔ اب اس تیل میں ثابت گرم مسالا، لونگ، دار چینی، چھوٹی الائچی، بڑی الائچی، زیرہ، سیاہ مرچیں، جائفل پاؤڈر، جاوتری پاؤڈر اور کڑی پتے ڈال کر تل لیں۔ اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر گلابی کر لیں۔ اس میں لہسن اور ادرک ڈال کر چمچ چلائیں، ہلکا گلابی ہو جائے تو ٹماٹر ڈال دیں۔ ساتھ ہی نمک، لال مرچ پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر ڈال دیں۔ اب کٹا ہوا ثابت دھنیا ڈال کر اس مسالے میں بھونیں (چاہیں تو پانی کا چھینٹا بھی دیں) اب دہی بھی شامل کر لیں اور اچھی طرح بھونیں جب گوشت مسالے میں اچھی طرح بھن گیا ہے تو کٹا ہوا دھنیا بھی شامل کر دیں اور ساتھ ہی دو کپ پانی ملا دیں تاکہ حسب ضرورت گریوی رہ جائے۔ قورمہ تیار ہو جائے تو دھنیا اور ہری مرچوں سے گارنش کریں۔ چاہے تو گارنشنگ میں ہلکا سا کریم کا چمچ بھی دے سکتے ہیں۔ پراٹھوں یا روغنی نان اور رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

کشف بتول ..... راولپنڈی

چکن موتی پلاؤ

اجزا:۔

چاول	تین پیالی
سفید چنے	ایک پیالی
چکن بریسٹ	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک عدد درمیانی
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	دو سے تین عدد
دہی	آدھی پیالی
بڑی الائچی	ایک سے دو عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
لونگ	تین سے چار عدد
پودینہ	دو سے تین کھانے کے چمچ
ہری مرچ	دو سے تین عدد
بناسپتی گھی	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

چنوں کو دھو کر گرم پانی میں بھگو کر رکھیں۔ دو سے تین گھنٹے کے بعد وہ پانی پھینک کر تازہ پانی ڈالیں اور ابال کر اچھی طرح گلا لیں۔ چکن بریسٹ کی چھوٹی بوٹیاں کاٹ کر انہیں دھو کر رکھ لیں، چاولوں کو دھو کر بیس منٹ بھگو کر رکھ دیں۔ پین میں گھی ڈال کر گرم کریں اور اس میں دار چینی اور لونگ ڈال کر کڑکڑا لیں۔ باریک کٹی ہوئی پیاز کو ہلکا سنہری فرائی کریں اور ادرک لہسن، لال مرچ اور ہلدی ڈال دیں۔ ہلکا سا پانی کا چھینٹا دے کر بھونیں پھر اس میں ٹماٹر اور چکن ڈال کر تیز آنچ پر بھونیں، ابلے ہوئے چنے [illegible] آدھی پیالی پانی ڈال دیں۔ پانچ سے سات منٹ دم پر رکھ کر اتار لیں۔ نمک ملے پانی میں الائچی ڈال کر چاولوں کو ایک کنی ابال لیں اور چھلنی میں ڈال کر اچھی طرح پانی نکال دیں۔ دہی میں باریک کٹا ہوا پودینہ اور ہری مرچیں شامل کر دیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ بناسپتی گھی ڈال کر [illegible] چاول پھیلا کر ڈالیں پھر اس پر چکن اور چنے والا مصالحہ [illegible] اور دہی ڈال کر دوبارہ سے چاولوں کی تہ لگا دیں۔ ڈھکن لگا کر [illegible] پر دس سے بارہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں اور پھر ڈش میں اس طرح نکال لیں کہ تہ نہ خراب ہو تاکہ خوبصورتی نظر آئے۔

بینش زین ..... کراچی

biazdill@naeyufaq.com

نیرنگ خیال

ایمان وقار

حمد

شروع کرتا ہوں رب کریم تیری حمد
کہ ہے وظیفہ افضل عظیم تیری حمد
تیری صفات کی ہم پلہ کوئی چیز کہاں
تیری صفات کے قربان جائیں دونوں جہاں
ہے غریبوں، یتیموں کو پالنے والا
ہے تو ہی سر سے مصیبت کو ٹالنے والا
تیرا اکرم نہ اگر ہو تو زندگی بے کار
تیرے اشارے سے ہوتا ہے سب کا بیڑا پار
تیرے کرم کے ہیں مشتاق ہم اے رب کریم
ہزار رنگ میں رحمت تیری ذات رحیم

چوہدری قمر جہاں علی پوری...... ملتان

تم میری پہچان بنو

تم میری پہچان بنو
ایسے عالی شان بنو
ملے مجھے تسکین بہت
دیکھو تم نروان بنو
بنجر دل میں ہریالی ہو
میرے لیے دہقان بنو
بادل بن کر برسوں گی میں
تم کھیت بنو، کھلیان بنو
قسمیں کھاؤں گی میں تمہاری
دین بنو، ایمان بنو
سانس تمہاری میری ہو اک
تم گر میری جان بنو
یہ گلشن، باغ تمہارا
جذبوں کا تحمل دان بنو
ہر جانب ہو بات تمہاری
ایک ایسے انسان بنو
کچھ نہیں مانگتی جانم تم سے
رب میرے، نگہبان بنو

فریدہ فری...... لاہور

اکیلی عورت

بیٹھ کر اپنے بخت کو رو دوں کہ
تم مر گئے ہائے
یا ان چار بالوں کا پیٹ بھرنے کو
دل پہ ضبط کے بند باندھ لوں
ہم بدنصیبوں کے خوابوں میں بھی
رونا لکھ دیا گیا مگر
ہمیں رونے کی فرصت نہیں ملتی

نوشین انجم...... حاجی شاہ

چھوڑ گیا

تپتے صحرا میں مجھے چھوڑ گیا
روح و دل نے جسے دریا سمجھا
آج بھی پھرتی ہوں تنہا تنہا
چھوڑ گیا جسے اپنا سمجھا
میں نے چاہا اسے جاں سے بڑھ کر
اس نے پھر بھی نہ شناسا سمجھا
کیسے دیکھیں کوئی اب سپنا، عروش!
جھوٹا نکلا جسے سچا سمجھا

عروشہ خان عروش...... بہاول پور

بزم رونق

بزم رونق سے کیونکہ کنارہ کیا
سوچا، سمجھا، نہ سمجھا وجہ دوستو!
جاں فنا کرنا چاہی مگر جینے کی
بن گئی اک وجہ، بے وجہ دوستو!
من میں تھا بھی بہت میرے ذوق سخن
توڑ ڈالا قلم، بے وجہ دوستو!
خوامخواہ راکھ کرکے دیوان غزل
ڈھونڈتا ہوں وجہ، بے وجہ دوستو!
نشیمن بھی خود ہی جلا ڈالا میں نے
وجہ، بے وجہ، بے وجہ دوستو!

صبا اسحاق مغل...... مقام نامعلوم

موسم

سال میں ہوتے ہیں چار موسم
آؤ جل کے یاد کریں ہم
سب کے دل کو بھائے سردی
دھند اور ٹھنڈ نے حد کردی
پھر ختم ہوگئی دھوپ کی نرمی
اور خوب پسینہ لائی گرمی
باغوں میں آ گئی پھولوں کی مہکار
دھیرے سے دھیرے سے آئی بہار
سردی، گرمی ہوگئی یکساں
پتے جھاڑ ہوئی حاضر خزاں
سب موسم ہیں پیارے پیارے
رب نے جوز میں پہ اتارے

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

محبت کو آزمایا

تیری محبت کو آزمایا ہے
رونگ نمبر بن کر ستایا ہے تجھے
میسج پہ کرتی تھی بات میں خود
کال پہ کزن کی آواز کو سنو لیا ہے
یقین دلاتے تھے تم کہ میرے ہو بس
یہی باتوں سے تم نے کزن کو پٹایا ہے
کہتے تھے تم میری زندگی میں تم ہی ہو بس
ان ہی ڈائیلاگوں سے اور کتنی
لڑکیوں کو پھنسایا ہے تم نے
وعدے تو کرتے تھے تم یقین دلا دلا کر
ان وعدوں کو توڑ کر تم نے مجھے رلایا ہے
ٹائم پاس کرنا تو تمہاری عادت تھی
اپنی عادتوں سے کتنی لڑکیوں کا دل دکھایا ہے تم نے
وقت آئے گا جب تمہیں احساس ہوگا محبت کا ثمرہ
پھر محبت نہیں تمہیں ملے گی تمہارا دھوکا واپس آئے گا

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

ویرانی

کبھی تم نے دیکھا ہے ویراں جزیرے کو
وہاں کی ویرانی سے وحشت ہوتی ہوگی
اس سے بھی بڑھ کر پوشیدہ ہے ویرانی روح کی
میں اندر کے موسم میں قید ہوں راکھ کی مانند
یاں بدلتی ہیں تقدیریں بھی تاریخیں بھی
مگر دل کے موسم کی کوئی میعاد نہیں ہوتی
ہوائیں رقص کریں تو تغیر تو ہوگا
میں ہمار وجود پر یہ طلسم بھی سہہ لوں
میں اس سکن زدہ دل سے آزاد ہوں کیونکہ
میری مدھم آوازوں کا پرزور ساز ہے بیدل

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

مگر جانے دے

اپنی آنکھوں کے سمندر میں اتر جانے دے
تیرا مجرم ہوں مجھے ڈوب کے مر جانے دے
اے نئے دوست میں سمجھوں گا تجھے بھی اپنا
پہلے ماضی کا کوئی زخم تو بھر جانے دے
آگ دنیا کی لگائی ہوئی بجھ جائے گی
کوئی آنسو میرے دامن پر بکھر جانے دے
زخم کتنے تیری چاہت سے ملے ہیں مجھ کو
سوچتا ہو کہ کہوں تجھ سے مگر جانے دے

جویریہ خان...... ہیڈ بکائنی

التجا

اتنی سی التجا کرتے ہیں تم سے
ہمیں محبت دینا بے وفائی کبھی نا دینا
ہم خوش اخلاق لوگ ہیں بہت
ہمیں محبت دینا تنہائی کبھی نا دینا
اتنی سی التجا کرتے ہیں تم سے
دل میں ہمارے بسی ہے بس تیری محبت
دل میرے کو آیا در کھنا کبھی نا توڑنا
اتنی سی التجا کرتے ہیں تم سے
میری آنکھوں میں خواب فقط تمہارے ہیں
ان خوابوں کی تعبیر بس تم ہی بننا
اتنی سی التجا کرتے ہیں تم سے
محبت ایک بار ہوتی ہے

اس کھنڈروں کی قید سے
آج آزاد کرتی ہوں
ہر اس لمحے کو جو تمہارے ساتھ گزرا
آج آزاد کرتی ہوں
کاش
میرے پاس میں ہوتا
میں جسم کو روح سے آزاد کر دیتی
اس دھڑکن کو دل سے جدا کر سکتی
کہ تمہیں کھو کر آنم کے پاس
جینے کا سبب رہا کچھ بھی نہیں ہے

انم اسحاق...... برنالی

گھر چلتے ہیں

چلو کسی کے گھر چلتے ہیں
جس کے گھر کے دروازوں پر
دربانوں کا راج نہ ہو
جس کے گھر پہ یوں جانے سے
ہم کو کوئی روح نہ ہو
جس کے گھر کی دیواروں پر
اکتاہٹ کا رنگ نہ ہو
جس کے ہونٹوں پر خوش بو ہو
لیکن
دل میں زنگ نہ ہو
جس کی پیشانی چوڑی ہو
لیکن سینہ تنگ نہ ہو
جس کی روشن روشن آنکھیں
ہم کو دیکھ کے کھل جائیں
اتنی خوشی سے ملے وہ ہم کو
جیسے صدیوں کے بچھڑے
دوبارہ اچانک مل جائیں
جس کی بانہوں کے حلقے سے
زخم ہمارے سل جائیں
چلو کسی کے گھر چلتے ہیں

پاکیزہ...... حافظ آباد

سکندر

مقدر کے بُرے نہ ہوتے تو ہم سکندر ہوتے
دل والوں کا لشکر ہوتا اور ہم رہبر ہوتے
قدرت کی یہ عنایت ہے کہ تو مجھ کو ملی ہے
زندگی تیرے بھی کچھ احساں مجھ پر ہوتے
تُو باندھ لیتی اک گلابی ربن کے ساتھ ان کو
ہم تیری زلفِ سیاہ ہوتے اور منتشر ہوتے
ہر آن بادِ مخالف نے پردیس لاکے پٹخا ہے
ورنہ کیا شوق تھا کہ یوں بے گھر ہوتے؟
یہ کیا کہ ایک ہی دکھ نے زندگی اجیرن کر دی
صدمے اگر ہونے تھے تو پھر عمر بھر ہوتے
میں نے تیرا ذکر کسی سے بھی نہ کیا عمیس مگر
مجھے جاننے والے کیسے تم سے بے خبر ہوتے؟

عمیس احمد...... جھنگ صدر

ناراض کر بیٹھی

نہ جانے کیا خطا کر بیٹھی ہوں
خود سے خدا کو ناراض کر بیٹھی ہوں
وہ مولا میرا وہ داتا میرا
وہ خالق میرا وہ رازق میرا
میں یہ کیوں بھول بیٹھی تھی
وہ بخش دیتا ہے خطائیں سب کی
میں امیدی میں بھی ناامید بیٹھی تھی
نہ جانے کیا خطا کر بیٹھی تھی
خود سے خدا کو ناراض کر بیٹھی تھی
میں بھول گئی تھی کہ وہ خدا ہے میرا
وہ نہ بھولے یہ بندہ میرا
نہ جانے کیا خطا کر بیٹھی ہوں
خود سے خدا کو ناراض کر بیٹھی ہوں

زونیرہ ممتاز...... سرگودھا

dkp@naeyufaq.com

ہما احمد

آنچل بہنوں کے نام

اڈیئر آنچل کی بہنوں! آپ سب کو محبتوں سے بھرا سلام قبول ہو۔ آپ سب کی میں تہہ دل سے بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ میری تحریروں کو پسند کرتی ہیں، آپ کی دعاؤں کے عوض اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، آمین۔ آپ کی محبتوں اور دعاؤں کی میں احسان مند ہوں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور مطمئن رکھے، آمین۔ آپ سب میری بہت پیاری بہنیں اور دوستیں ہیں، جن بہنوں نے مجھ سے دوستی کی خواہش کی ہے وہ سب میری اچھی سہیلیاں ہیں۔ آپ سب اپنا بہت خیال رکھیے گا، آپ سب کی سہیلی اور بہن۔ اپنی دعاؤں میں مجھے اور میرے بچوں کو ضرور یاد رکھیے گا۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم دوستو! کیسے ہیں آپ سب؟ ہنستے مسکراتے خوش ہیں ناں۔ آپ سب کی محبتوں اور دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ پاک آپ کو صحت عطا فرمائے، آمین۔ پیاری بہنوں ان صفحات پر آپ کی دوستی قبول کی، خوش رہیے۔ بہت سی دعاؤں کے پھول آپ سب کی نذر۔ میری دعا ہے کہ ہماری ہر بہن کی زندگی لمحہ لمحہ بہار ہو جائے، آمین۔ دعاؤں کی طالب ہما آپ کی اپنی۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

میری پیاری امی جان کے نام

پیاری اور بہت ہی پیاری میری امی جان! سب سے پہلے تو بہت ہی زیادہ پیار آپ کے لیے، آپ کو اللہ پاک صحت کاملہ عطا فرمائے ماما آپ کو لمبی زندگی عطا فرمائے ماما آپ پریشان مت ہوا کریں، ہم ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اور ابو آپ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں۔ نوشین پیاری پانچ نومبر کو تمہارا جنم دن بہت بہت مبارک ہو، خدا تمہیں خوش رکھے اور لمبی زندگی دے۔

صبا انور...... دادو

حسین بھیا اور نازنین بھابی کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ دونوں؟ میں نے سوچا کالز اور میسجز تو ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس بار آپ کو تھوڑا یونیک طریقے سے وش کیا جائے۔ سویٹ سویٹ بھیا بھابی! آپ کو ہم سب کی طرف سے شادی کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ دونوں ہمیشہ خوش رہیں اور آپ کی زندگی میں کبھی بھولے سے بھی کوئی غم کوئی تکلیف کوئی پریشانی نہ آئے اور آپ کا ساتھ ہمیشہ بنا رہے، آمین۔ اور ہاں اگر دعوت اور شادی کا گفٹ چاہیے تو ہماری جلد از جلد شادی کی دعا کرو، ویسے تو کرتے نہیں ہو دعا شاید اس طرح کر دو، ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہو آمین۔

انعم شیخ...... اسلام آباد

آنچل اسٹاف، اقبال بانو خالہ اور سباس گل صاحبہ کے نام

سب سے پہلے تمام آنچل اسٹاف، مصنفین، قارئین، اقبال بانو خالہ، سباس گل سسٹر آپ کو وقاص عمر کی طرف سے السلام علیکم اور امید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آنچل اہل علم اور اہل قلم کے لیے ایک منفرد پلیٹ فارم ہے جہاں پر ہم سبھی کے لکھنے کی قدر کی جاتی ہے۔ اتنا عمدہ فن سے بھرپور ایک مکمل ڈائجسٹ پڑھ کر کافی کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ طاہر احمد قریشی صاحب سمیت پوری آنچل ٹیم کے لیے دعا ہے کہ آپ لوگ آنچل کو اسی لگن سے آسمان کی بلندیوں تک لے کر جائیں، آمین۔ اقبال بانو خالہ، سباس گل سسٹر ایک عظیم ادبی سرمایہ ادبی دنیا میں ایک معتبر نام ہے، کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کمال کا فن عطا کرتا ہے۔ میرے ادبی دنیا میں آئیڈیل اقبال بانو خالہ

سباس گل سسٹر آپ نے اپنی بہترین تخلیقات کے باعث ادبی دنیا میں ایک خاص مقام بنایا ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ اور آپ کے اہلخانہ کو ہر لحہ اپنی حفاظت و عاقبت رحمت و شفقت کے حصار میں محفوظ و مامون رکھے اور مزید زورِ قلم عطا کرے آمین۔ آخر میں مصنفہ شاعرہ نگہت غفار صاحبہ، فریدہ جاوید فری صاحبہ، زینب زریں صاحبہ ستارہ امین کومل صاحبہ آپ تمام بھی میرے قابلِ احترام ہیں اور ہمیشہ سے آپ سب سے سیکھنے کو بہت کچھ ملتا رہتا ہے۔ آنچل سے پروین افضل شاہین صاحبہ، ارم آصف، غزل اداس بھٹی، تبسم بشیر حسین آپ کے لیے ڈھیروں پر خلوص دعائیں اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

وقاص عمر..... بنگرتو حافظ آباد

ملیحہ کریم کے نام

ہیلو! کیسی ہو تم؟ تمہاری سات نومبر کو برتھ ڈے ہے سو مائی ڈیئر جانی! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، مجھے تمہاری برتھ ڈے یاد ہے سؤنو! دیکھ لو، میں نے سوچا کہ اس دفعہ اپنی جانو کو کچھ علیحدہ طریقہ سے وش کروں، کیسا لگا یہ طریقہ بتانا ضرور۔ اوکے۔ میرے حصے کا کیک بچا کے رکھنا، میں اسپیشلی اپنا حصہ کھانے آؤں گی (ہاہاہا) ٹھیک ہے بائے، بیسٹ آف لک۔

سحر..... عبدالحکیم

سویٹ آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو میری اولڈ ینگ دوستوں! کافی عرصہ بعد ایک بار پھر آنچل کے ذریعے آپ سب کے پاس آگئی ہوں لیکن پتا نہیں کیوں یہاں سب نیا نیا سا لگ رہا ہے اور کچھ کچھ اجنبی بھی کیونکہ سب پرانے چہروں کی جگہ نئے چہرے نظر آرہے ہیں۔ یار! پلیز تھوڑا سائیڈ پہ ہوجاؤ سب، مجھے بھی تھوڑی جگہ دے دو، آفٹر آل میں آنچل کے سینئرز میں شامل ہوتی ہوں، سب سے پہلے تو میں آنچل کی بہت بہت مشکور ہوں کہ جس کی وجہ سے مجھے اتنی پیاری قسم کی فرینڈز ملیں ... [illegible]

میرا بھیجا فرائی کرتی رہتی ہیں، مائی سویٹ جانو کٹ کھنی بلیاں اور سویٹ بہنا یار کہاں غائب ہو پلیز رابطہ تو کرو سب تم سب بہت سویٹ ہو یار! تم لوگوں کی وجہ سے زندگی بہت خوب صورت ہوگئی ہے رنگین۔ میری بہت پیاری شرارتی گڑیا آمنہ آٹھ نومبر کو تم ہم سب پہ نازل ہوئی تھیں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، تم سب دیکھو میں نے اپنے ٹف شیڈول سے بڑی مشکل سے ٹائم نکال کے آنچل میں انٹری دے ہی دی ہے، باقی سب آنچل فرینڈز کو بھی میری طرف سے سلام اور پیار۔ آپ سب اپنا بہت بہت خیال رکھنا اور پلیز پلیز دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا، آپ سب کی اپنی اور اسپیشل فرینڈ۔

عینی خان..... ملک وال

ڈیئر شاہینہ گل اور فرینڈز کے نام

ڈیئر فرینڈز السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور سردیوں کی آمد کے انتظار میں ہوں گی۔ شاہینہ جی! آپ سے آدھی ملاقات بہت اچھی لگی یقیناً آپ کو بھی مزہ آیا ہوگا ہم سے بات کر کے۔ آپ نے واقعی میں رنگ برسائے ہیں۔ پندرہ نومبر کو آپ کی سالگرہ ہے ناں تو میری طرف سے ڈھیر ساری دعائیں آپ کے نام اور ڈھیر ساری دعائیں۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور ساری خواہشیں پوری کرے آمین۔ سب آنچل قارئین کو سلام اور دعا۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمین۔ آپ سب کو کیسا لگا میرا سرپرائز ضرور بتانا۔ میں انتظار کروں گی، مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، والسلام۔

فریحہ اسلم..... ملتان

سویٹ فرینڈز کے نام

کیا حال ہیں؟ سب سے پہلے پیاری مس آسیہ کیسی ہیں آپ؟ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہیلو بے وفا دوستو! کیسی ہو آپ؟ آپ نے تو ہمیں بھلا دیا ہے ایسے کیا دیکھ رہی ہو، عنزہ، بینش، انعم اور سعدیہ تمہیں کہہ رہے ہیں۔ سعدیہ تمہاری سالگرہ چھ نومبر کو ہے، ہیپی برتھ ڈے اور ہاں ... [illegible]

گھور کر دیکھ رہی ہو۔ تمہیں بھی کیک دوں گی اور تمام پڑھنے والوں کو ہمارا سلام ہو دعا گو۔

الفت عباسی..... حافظ آباد

پیاری پھوپو اور نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو آپ سب؟ نازیہ آپی جی میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہو پلیز آپ مجھ سے دوستی کرلیں، جواب ضرور دینا آپ پلیز۔ آخر میں پھوپو سے کہوں گی کہ آپ پلیز مجھے معاف کردیں اور مجھ سے راضی ہوجائیں، اتنی سزا بہت ہے میرے لیے پلیز اور آپ سب سے بھی درخواست ہے کہ پھوپو سے کہیں کہ مجھ سے راضی ہوجائیں۔ آخر میں آنچل کے لیے دعا کہ اللہ کرے اس سال بھی آنچل کا سایہ ہمارے سروں پر رہے اور آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے، ہم سب کو ہمیشہ خوش رکھے، خدا حافظ۔

کشور ناہید..... ملتان

سویٹ رائٹرز اور سویٹ چلڈرنز کے نام

سلام ڈیئر آنچل رائٹرز! کیا حال ہیں؟ امید ہے خیریت ہی ہوگی۔ سباس گل، نازی جی، عشنا جی، نازیہ فاطمہ اور تمام رائٹرز بہت ہی زیادہ اچھا لکھتی ہیں اور خدا کرے ہمیشہ اچھا ہی لکھتی رہیں۔ میں آپ سب اور دیگر آنچل فرینڈز سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، جواب ضرور دیجئے گا اور اپنے تمام بھانجے، بھانجیوں اور سویٹ بھتیجے حاشر کو بہت سا پیار۔

مقدس انس..... منگ، کے پی کے

پھول کلیوں کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں آپ سب؟ مجھے پتا ہے ٹھیک ہیں۔ نومبر میں جن کی برتھ ڈے ہیں نام لکھے تو کافی لمبا ہوجائے گا سب کو بہت بہت مبارک ہو اور مجھے برتھ ڈے وش کرنے والوں کا تہہ دل سے شکریہ، اسی طرح دل سے دعاؤں میں یاد رکھیے گا، پلیز۔ سویٹ ماما اور پاپا آپ کی وشز کا بہت شکریہ۔ اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے، آمین اور میری غلطیوں کو معاف کیجیے گا اور سویٹ ... [illegible]

فائدہ (ہاہاہا) اور غزل ہما آپ کدھر گم ہو آج کل؟ آخر میں ایک نائس فرینڈ کے نام نائس پیغام خوش رہو، سدا مسکراتے رہو، محبتوں کے تمام موسم آپ کے نام جن میں نفرتوں کی خزائیں نہ ہوں۔ تمام آنچل فرینڈز کو سلام۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

رابعہ بھٹی..... جھنگ

کسی اپنے کے نام

کبھی کبھی یہ ننھا سا دل چاہتا ہے اور بے اختیار چاہتا ہے کہ لکھ دوں ہر کاغذ کے پرزے پہ، ہر در و دیوار پر، تمام درختوں پر، جہاں تک بس چلے یوں ہی لکھتی چلی جاؤں اور لوگوں کے دلوں پر لکھنے کی ناکام کوشش کروں۔ میری زندگی کا بس یہی مقصد ہو کہ لکھوں اور لکھتی رہوں، یہاں تک کہ میری سانس رک جائے، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کائنات کے ذرے ذرے پر تمہارا پیارا نام لکھوں۔

عائشہ پرویز..... کراچی

نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! نازیہ آپی آپ کیسی ہیں؟ امید ہے بالکل ٹھیک ہوں گی اور کیوں نہ ہوں میری اور میری دوست کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپی آپ بہت بہت اچھا لکھتی ہیں، یقین کریں آپ وہ پہلی رائٹر ہیں جس کے نام ہم کچھ لکھ رہے ہیں۔ آپی ہم فرینڈ آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعاگو ہیں کہ خدا آپ کو اس سے بھی بہتر لکھنے کی توفیق دے اور آپ کو صحت عطا فرمائے آمین۔ آپی آپ کی شاعری کی تو دیوانی ہوں میں، آپ کی ساری غزلیں میری ڈائری کا حصہ ہیں۔ نازیہ آپی آپ بہت اچھی ہیں، پتا ہے میرا دل کہتا ہے کہ ہم آپ سے کبھی نہ کبھی ضرور ملیں گے، ان شاء اللہ آپی دعا کرنا کہ میں بی اے میں اچھے نمبروں سے پاس ہوجائیں آپ کی چھوٹی سسٹر۔

زاہدہ میر..... چوک سرور شہید

yaadgar@naeyufaq.co

یادگار لمحے

جویریہ سالک

ریمائنڈر

انسان بذات خود اپنے نفس کا ڈاکٹر ہے اور جب تک وہ صحت یاب ہونے کا فیصلہ نہیں کرتا تب تک وہ صحت یاب نہیں ہوگا۔

مہوش ملک ...... جڑانوالہ

عہد

آج میں نے اپنی گزشتہ زندگی کا جائزہ لیا اور اپنی آج تک کی زندگی کو ضائع کیے ہوئے پایا۔ کھیل کود میں، ڈائجسٹ، ناول پڑھنے میں، فلم، ڈرامے دیکھنے میں۔ پڑھائی کا ہر سال یہ سوچ کر ضائع کیا۔ کیا میں اس سے آگے پڑھ پاؤں گی؟

میٹرک کے بعد سے جاب کی تلاش جاری کی جو تا حال جاری ہے۔ نہ زندگی میں کوئی مقام پا سکی نہ خود سے کیے عہد پورے کر سکی پھر سے خود سے عہد پورے کرنے کا عہد پورا کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے کتابوں سے محبت ہے میں ان میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔

ام کلثوم سدرہ قصور ...... سیالکوٹ

غیرت مند مرد

بات ہو رہی ہے آج کل کے غیرت مند مردوں کی۔ وہ زمانے بیت چکے ہیں حضرت جب لوگ دوسروں کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔ اس وقت نہ لڑکیوں پر پہرے تھے اور نہ ہی مرد آج کل کے مردوں کی طرح تھے۔ اس دور کے مردوں اور آج کل کے مردوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس زمانے میں دوسروں کی عزت کو بھی اپنی عزت سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی دوسرے کی عزت پر کوئی حرف آتا تو خون کی ندیاں بہا دیتے تھے اور آج کل کے مردوں کی غیرت تب جاگتی ہے، جب بات ان کے گھر، ان کی بہن بیٹی پر آتی ہے، تو کیا جس سے... تم فلرٹ کرتے ہو وہ کسی کی بہن بیٹی نہیں۔ کیا ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ کیا تمہارے لیے صرف تمہاری بہن بیٹی ہی پارسا ہے؟ مگر نہیں یہ بات آج کل کے مردوں کو کہاں سمجھ آتی ہے۔ ان کی غیرت تو تب جاگتی ہے جب بات ان کے گھر پر آتی ہے ورنہ تو نجانے وہ کہاں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہوتی ہے اور اس غیرت کو سلا کر آج کل کے یہ غیرت مند مرد کبھی کسی اسکول، کالج کے باہر اور کبھی گلی کے کونے میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ارے ایسے غیرت مند مردوں کو تو ان کی غیرت کا ایوارڈ ملنا چاہیے جب بات اپنے گھر پر آتے تو ان کی سوئی ہوئی غیرت جاگ جاتی ہے اور غیرت کے نام پر خون بہانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ارے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو لوگ کہیں گے کہ ارے یہ تو بے غیرت ہے، ان کی غیرت نجانے کہاں مر گئی ہے لیکن میں کہتی ہوں ایسے غیرت مند مردوں کی غیرت کو مر ہی جانا چاہیے۔ ارے ہم نے ایسے غیرت کا اچار ڈالنا ہے۔ میری بات آج کل کے غیرت مند مردوں کو کڑوی تو لگی ہوگی مگر وہ کہتے ہیں نہ کہ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے اگر دوسروں کی بہن بیٹی کی عزت کرو گے تو تمہاری عزت کی حفاظت اوپر والا خود کرے گا اور اگر تم دوسروں کی بہن بیٹیوں پر غلط نگاہ رکھو گے تو وہ سنا تو ہوگا "اصل ہمیشہ سود سمیت واپس ملتا ہے" آج کل کے غیرت مند مردوں سے درخواست ہے کہ میری بات پر غور فرمائے گا۔

ام اسحاق ...... برنالی

ہنس بیتی

ہم ایک بس میں سوار تھے کہ ایک جگہ بس نے اسٹاپ کیا تو ایک مسافر مرغ لیکر بس میں سوار ہوا۔ اتفاق سے ہماری سیٹ پر کوئی اور مسافر نہ تھا سیٹ پر تین مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی مسافر نے مجھ سے دریافت کیا۔

"اگر میں اپنے مرغ کی ٹکٹ بھی لے لوں تو کیا میں سیٹ پر مرغ بھی بٹھا سکتا ہوں" ...

"بیٹھا تو سکتے ہیں مگر کنڈیکٹر شاید مرغ کو دوسرے مسافروں کی طرح سیٹ پر پاؤں رکھنے کی اجازت نہ دے۔"

چوہدری قمر جہاں علی پوری ...... ملتان

سقراط کی بیوی

کہتے ہیں سقراط کی بیوی بہت بدمزاج تھی، ایک دفعہ اس نے سقراط کو بہت برا بھلا کہا جس کو سر جھکائے وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ آخر میں بیوی نے غصے میں آ کر پانی کی پوری بالٹی اس کے اوپر انڈیل دی۔ سقراط نے نہایت متانت سے کہا۔

"لوگ کہتے ہیں جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں لیکن تم نے یہ کہاوت بھی غلط ثابت کر دی۔ آخر سقراط کی بیوی ہو ناں۔"

ریسرچ

جو لڑکیاں شادی کے لیے گنجے لڑکوں کو ریجیکٹ کرتی ہیں۔ ان کے شوہر شادی کے پانچ سال بعد ہی گنجے ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف جو لڑکے شادی کے لیے موٹی لڑکیوں کو ریجیکٹ کرتے ہیں ان کی بیویاں شادی کے دو سال بعد ہی موٹی ہو جاتی ہیں۔

انسان

نہ انسان اپنی مرضی سے پیدا ہوا اور نہ ہی اپنی مرضی سے مرے گا پھر وہ ان کے بیچ کا عرصہ اپنی مرضی سے کیوں گزارنا چاہتا ہے؟ سوچیں۔

نوشی مغل ...... جلالپور بھٹیاں

فروٹ چاٹ

بیویاں پھلوں جیسی ہوتی ہیں
کوئی آم جیسی میٹھی
کوئی سیب جیسی سرخ
کوئی انگور جیسی کھٹی میٹھی
کوئی سردے جیسی ... دار
کوئی انگور جیسی نشیلی
کوئی ... جیسی ...
کوئی اسٹرابری جیسی رس بھری
مسئلہ تو مردوں میں ہے نالائقوں کو فروٹ چاٹ ہی چاہیے۔

جویریہ ملک ...... جلالپور بھٹیاں

دکھ اور مسائل

ہماری زندگی کے آدھے سے زیادہ دکھ اختیاری ہوتے ہیں اور ہماری زندگی کے آدھے سے زیادہ مسائل ہماری حماقتوں کی بازگشت ہوتے ہیں۔

وقاص عمر ...... ہنگرنو حافظ آباد

محبت

تم مرد لوگ بہت آسانی سے "محبت" کے نام پر دھوکہ دے دیتے ہو مگر عورت کے لیے یہی لفظ زندگی بن جاتا ہے۔ اس لیے مخلصانہ مشورہ دے رہی ہوں کبھی بھی محبت کے نام پر دھوکا دہی مت کرنا ورنہ محبت تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

ام اسحاق ...... برنالی

آخری وقت

عاطف (افتخار سے) "تم اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟"

افتخار "یار میرا آخری وقت آ رہا ہے۔"

عاطف حیران ہو کر "اچھا! کیا تجھے ملک الموت ملا تھا؟"

افتخار "نہیں، پرسوں میری شادی ہے۔"

شاہ ... انصاری ...... ملتان

خسارہ

وہ خسارہ ہمیشہ یاد رہتا ہے جو کسی کے ساتھ مخلص ہو کر کھایا ہو۔

ملک پرویز ...... حافظ آباد

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ

٭ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں اپریل سات سو تین عیسوی کو ہوئی۔

٭ آپ کی والدہ محترمہ کا نام ام فروہ تھا۔

❖ امام صاحب کے تین القاب ہیں۔
الصادق، الفاضل، الطاہر۔
❖ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ کی والدہ اُم فروہ محمد بن ابی بکر کی پوتی تھیں جو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔
❖ بچپن میں آپ نے تعلیم اپنے دادا محترم جناب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔ آپ کو قرآن وحدیث کے علاوہ نیچرل سائنس یعنی ریاضی فلسفہ ہیئت کیمیا، علم تشریح اور دیگر علوم میں دسترس حاصل تھی۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت امام ابو حنیفہ اور جابر بن حیان بھی شامل ہیں۔
❖ امام مالک بن انس نے اپنی حدیث مبارکہ کی کتاب الموطا میں امام جعفر صادق سے بارہ احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔
❖ عباسی خلیفہ جعفر منصور کے دور میں آپ کا وصال ہوا آپ کا مزار انوار جنت البقیع میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔
کتاب 111 مسلم سائنسدان سے اقتباس
مرسلہ: ملک محمد انعام الحق...... جہلم

موت کی تمنا

حضرت حاجرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
"موت کی تمنا نہ کرو کیونکہ جس چیز کا سامنا کیا جاتا ہے اس کے خطرات بڑے ہولناک ہوتے ہیں اور اس بات میں آدمی کی سعادت ہے کہ اس آدمی کی عمر طویل ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔"
حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔
"نیک وبد کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے ممکن ہے نیکوکار نیکی میں بڑھ جائے اور بدکار برائی سے توبہ کرلے۔"
چوہدری قمر جہاں علی پوری...... ملتان

باتیں یاد رکھنے کی

○ اچھی عادت کی مالکہ عورت اگر فقیر کے گھر بھی ہو تو اسے بادشاہ بنادیتی ہے۔
○ دوست وہ ہے جو دوست کا ہاتھ پریشان حالی و تنگی میں پکڑتا ہے۔
○ رزق کی کمی یا زیادتی دونوں برائی کی طرف لے جاتی ہیں۔
○ اگر چڑیوں میں بھی اتحاد ہو جائے تو وہ شیر کی کھال اتار سکتی ہیں۔
○ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا نام زندہ رہے تو اولاد کو اچھے اخلاق سکھاؤ۔
ربیعہ اکرام ملک...... جہلم

سنہرے موتی

□ دنیا کے لیے دین کو ترک کرنا سب سے بڑی بے وقوفی جبکہ دین کے لیے دنیا سے ٹکرا جانا ہی اصل کامیابی ہے۔
□ ہر لمحے خدا کا شکر ادا کرو کیونکہ شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافے اور ان میں برکت کا سبب ہے۔
□ کتاب تنہائی میں انسان کی بہترین رفیق ہے۔
□ برائی اور زیادتی کا جواب نیکی اور حسن سلوک سے دنیا نیک لوگوں کا شیوہ ہے۔
□ سیدھے راستے کو آزمائشوں سے گھبرا کر نا چھوڑنے کی بجائے آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرکے اپنی منزل کو حاصل کرلینا ہی کامیابی ہے۔
□ دنیا کی غلاظتیں ان خاردار کانٹے والی زہریلی جھاڑیوں کی مانند ہیں جو قریب سے گزرنے والے شخص کو زخم بھی دیتی ہیں اور ہلاکت میں بھی ڈالتی ہیں۔
آفرین ملک...... گجرات

انصر دات

☆ ماں ایسی چھاؤں ہے جس کی آغوش میں گرمی کی حدت بھی ہے، ٹھنڈک وسکون بھی کاش کسی کی ماں نہ مرے۔
☆ لفظ ماں فقط راحت ہے، چاہت ہے، مسکراہٹ ہے، ماں ہے تو جہاں ہے۔

☆ میری آرزو اور کوشش یہ ہے کہ ہر کوئی میری وجہ سے ہنسے نہ کہ کوئی مجھ پر ہنسے۔
☆ بعض انسان کتنے سیاہ بخت ہوتے ہیں کہ انہیں ایسا کندھا بھی میسر نہیں ہوتا جس پر رکھ کر وہ آنسو بہا سکیں۔
☆ عجز وانکسار انسانیت کا زیور ہے۔
☆ مقدس ہیں وہ الفاظ جو زباں سے نکل کر دل میں اتر جائیں۔
نعیم النصر ہاشمی...... جھنگ

کن فیکون

دل میں اترتا اور دل سے اترتا معاملہ کن فیکون کا ہے۔
جب انسان کا دل درد اور غصہ سے بھرا ہوتا ہے لب ہر وقت دعا کے لیے وا ہوتے ہیں آنکھیں آنسوؤں کی لڑی کے ساتھ اللہ پر یقین کامل کا منظر پیش کررہی ہوتی ہیں تو دعائیں قبولیت کی مہر لگوا کر ہی رہتی ہیں کیوں کہ جہاں مان ہو، یقین ہو، آس، امید ہو وہ بھی اللہ کی ذات سے تو کوئی انسان مایوس نہیں ہوتا کن کہہ دیا جاتا ہے اور فیکون ہو جاتا ہے شرط یہ ہے کہ رب کی ذات پر کامل بھروسہ، انتظار اور صبر کرنے کا سلیقہ آجائے۔
شمائلہ نور...... مقام نامعلوم

لطیفہ

ماں: (بیٹے سے) جاکر دیکھو منا کیوں رو رہا ہے؟
بیٹا: میں مصروف ہوں۔
ماں: کیا کررہے ہو؟
بیٹا: منے سے بسکٹ چھین کر کھا رہا ہوں۔
وشی ملک...... خانگڑھ

کشت زعفران

☆ وقت بہت قیمتی ہے...... ہمیشہ دوسروں کا ضائع کریں۔
☆ کچن میں استعمال ہونے والے بیلن سے روٹیاں گول اور شوہر سیدھے ہو جاتے ہیں۔
☆ بیوی مرد کی طاقت ہوتی ہے اور باقی خواتین مرد کی کمزوری۔
☆ محبت اندھی ہوتی ہے اب اس نے اپنا علاج کروالیا ہے اب یہ شکل بھی دیکھتی ہے عقل بھی اور بینک بیلنس بھی۔
☆ خالی شاپر ہو یا خالی دماغ مناسب انتظام نہ کیا جائے تو ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں۔
میمونہ ارشاد...... کراچی

طرز مخاطب

ایک تاجر نے ایک بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔
"یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو؟"
بہلول نے جواب دیا "روئی اور لوہا خرید لو۔"
تاجر نے ایسا ہی کیا کچھ عرصے میں اس کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی اور تاجر کو بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ کافی عرصے کے بعد تاجر نے ایک بار پھر بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔
"اے پاگل بہلول اس سال میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو۔"
"اس سال پیاز اور تربوز خرید لو۔"
تاجر نے ایسا ہی کیا لیکن کچھ ہی دن میں پیاز اور تربوز سڑ گئے اس مرتبہ تاجر کو بہت نقصان ہوا تاجر نے بہلول سے جاکر غلط مشورے کے بارے میں دریافت کیا تو بہلول نے کہا۔
"اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا اس لیے میں نے عقل وفہم کے ساتھ تمہیں یہ مشورہ دیا تھا لیکن دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا اس لیے میں نے تمہیں پاگل پن میں مشورہ دیا ہے یعنی تم اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہو کیونکہ کوزے میں سے وہی نکالا جاتا ہے جو اس میں ڈالا گیا ہے۔"
ارم کمال...... فیصل آباد

aayna@naeyufaq.com

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے اس رب العزت کے پاک نام سے جو وحدہ لاشریک ہے نومبر کا شمارہ پیش خدمت ہے اس ماہ میں بھی اس وقت گرمی اپنے جوبن پر ہے اور وہیں سیاسی سرگرمیاں بھی بام عروج پر ہیں۔ آئندہ جب آپ سے ملاقات ہوگی تو بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی ہوں گی۔ لہٰذا رب العزت سے دعا گو ہیں کہ ہمارے عوام کو درست فیصلہ کرنے اور ہمارے حکمرانوں کو خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فرمودات اور احکامات پر عمل پیرا ہونے کی استطاعت نصیب فرمائے، آمین۔

رابعہ احمد بھٹی...... کوٹ شاکر جھنگ ۔السلام علیکم! شہلا آپی کیا حال ہے؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی، آنچل کے بارے میں کیا بتائیں آنچل تو پہلے ہی پرفیکٹ ہے۔ آنچل سب سے اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ آنچل کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آنچل سے ہم نے بہت سیکھا، آنچل کی سب ہی کہانیاں اچھی ہیں لیکن نازیہ کنول نازی کی کہانی سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ نازیہ کے بعد ام ایمان قاضی بھی بہت خوب صورت لکھ رہی ہیں۔ ام مریم، سمیرا شریف طور، عشنا کوثر، یاسمین نشاط، نگہت سیما کی کہانیوں کو ہم کئی ماہ سے مس کر رہے ہیں اور آپ سب سے ریکویسٹ ہے پلیز آپ جلد ہی سے لکھیں آنچل میں آپ جیسے بہت سے قاری آپ سب کو پڑھنا چاہتے ہیں امید ہے آپ سب ہماری بات کا مان رکھیں گی۔ شہلا آپی آپ کا خاص شکریہ کہ پچھلے ماہ آپ نے میرا خط شائع کیا اور بہت پیار سے جواب بھی دیا اس لیے اب پھر ہمت کرکے لکھ دیا اس امید پر کہ یہ بھی شائع کردیں گی سویٹ آپی شہلا۔ اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے، زندگی نے وفا کی تو پھر ملیں گے، اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر رابعہ! شکریہ کیوں یہ پرچا آپ ہی بہنوں کے لیے تو ہم سجاتے اور وہ بھی آپ کی نگارشات سے، اس بار بھی کہانیوں پر تبصرہ نہیں کیا اب امید ہے کہ اگلی بار تفصیلی تبصرہ کریں گی۔

عینی بخاری...... کوٹری ۔السلام علیکم! امید ہے شہلا آپی اینڈ تمام لکھاری و قاری بہنیں ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ شہلا آپی آنچل سے رشتہ تو پرانا ہے مگر خط لکھنے کی ہمت پہلی مرتبہ اگست میں کی تھی جو کہ آپ نے شائع کرکے ہمت افزائی کی جس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور ایک بار پھر قلم اٹھا کر لکھ ڈالا۔ بچپن سے آج تک خواہش کے باوجود کسی بھی رسالے وغیرہ میں شرکت نہیں کر پائی تھی۔ کچھ بات ہوجائے اب اس ماہ کے شمارے کی لیکن اس سے پہلے ایک بات بتاؤں کہ آج کل آپ لوگوں نے ٹائٹل پر توجہ دینا چھوڑ دی ہے اس پر خصوصی توجہ دیا کریں۔ اس ماہ کا ٹائٹل اچھا تھا "حمد و نعت" زبردست تھیں۔ "دانش کدہ" بہت زبردست سلسلہ ہے، بہت معلومات ہوتی ہیں۔ "ہمارا آنچل" کا سلسلہ کیوں ختم کردیا گیا۔ نازی آپی آپ تو ہیں ہی آنچل کی جان "وہ جو عشق تھا" میں محراب اینڈ زارون کی جوڑی اچھی نہیں لگی۔ ہمیں تو لگ رہا کہ آئزہ کوئی گیم کھیل رہی ہے محراب کے ساتھ شاید زارون یا اس کے خاندان سے بدلہ لینے کے لیے۔ ام ایمان آپی کا "دل کانچ کا گھر" زبردست ہے مومن اور عم

کو ذرا عقل دیجیے۔ راحت وفا آپی کا ناول ہے تو دلچسپ ہے بس تمام کرداروں کے ساتھ انصاف کیجیے گا۔ اسپیشلی جگنو کے ساتھ۔ مانا کہ جگنو کی حیثیت ایک ملازم کی سی تھی پھر بھی وہ اتنا نہیں بول سکتا چاہت کے سامنے مگر وہ مردتو ہے اور اب تو اس کی پول بھی کھل گئی۔ اس بے چارے کا کچھ کریں اور اس کا مسئلہ حل کیجیے۔ افسانے ناول سب زبردست تھے، مکمل ناول بہت پسند آیا، آنچل میں آج کل طویل مکمل ناول پڑھنے کو نہیں ملتے اکثر مستقل سلسلے بھی اچھے ہیں۔ "بیاض دل" بہت پسند ہے، او کے اب اجازت چاہوں گی، تمام بہنوں کو سلام، اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر عینی! بہت شکریہ آنچل پسند کرنے کا ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہر ماہ شریک محفل رہا کریں گی تفصیلی تبصرے کے ساتھ۔

طیبہ یاسمین...... جھنگ ۔موسم سرما کی آمد آمد کا سلام قبول کریں، تمام آنچل قارئین رائٹرز اور اسپیشل شہلا آپی! آج میرا مزاج گرم موسم کی وجہ سے سوا نیزے پر پہنچا ہوا ہے۔ آفٹر آل یہ بتائیں کہ "دوست کا پیغام آئے" والا سلسلہ دوست بنانے، ان تک اپنے میسجز پہنچانے کے لیے ہے یا دوستوں کو ناراض کرنے کے لیے مجھے تو یہ سلسلہ کچھ مشکوک لگتا ہے۔ میری پیاری پیاری کلیاں مجھ سے ناراض ہیں کہ ہمیں بھول گئی ہے اور نئی فرینڈز کیا سوچتی ہوں گی کہ میں مغرور ہوں پلیز ہما آپی سے کہیں کہ میں نے اک پیاری سی پرلطف شکایت اپنی غزل میں بھی کی تھی مگر لگتا ہے ہما آپی نے ہماری طرف سے اپنے کان بند کر رکھے ہیں ویسے بھی میری چھوٹی سی شکایت تو آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ کہاں فرق پڑتا ہوگا دو ماہ پہلے میں نے دوستوں کے نام پیغام بھیجا تھا جو کہ اب تک شائع نہیں ہوا پلیز ہما آپی میرے ساتھ اتنی زیادتی نہ کریں۔ اس ماہ کا سرورق بس سو سو لگا۔ "حمد و نعت" سے مستفید ہونے کے بعد آئینہ میں جمپ لگائی، وہاں اس ماہ رضوانہ وقاص اور شاہ بھرام سب پر حاوی نظر آئے۔ زبردست تبصرہ کیا رضوانہ جی نے پھر ناول میں سب سے پہلے "وہ جو عشق تھا" پڑھا یہ قسط بھی بہت زبردست تھی نازیہ آپی بہت خوب صورتی سے ناول آگے بڑھا رہی ہیں، نازیہ آپی آپ نے تو ہمیں اپنے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ بہت پیارا ناول ہے مگر اس کی خوب صورتی کو برقرار رکھتے ہوئے پلیز جلدی سے اس کا اینڈ کردیں تاکہ آپ کا نیا ناول ہماری آنکھوں کو خیرہ کرسکے۔ سمیرا آپی آپ کہاں غائب ہیں پلیز آپی انٹری دیں تا آنچل میں ہم آپ کو بہت مس کر رہے ہیں، "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرح نیا بیسٹ ناول لے کر آئیں۔ جس ناول نے تشنگی مٹائی دل کا سرور بخشا وہ تھا فرح بھٹو کا "مہر پوش" اس ماہ کے آنچل کی جان رہا، جملے برجستہ فقرے جس نے ہمیں بھی بے تحاشا پکڑے رکھا اپنے سحر میں۔ بہت مزا دے گئی یہ اسٹوری۔ ناولٹ بس سو سو رہا۔ ویسے حنا بشریٰ کا "دھی رانی" پڑھ کر بے عقل لڑکیوں پر بہت افسوس ہوا مگر ہمارے معاشرے کے پچھتر پرسنٹ مڈل کلاس لڑکیوں کی سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ مہوش اسد کا افسانہ اچھا لگا۔ باقی کے افسانے دونوں ہی سبق آموز اور اچھے تھے۔ اب اجازت زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر سے آئیں گے، اللہ حافظ۔

☆ پیاری طیبہ! ہم نے ہما جی تک آپ کا شکوہ پہنچا دیا تھا ان کا کہنا ہے کہ جو بھی ڈاک مل جاتی ہے وہ اس کو شائع کردیتی ہیں آپ کی ڈاک موصول ہی نہیں ہوئی تو کیسے شائع کرتی، امید ہے آپ کی شکایت دور ہوگئی ہوگی۔

طاہرہ غزل...... اسلام آباد ۔ڈیئر شہلا آپی! قارئین اور آنچل اسٹاف السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ امید واثق ہے کہ مجھے بھولے تو نہیں ہوں گے کیوں شہلا آپی یاد تو ہوں ناں (جی بالکل) پچھلے ماہ پہلی بار تبصرہ لکھنے کی کوشش کی تھی اور ہمارا تبصرہ شائع کرکے ہماری ہمت اور حوصلہ افزائی کی اس کا ہم شکریہ کیسے ادا کریں۔ دیکھیے کیا لکھتے ہیں اور کیا بھیجتے ہیں؟ آنچل سات کو آیا، ٹائٹل اچھا تھا سب سے پہلے تو جمپ لگائی اور دوبارہ واپس پلٹے اچھ

موسٹ فیورٹ رائٹر نازیہ کنول کے پاس جو "وہ جو عشق تھا" لیے ہماری منتظر تھیں۔ جگنو کی پول کھلنے پر جہاں حیرت ہوئی وہیں خوشی بھی ہوئی اور یاسمین کی حرکت پر شکر بھی ادا کیا جب کہ چاہت پر غصے کے ساتھ ساتھ ترس بھی آیا، اپنے کیے کی خواب سزا بھگت رہی ہے۔ ام ایمان کا ناول بھی اپنی مخصوص رفتار سے اچھے موڑ پر آ رہا ہے۔ فرح بھٹو کا مکمل ناول "مہر پوش" سبق آموز تحریر تھی پڑھ کر مزہ آیا فرح سے امید ہے کہ وہ اب جلدی جلدی اس طرح اچھی کہانیاں لے کر آیا کریں گی۔ راحت وفا آپی کا "مجھے تسلیم کیوں نہیں کرتے" تحریر اچھی جا رہی ہے ہمیشہ کی طرح انداز میں پختگی بھی نظر آ رہی ہے مجھے پڑھنے میں مزا بھی بہت آ رہا ہے اب ایسا لگ رہا ہے جیسے بہت جلدی جلدی سمٹا جا رہا ہے۔ پلیز ام مریم "مجھے ہے حکم اذاں" جیسی کوئی اچھی سی تحریر کے ساتھ آپ جلدی سے آنچل کی محفل میں آئیں ناں۔ شگفتہ یاسمین کا "یک نہ شد چار شد" بھی اچھی تحریر رہی۔ نجمہ جبار اور رضوانہ وقاص کے تبصرے مجھے بہت اچھے لگے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ نگہبان۔

☆ پیاری طاہرہ! ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں بھلا۔

پروین افضل شاہین ...... **بہاولنگر** ۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحبہ! السلام علیکم! آنچل اکتوبر کا خوب صورت سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے۔ سلسلے وار دونوں ناولز بھی اور "وہ جو عشق تھا، مہر پوش، یک نہ شد چار شد" اور "دھی رانی" پسند آئے۔ مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی آنچل اور حجاب مارکیٹ میں جگمگ جگمگ کرتے نظر آئے۔ ہماری دعائیں ہمیشہ آپ کے اور پورے اسٹاف کے ساتھ رہیں گی، اجازت دیں، خدا حافظ فقط والسلام۔

☆ ڈیئر پروین! کہاں غائب ہوگئی تھیں آپ۔

ادم زہرہ ...... **راولپنڈی** ۔ میں نے آپ کی ویب سائٹ دیکھی، بہت پسند آئی مگر ایک پرابلم ہے جب میں گزشتہ شمارے ڈاؤن لوڈ کھولتی ہوں تو ایک ہی پیج ہر دفعہ کھلتا ہے۔ یہ کیسے صحیح ہوگا، میں آپ کے جواب کی منتظر ہوں۔

صالحہ کرن ...... **کھاریاں** ۔ میں آنچل و حجاب کو پسند کرتی ہوں۔ مجھے ان کی سلسلہ وار کہانیاں بہت پسند ہیں اور یہ واحد ڈائجسٹ ہے جو میں ہر ماہ بہت ہی شوق سے ویب سائٹ پر پڑھتی ہوں۔

حرا سلیم ...... **اٹک** ۔ میں اس رسالے کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ایک بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں میری گزارش ہے کہ آنچل اور حجاب کے تمام شمارے اس ویب سائٹ میں رکھیے کیونکہ میرے پاس آنچل اور حجاب کے کچھ ایڈیشن نہیں ہیں میں پرانی قسطیں وار ناولز پڑھنا چاہتی ہوں۔ پلیز میری گزارش پر غور کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آنچل اور حجاب کو مزید ترقی دے۔

زینب بلوچ ...... **میرپور خاص** ۔ السلام علیکم، یہ سلسلہ شروع کرنے کا بہت بہت شکریہ آنچل اور حجاب بہت ہی شوق سے پڑھتے ہیں اور سب سے کہانیاں بہت ہی اچھی ہوتی ہیں اور اب سمیرا جی آپ بھی اب جلدی سے لکھنا شروع کریں ہم آپ کو بہت مس کر رہے ہیں پلیز۔ سب کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو آنچل اسٹاف کو تھینکس نیٹ پر آن لائن شروع کرنے کا سلسلہ۔

قمری ...... **پیرس** ۔ السلام علیکم، آپ کی ویب سائٹ بے حد اچھی ہے۔ اس کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہیں۔ برائے مہربانی 1999ء کے شمارے بھی اس میں شامل کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔

عائشہ ...... **اوسلو** ۔ بہت اچھی، یہ تو کمال کی ویب سائٹ ہے [illegible]

مزا ہے وہ یہاں نہیں۔ ہم نے خط لکھا تھا لیکن آپ نے شامل نہیں کیا لیکن کوئی بات نہیں۔

حنا ...... **کراچی** ۔ آنچل و حجاب، بہت اچھے ڈائجسٹ ہیں، میں انہیں پوری دلچسپی سے پڑھتی ہوں ان کے قسط وار ناول زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

کوثر زاہد ...... **فیصل آباد** ۔ اس بار آنچل و حجاب جلدی نہیں ملا تھا۔ ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی دل خوش ہوگیا۔ سب سے پہلے ہم پہنچے اپنی پسندیدہ کہانیوں "مرگ تمنا" نادرا آپی ناکس، نازیہ آپی، راحت وفا آپی، ام ایمان قاضی اور سب لکھنے والی بہنیں بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں آنچل و حجاب میں لطیفوں کا سلسلہ جاری کیا جائے پلیز۔

در صدف ...... **سرگودھا** ۔ میں آنچل کی مستقل قاری ہوں۔ یہ دن بہ دن نکھرتا جا رہا ہے۔ یہ بہت اچھا ہے۔ اس کی کہانیاں ہماری حقیقی زندگی سے قریب تر ہیں آنچل کے تمام رائٹرز سے ریکویسٹ ہے کہ وہ حجاب میں بھی اپنی انٹری دیں پلیز۔ اللہ آنچل اور حجاب کی ٹیم کو خوش رکھے اور اسے دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ شکریہ۔

راشدہ شاہد ...... **لاہور** ۔ السلام علیکم، میں آنچل کی پرانی قاری ہوں اور اب پچھلے ایک سال سے حجاب کی قاری بھی ہوں۔ مجھے حجاب کے پرانے شمارے چاہئیں لیکن مجھے نہیں ملے۔ مجھے بتائیے کہ یہ کہاں سے ملیں گے۔ حجاب سب سے اچھا ہے۔ اللہ حافظ۔

سلینا خان ...... **جرمنی** ۔ السلام علیکم! کیسے ہیں حجاب فرینڈز، میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آنچل اور حجاب کا نیا ایڈیشن ویب سائٹ پر کب تک آتا ہے۔ شکریہ۔

ناظرہ ...... **کینیڈا** ۔ حجاب اور آنچل بہت اچھا ڈائجسٹ ہیں۔ میں ان سے بے حد پیار کرتی ہوں۔ میں ہر ماہ بے چینی سے حجاب اور آنچل کا انتظار کرتی ہوں۔ آپ پلیز ذرا جلدی سے اپنی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کیا کریں ہم سے انتظار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

عظمیٰ ...... **ویسٹ مڈلینڈ** ۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ حجاب اور آنچل نیٹ پر بھی دستیاب ہے لیکن مجھے اگست کا ایڈیشن نہیں ملا آپ ویب سائٹ کو کب اپ ڈیٹ کریں گے۔ شکریہ۔

ماریہ ...... **لندن** ۔ السلام علیکم آپ نے اتنی ساری میلو کر دیں کہ آپ آن لائن پر ہو مگر ابھی تک ہم کھول ہی نہیں سکتے۔ نیا شمارہ تو پڑھیں کیسے، ویسے یہ چار ماہ کی پابندی کیوں ہے مگر آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنی اچھی ویب سائٹ ڈیزائن کی۔ آنچل اور حجاب کے تمام ناولز پسند ہیں۔ میرا پسندیدہ ناول "وہ جو عشق تھا" ہے پلیز اس کو اپنی ویب پر جلدی سے اپ لوڈ کر دیں۔ آپ برا نہ مانیے گا..... اللہ حافظ۔

ہما ...... **ہڈرز فیلڈ** ۔ ہیلو۔ تمام شمارہ اچھا ہے۔ میں اس کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں لیکن اس دفعہ کا شمارہ آپ کی ویب پر کب لوڈ ہوگا۔

صبا ...... **یاقیو** ۔ حجاب اور آنچل بہت اچھا رسائل ہیں۔ ایک مسئلہ ہے کہ اس مہینے کا آنچل نیٹ پر کیوں نہیں آ رہا۔

حجاب کرن ...... **ایبٹ آباد** ۔ سلام، آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے۔ میں اس کی بہت بڑی فین ہوں آپ کے رسائل میں معاشرتی مسائل کو خوبصورتی سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ کہانیاں جدید دور سے ہم آہنگ ہیں۔ دعا ہے کہ یہ اور بھی پھلے پھولے آمین۔

سونا اسلم ...... **کراچی** ۔ سلام، آپ کی ویب سائٹ بہت اچھی ہے مگر نیا شمارہ بہت ہی لیٹ اپ لوڈ کیا جاتا ہے ایسا کیوں ہے۔

علیزہ شیرازی ...... **فرانس** ۔ہائے افسوس کی بات ہے کہ اگست اور ستمبر کا شمارہ آن لائن دستیاب نہیں ہے۔ یہ شمارے کب تک دستیاب ہوں گے۔ میں بڑی شدت سے ان کا انتظار کررہی ہوں کیونکہ ان شمارے میں میرے پسندیدہ ناول کی قسطیں ہیں۔ پلیز اس کو مزید لیٹ نہ کریں۔ شکریہ۔

رضیہ خانم ...... **اوسلو** ۔ہیلو۔ میں آپ کے رسالے کی مستقل قاری ہوں اس وقت سے جس وقت میں پاکستان میں تھی۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کا رسالہ آن لائن بھی آتا ہے جو کہ مجھے بہت دیر بعد پتا لگا۔ میں اس ماہ کے آنچل کا انتظار کررہی ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ شمارہ کب ویب سائٹ پر دستیاب ہوگا۔ شکریہ۔

فرح نجم ...... **بنگلور** ۔السلام علیکم، میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ جولائی کا حجاب ویب سائٹ پر کب دستیاب ہوگا؟ ہر ماہ کا شمارہ کون سے تاریخ کو آجاتا ہے۔

عدلیہ ہاشمی ...... **فرانس** ۔جولائی کا آنچل اور حجاب نیٹ پر نہیں آیا اب تک۔ پلیز بتادیں کب تک آئے گا۔ تمام رسالے ٹیچ ہوتے ہیں لیکن سینسر پالیسی کو ذرا نرم کریں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔

صالحہ ...... **گلاسگو** ۔میں نیٹ پر اس ماہ کا رسالہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ کس تاریخ تک حجاب اور آنچل مل جائے گا۔ میں اس ماہ کے آنچل کا انتظار کررہی ہوں۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کررہی ہوں۔ شکریہ۔

صالحہ ...... **ناروے** ۔سلام، حجاب اور آنچل بہت اچھا ڈائجسٹ ہیں، میں ان کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ناروے میں بھی ان کو باقاعدگی سے پڑھتی ہوں آپ کی ویب سائٹ پر آپ لوگ بہت اچھا کام کررہے ہیں۔ اللہ آپ کو اور ترقی دے گا۔

شینا ...... **مانچسٹر** ۔سلام، مارچ کا آنچل اور حجاب بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر قسط وار ناولز اور پلیز آپ سے درخواست کیجیے کہ جلدی اپ لوڈ کیا کریں ہم سے انتظار نہیں ہوتا۔ باقی سب سلسلے بھی بہت اچھے ہیں۔

رابعہ جنید ...... **ریاض** ۔میں نے ابھی پوری طرح ویب سائٹ کو نہیں دیکھا مگر جتنا بھی دیکھا ہے [illegible] ب ہے۔ یہ آپ کی زبردست کوشش ہے۔ آنچل اور حجاب میرے [illegible] ندیدہ ڈائجسٹ ہیں۔ میں ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ انہیں پڑھتی ہوں۔ میری نیک تمنائیں ہمیشہ آنچل ٹیم کے ساتھ ہیں۔

افروز خان ...... **دبئی** ۔سلام، میں نے آنچل ڈائجسٹ ویب پر پڑھنا شروع کیا۔ اس کی کہانیاں بہت [illegible] ہیں لیکن میں نے سنا ہے کہ پرانی کہانیاں زیادہ اچھی ہیں اس لیے میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ [illegible] ڈائجسٹ بھی اپ لوڈ کردیں، مکمل ناولز، ناولٹ، میں آپ کی شکرگزار رہوں گی۔ شکریہ۔

[illegible] اب اگلے ماہ تک کے لیے رخصت اس دعا کے ساتھ کہ ہر لمحہ ہم سب کے لیے خوشیوں کا پیامبر بن جائے۔ [illegible] ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے پیارے وطن کی حفاظت فرمائے آمین۔

info@naeyufaq.com

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

گل کشف نذیر احمد...... گنگاپور

س: آپی میٹھے میٹھے مالٹوں کے ساتھ میری آمد کیسی لگی آپ کو یقیناً منہ میں پانی آگیا ہوگا ہے ناں؟

ج: منہ میں پانی تو آیا ہے لیکن میرے نہیں تمہارے شاباش جلدی سے منہ صاف کرلو کہیں کپڑے خراب نا ہوجائیں۔

س: پیاری آپو! اماں حضور کا جوتا کسی ایٹمی بم سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے بچا کیسے جائے پلیز کوئی حل بتادیں۔

ج: ایسی کوئی حرکت نا ہی کرو کہ اماں حضور کا ایٹم بم تمہارے سر پر پھٹے۔

س: آپو! ہر ماں اپنی بیٹیوں کو ساس کی نظر سے ہی کیوں دیکھتی ہیں؟

ج: تاکہ تم جیسی نکمی لڑکی کو سسرال میں ان نظروں کا سامنا کرنے کی عادت ہو۔

س: آپو! میری امی مجھے ہر وقت ڈانٹتی ہی کیوں رہتی ہیں؟ حالانکہ میں اتنی معصوم سی بھولی بھالی بچی ہوں بچی۔

ج: اپنی حرکتوں سے معصوم لگتی تو نہیں۔

س: چلیں دی آپ کو اجازت۔ ٹھنڈا ٹھنڈا موسم میٹھے میٹھے مالٹوں سے انجوائے کریں۔ اللہ نگہبان۔

ج: میٹھے میٹھے مالٹے بھجوادینا، اللہ نگہبان۔

کرن شاہین...... بہاولپور

س: میں نے خواب دیکھا کہ میرے میاں ایک خوبصورت سی لڑکی کو شاپنگ کرارہے ہیں۔ اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

ج: بی بی اپنے میاں پر کڑی نظر رکھا کروں کہیں......

س: شیطان کو بھگانے کے لیے لاحول پڑھی جاتی ہے۔ ناپسندیدہ مہمانوں کو بھگانے کے لیے کیا پڑھنا چاہیے؟

ج: آل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔

س: جب میں گاڑی چلاتی ہوں تو میرے میاں ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟

ج: کیونکہ انہیں معلوم ہے جب آپ سڑک پر گاڑی چلائیں گی تو باقی ٹریفک تو پھر چل نہیں سکتی۔

نین قریشی...... خان پور

س: پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کی ہے۔ استقبال کریں گی؟

ج: خوش آمدید چائے پی لو گی۔

س: ہمارا گھر کے کاموں اور پڑھائی میں بالکل دل نہیں لگتا، کیا کریں؟

ج: کہیں ملازمت کرلو۔ جان چھوٹ جائے گی اور کچھ پیسے بھی مل جائیں گے۔

س: میں نے سوچا ہے گھر کے کاموں کے لیے ایک عدد ماسی رکھ لوں۔ آپ کا خیال کیا ہے کب سے آرہی ہیں؟

ج: جب تم مجھے پیسے دینے والی بن جاؤ گی۔

س: رخصت کریں کچھ خاص دعا کے ساتھ۔ خدا حافظ۔

ج: اللہ تمہیں پکی والی نوکری دے۔ سب کہیں آمین۔

شائستہ بٹ...... گرلجرانوالہ

س: شمائلہ جی کیسی ہیں آپ؟

ج: جی...... الحمدللہ بہت ہی زیادہ پیاری۔

س: میں نے کہا تھا اب میں ہر بار آؤں گی کیسا لگا میرا آنا؟

ج: میں تو حیران ہوں کہ یہ وقت بھی آنا تھا۔

س: آپ کے جوابات پڑھ کر موڈ خوش گوار ہوجاتا ہے قسم سے۔

جس کمھن، پر جانہیں۔

س: مانو ہمیشہ ہی محنت سے کیوں جی چراتی ہے، ایک ہوم ورک دو گھنٹے میں مکمل کرتی آپ کی طرح سست جو ٹھہری

ہاہاہا۔

ج: اور تم سدا کی کاہل۔

س: اچھا جا رہی ہوں کنڈی دھیان سے بند کر لینا فی امان اللہ۔

ج: میں تو اچھی طرح بند کروں گی تا کہ تم دوبارہ نہ آ جاؤ۔

ارم آصف..... فیصل آباد

س: دل کے دریا میں ارمانوں کی کشتی الٹ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: تمام مسافروں کو احتیاط سے باہر نکال لینا چاہیے۔

س: ناخوشگوار یادوں کو زندگی سے ڈیلیٹ کیسے کیا جائے؟

ج: مریض عشق کا علاج کس ہسپتال میں کیا جاتا ہے۔

اقرأ فہیم..... ہارون آباد

س: محبت کو تولنے کا کوئی ترازو کیوں نہیں ہوتا؟

ج: ہوتا ہے نا تحائف سے تمہیں کسی نے دیے نہیں ہوں گے۔

س: جن سے محبت کی جاتی ہے؟

ج: ان سے پیسے ادھار نہیں مانگے جاتے۔

س: اگر میں ایک دن کے لیے پی ایم بن جاؤں تو.....؟

ج: بن جاؤں چیٹی ماسٹر۔

س: دنیا کا سب سے خوب صورت رشتہ آپ کی نظر میں؟

ج: ہائے اللہ مجھے شرم آ رہی ہے۔

س: اچھی سی دعا کے ساتھ رخصتی دیں؟

ج: جاؤ تمہیں بابل کے ساتھ والا گھر سسرال کی صورت ملے مطلب خوش۔

رقیہ خان..... وہاڑی

س: اپیا جی کیسی ہیں؟

ج: بہت خوب صورت، اسمارٹ، بیوٹی فل اور خوش جل جلی ناں؟

س: آپی جو لوگ اپنے خیالوں میں گم رہتے ہیں اور اداس رہتے ہیں ان کا کیا کرنا چاہیے؟

ج: ان سے گھر کے تمام کام کرانے چاہییں، نہ ہوگی فرصت اور نہ ہوگا کوئی خیال۔

س: آپی جی جو ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں لوگ کہتے ہیں انہیں کوئی غم نہیں ہوتا یہ سچ ہے کیا؟

ج: پاگلوں کو بھی غم ہوتے ہیں کیا، اب تم اپنی ہی مثال لے لو، مسکرا جو رہی ہو۔

س: ویسے اپیا جانی آپ کی ردی کی ٹوکری آپ کی طرح بھوکی ہے ہر کسی کا لیٹر بغیر ہضم کیے کھا جاتی ہے؟

ج: لیکن تمہیں بدہضمی کے تحت نکال دیا، خوش۔

س: کوئی اپنا نہیں ہے ذرا سنبھل کر چلنا۔

ج: آگے کیچڑ ہے کوئی سنگ مرمر تو نہیں۔

تسلیم اسلم..... پھالیہ

س: شمائل آپی کیسی ہیں آپ؟ میں نے بہت عرصے کے بعد انٹری دی۔ کیا خوش آمدید نہیں کہیں گی آپ؟

ج: پہلے مرغا بن کر کھڑی ہو جاؤ اور لیٹ آنے کی وجہ بتاؤ، خوش آمدید۔

س: عورت شادی سے پہلے محبوبہ ہوتی ہے تو شادی کے بعد..... پلیز اب سر درد نہ کہنا کیونکہ یہ بات پرانی ہو گئی ہے۔

ج: صرف بیوی ہوتی ہے وہ بھی اپنی۔

س: ارے آپ کا رنگ پہلے سے کالا ہو گیا ہے، یہ دھوپ کی تمازت کا اثر ہے یا چڑیل کا اسم کا؟

ج: آپ کے نظر کے عینک کی خرابی کا۔

س: ڈیئر آپی، محبت کیا چیز ہوتی ہے؟

ج: چتی منی اپنا سبق یاد کرو محبت پر غور کرنا چھوڑ دو۔

س: اب اجازت اچھی سی دعا دے دیں، اللہ حافظ۔

ج: اللہ آپ کی خوشیوں میں اضافہ کرے آمین۔